یعنی

معرفت محمد و آل محمد

ثقۃ الاسلام صدر المحققین شاہِ مردان

الحاج علامہ محمد بشیر انصاری اعلی اللہ مقامہ

(فاتح ٹیکسلا)

پیشکش مخدوم سید فخر امام کاظمی

حقائق الوسائط
یعنی
معرفت محمد و آلِ محمد

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا

''اور اسی طرح ہم نے تمہیں جماعت وسط (خالق و مخلوق کا درمیانی واسطہ بنایا) تا کہ تم انسانوں کے گواہ اور رسول تمہارا گواہ ہو''

جلد اوّل/دوم (مکمل)

حقائق الوسائط

یعنی

معرفت محمد و آل محمد

ثقة الاسلام صدر المحققین شاہِ مردان

الحاج علامہ محمد بشیر انصاری اعلی اللہ مقامہ

(فاتح ٹیکسلا)

پیشکش مخدوم سید فخر امام کاظمی

ناشر بقیۃ اللہ پبلیکیشنز گجرات

MOBILE: 0333-33 60 786

یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرونِ ملک مقیم ہیں

مومنین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ہیں۔

منجانب۔

سبیلِ سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدرآباد پاکستان

نام کتاب ۔۔۔۔۔حقائق الوسائط یعنی معرفت محمد و آل محمدؐ

مصنف ۔۔۔۔۔علامہ محمد بشیر انصاری (فاتح ٹیکسلا)

پیشکش ۔۔۔۔۔سگِ درِ بتولؑ

اہتمام اشاعت ۔۔۔۔۔مخدوم سید فخر امام کاظمی

کمپوزنگ ۔۔۔۔۔ لیلیٰ گرافکس

اشاعت ۔۔۔۔۔۔فروری 2013ء

تعداد اشاعت ۔۔۔۔۔ایک ہزار

صفحات ۔۔۔۔۔624

ہدیہ ۔۔۔۔۔-/450روپے

ناشر ۔۔۔۔۔بقیۃ اللہ پبلی کیشنز گجرات

سٹاکسٹ

القائمؑ بک ڈپو اندرون کربلا گامے شاہ۔ (لاہور)

القائمؑ بک ڈپو بھون روڈ (چکوال)

مکتبہ صاحب الزمانؑ (گجرات)

نذرانہ عقیدت

کتاب حقائق الوسائط کو جو حمایت ناموس اہلبیتؑ عصمت کے جذبہ میں تالیف کی گئی ہے

حجتہ اللہ العظمیٰ آیت اللہ الکبریٰ صاحب الامرولی

العصر عجل اللہ فرجہ الشریف

کے

والد ماجد **حضرت ابو محمد الحسن العسکری** علیہ الصلوات والسلام

کی بارگاہِ اقدس میں بصد عجز و نیاز پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں چونکہ غریق بحار معاصی

کے توفیقات تالیف میں حضرت کی خصوصی نصرت شامل رہی ہے لہذا حضرت ہی کے صاحبزادہ

صاحب الزمانؑ کا واسطہ دے کر قبولیت کا مستدعی ہوں۔

بندہ درگاہ

غریق تقصیر **محمد بشیر انصاری** (فاتح ٹیکسلا)

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ

اللھم صل علی محمد و آل محمد و عجل فرجہم

دعاء ظہور

یَا رَبِّ مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ وَّعَجِّلْ فَرَجَ آلِ مُحَمَّدٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَللّٰهُمَّ كُنْ لِّوَلِيِّكَ الْحُجَّةِ ابْنِ الْحَسَنِ صَلَوٰتُكَ
عَلَيْهِ وَعَلٰى آبَائِهِ فِىْ هٰذِهِ السَّاعَةِ وَفِىْ كُلِّ
سَاعَةٍ وَّلِيًّا وَّحَافِظًا وَّقَائِدًا وَّنَاصِرًا وَّ
دَلِيْلًا وَّعَيْنًا حَتّٰى تُسْكِنَهٗ اَرْضَكَ
طَوْعًا وَّتُمَتِّعَهٗ فِيْهَا طَوِيْلًا

اے ہمارے مولا کریمؑ اے زمانے کے

شہنشاہ عجل اللہ فرجہ الشریف

جلدی تشریف لایئے

جلدی تشریف لایئے

فہرست مندرجات حقائق الوسائط جلد اوّل

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله الذي أسمائه تعبير وأفعاله تفهيم وذاته حقيقة وكنهه
تفريق بينه وبين خلقه وغيوره تحديد بما سواه فقد جهل الله من استوصفه
وقد تعداه من استمثله وقد أخطاه من اكتنهه ومن قال كيف فقد شبهه
ومن قال لم فقد علله ومن قال متى فقد وقته ومن قال فيم فقد ضمنه
ومن قال إلى ما فقد نهاه ومن قال حتام فقد غياه ومن غياه فقد غاياه
ومن غاياه فقد جزاه ومن جزاه فقد وصفه ومن وصفه فقد ألحد فيه
هو أين الأين وكان ولا أين وهو كيف الكيف وكان ولا كيف لا يعرف بكيفو
فيته ولا بأينونيته له معنى الربوبية إذ لا مربوب وحق الإلهية إذ لا
مألوه ومعنى العالم إذ لا معلوم ومعنى الخالق إذ لا مخلوق وتأويل
السمع إذ لا مسموع خلق الأسماء وسيلة بينه وبين خلقه يتضرعون
بها إليه ويعبدون وهي ذكره وكان الله سبحانه ولا ذكر والمذكور بالذكر
لذكر هو القديم الذي لم يزل والأسماء والصفات مخلوقات والمعني بها
هو الله لا يليق به الاختلاف ولا ائتلاف بتشعيره المشاعر عرف أن لا مشعر
له بتجهيره الجواهر عرف أن لا جوهر له وبمضادته بين الأشياء عرف أن
لا ضد له وبمقارنته بين الأمور عرف أن لا قرين له كلما ميزتموه
بأوهامكم في أدق معانيه فهو مخلوق مصنوع مثلكم مردود إليكم لأنه
مقدار عقولكم لا مقداره سبحانه لعل النمل الصغار تتوهم أن لله
زبانيتين لأنهما كمالها وعدمها نقصان هكذا حال العقلاء يصفونه
تعالى بالصفات التي ألفوها في أنفسهم مع سلب النقائص ولو ذكر
لهم من صفاته ما ليس لهم ما يفهموه أبى الله أن يجري الأشياء إلا
بالأسباب فجعل لكل شيء سببا وجعل لكل سبب شرحا وجعل لكل
شرح مفتاحا وجعل لكل مفتاح علما وجعل لكل علم بابا ناطقا من عرفه
عرف الله ومن أنكره أنكر الله ذلك رسول الله وأهل بيته عليهم
الصلوات الزاكيات الطيبات الناميات هم وسائط الله وسائله ومحال مشية
الله وإرادته في جميع مقادير أموره تهبط إليهم وتصدر من بيوتهم
هم أسماؤه الحسنى وحججه العظمى والمثل الأعلى والآية الكبرى ومفازع

الْعِبَادِ عِنْدَ اللّٰہِ وَ اَحِیُ عَلٰی بَرِیَّتِہٖ وَ وُلَاۃُ اَمْرِہٖ عَلٰی خَلْقِہٖ وَ بَرَاهِیْنُ قُدْرَتِہٖ بَعَثَهُمْ فِی اللَّاهُوْتِ بِالْاَنْوَارِ اللَّاهُوْتِیَّةِ وَفِی الْمَلَکُوْتِ بِالْاَشْبَاحِ الْمَلَکُوْتِیَّةِ وَ فِی النَّاسُوْتِ فِی الْهَیَاکِلِ النَّاسُوْتِیَّةِ مَشِیَّتُهُمْ مَشِیَّتُهٗ وَ اَفْعَالُهُمْ اَفْعَالُهٗ وَطَاعَتُهُمْ طَاعَتُهٗ وَ مَعْصِیَتُهُمْ مَعْصِیَتُهٗ هُمُ الْاَوَّلُوْنَ فِی سِلْسِلَةِ الْبَدْءِ وَالْاٰخِرُوْنَ فِی سِلْسِلَةِ الْعَوْدِ هُمْ یَدُهُ الْبَاسِطَةُ وَ عَیْنُهُ النَّاظِرَةُ هُمُ الْوُلَاۃُ وَالْکُفَاۃُ هُمُ الرُّعَاۃُ وَالْحُمَاۃُ وَ اَعْضَادٌ وَ اَشْهَادٌ وَ اَنْوَارٌ وَ اَدْوَارٌ وَ اَذْهُمُ الرُّوْحُ الْاَعْظَمُ وَاللَّوْحُ وَ الْقَلَمُ اَوْجَبَ اللّٰہُ طَاعَتَهُمْ عَلَی الْمُکَوَّنَاتِ مِنَ الْاَرْضِیَّاتِ وَ السَّمَاوِیَّاتِ حَتَّی الْجَمَادَاتِ لَا یُحَدُّ شَاْنُهُمْ بِالْقِیَاسِ وَلَا یُنَالُ بِالْحَوَاسِ اَمْرُهُمْ صَعْبٌ مُسْتَصْعَبٌ لَا یَتَحَمَّلُهٗ اِلَّا مَلَکٌ مُقَرَّبٌ اَوْ نَبِیٌّ مُرْسَلٌ اَوْ مُؤْمِنٌ اِمْتَحَنَ اللّٰہُ قَلْبَهٗ لِلْاِیْمَانِ ضَلَّتِ الْعُقُوْلُ وَ تَاهَتِ الْحُلُوْمُ وَ حَارَتِ الْاَلْبَاءُ وَحَصُرَتِ الْخُطَبَاءُ وَتَصَاغَرَتِ الْعُظَمَاءُ وَ تَحَیَّرَتِ الْحُکَمَاءُ وَتَقَاصَرَتِ الْعُلَمَاءُ وَکَلَّتِ الشُّعَرَاءُ وَعَجَزَتِ الْاُدَبَاءُ وَ عَیِیَتِ الْبُلَغَاءُ وَعَنْ وَصْفِ شَاْنِهِمْ وَسَائِلُ مَعْرِفَةِ ذَاتِہٖ وَوَسَائِطُ ظُهُوْرِ صِفَاتِہٖ فَهُمْ کَهُوَ وَلَیْسَ هُوَ کَهُمْ لَا فَرْقَ بَیْنَهٗ وَ بَیْنَهُمْ اِلَّا اَنَّهُمْ عِبَادُهٗ وَالْکَافِرُوْنَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰہِ وَ رُسُلِہٖ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْکَافِرُوْنَ حَقًّا صَلٰوۃً دَائِمَةً مَا دَامُوْا وَ قَائِمَةً مَا قَامُوْا وَعَلٰی مَنْ جَعَلَ لَهُمُ الْمَثِیْلَ وَالْعَدِیْلَ اَللَّعْنُ الْوَبِیْلُ وَعَلٰی مَنْ اَدَّعٰی بِاَنَّهُمْ کَهُوَ فَعَلَیْہِ مَا عَلَیْہِ وَ عَلٰی مَنْ لَدَیْہِ ۔

(اقتباس از کلام اہلبیت عصمت وطہارت)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امابعد یہ غریق تقصیر محمد بشیر بن امام علی انصاری مرحوم (ساکن ٹیکسلا پاکستان) تقریباً چالیس سال سے حمایتِ اہلبیت علیہم السلام و دفاع مخالفین کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔
ہمارے مذہبی اجتماعات میں سرکار محمد و آلِ محمد علیہم السلام کے مراتبِ عالیہ و کمالاتِ سامیہ کا تعارف قرآن و حدیث اور دلائلِ عقلیہ کے ذریعہ کرایا جاتا ہے جس سے موالیانِ اہلبیت عصمت و طہارت کا حلقۂ عقیدت یوماً فیوماً وسیع تر ہوتا جا رہا ہے۔ کیونکہ ان ذوات مقدسہ میں ایسے خصوصی کمالات من جانب اللہ ودیعت ہوئے ہیں جو دوسرے رہنماؤں میں نہیں ہیں۔ اسی لئے فطری طور پر ان حضرات کی بارگاہِ اقدس میں انسانوں کی گردنیں جھک جاتی ہیں۔
کیونکہ کمال ایک ایسا فطری جوہر ہے جس کے سامنے عقلاء روزگار کا سر تسلیم خم کرنا تقاضائے فطرتِ الٰہیہ ہے۔

حضرات محمد و آلِ محمد علیہم السلام وسائط ہیں

جب ہر صحیح العقل انسان یہ فیصلہ کرتا ہے کہ خداوند عالم بذاتِ خود ہمارے ساتھ مصاحبت نہیں کر سکتا اور نہ ہمیں تعلیم دینے کے لئے ہمارے پاس براہِ راست آسکتا ہے اور نہ دو بدو ہم سے گفتگو کر سکتا ہے۔ کیونکہ یہ تمام طریقے اس کی شانِ احدیت و یکتائی کے لئے محال ہیں؛ سبحانہٗ و تعالیٰ عمّا یصفون۔
اور ہر صحیح الدماغ انسان یہ فیصلہ بھی کرتا ہے کہ ہم اپنے نقص و عجز اور مادیت و جہالت کی انتہائی پستی میں ہیں اس لئے ہم بذاتِ خود براہِ راست اس کی بارگاہِ عظمت و جلالت میں حاضری دے کر فیوض و برکات اور اوامر و نواہی حاصل نہیں کر سکتے۔
لہٰذا ہمارے اور ذاتِ احدیت کے درمیان وسائط کی ضرورت ہے۔ ان ہی کو حجۃ اللہ یعنی نبی یا امام کہتے ہیں۔ جناب علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے اسی فلسفہ کو بایں عبارت واضح فرمایا ہے:
فاحب و اقتضی حکمتہ البالغۃ ان یعرف خلقہ بالتوحید و یخصوہ بہ ولم یکن ذلک ممکنا الا بارسال الرسل لما قد تمهد من کمال علوہ و نہایۃ سموہ و انحطاط درجۃ المکلفین وجہلہم و عجزہم

فلذا جعل بینه و بین خلقه سفراء یفیض الیهم من جهة کمالهم و یفیضوا علی الخلق من جهة بشریتهم و مجالستهم لهم. بحار الانوار جلد ۵۔ صلا

خداوند عالم نے اپنی حکمتِ بالغہ کے تقاضے کے مطابق پسند فرمایا کہ اپنی مخلوقات کو معرفتِ توحید کرائے اور یہ اس کی خصوصی شانِ توحید کو سمجھیں۔ اس مقصد کا حصول رسولوں کے بغیر ممکن نہ تھا کیونکہ بالتحقیق ثابت ہے کہ وُہ کمالِ بلندی و رفعت رکھتا ہے اور مکلفین اپنے جہل و عجز کی انتہائی پستی میں ہیں۔ لہذا اس نے اپنے اور اپنی خلق کے درمیان ایسے سُفراء پیدا کئے جن پر اُن کے کمال کی وجہ سے خود فیض کرے اور وُہ بشریت اور ہم جنس ہونے کی حیثیت سے مخلوقات پر فیض کریں۔ اس بیانِ حق ترجمان سے معلوم ہوا کہ:

یہ سُفراء یعنی وسائط یعنی حجج اللہ یعنی نبی و امام دو جنبوں کے حامل ہوتے ہیں ایک جنبہ کا تعلق ذاتِ احدیت سے ہوتا ہے اور دُوسرے جنبہ کا تعلق مخلوقات کے ساتھ۔

ہمارے ساتھ بشریت میں مشارکت رکھتے ہیں تاکہ ہم مانوس رہیں اور زیادہ سے زیادہ استفادہ کرسکیں۔ یہ جنبہ بشری درحقیقت خدائے قدوس کے احکام ہمارے پاس پہنچنے کا وسیلہ ہے۔ بشریت کی وجہ سے ہمیں احکامِ خدا پہنچاتے ہیں۔

یعنی خداوند عالم اپنی مخلوق تک بذاتِ خود نہیں پہنچ سکتا تھا اس لئے اس نے نبی و امام کو جنبۂ بشریت عطا فرما کر ہمارے پاس بھیجا اور ان حضرات کے اقوال و افعال کو اپنی طرف منسوب فرمایا تاکہ بندگانِ خدا اِن ذواتِ مقدسہ کی اطاعت یہ سمجھ کر بجالائیں کہ وُہ خدا ہی کی اطاعت کر رہے ہیں۔ چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔ جو شخص خدا کے سفیر کی اطاعت کرے گا اُس نے بالتحقیق خدا ہی کی اطاعت کی۔ لہذا جنبہ بشریت کے لحاظ سے نبی و امام خدا کے فیوضات و احکام اس کے بندوں تک پہنچانے میں وسیلۂ خدا ہیں یعنی خدا نے اپنے بجائے بھیجا ہے۔

نبوت خرام احد تا صفات ! ز بری ولایت رجوع صفت سوئے ذات

دوسرا جنبہ ان حضرات کا رُوحانی ہے۔ اور وُہ اس لئے ہے کہ ہم بذاتِ خود خدا تک پہنچ کر اس کی بارگاہِ عزّ و جلال سے فیوض و برکات اور اوامر و نواہی حاصل نہیں کر سکتے کیونکہ ہماری مادیت و بشریت مانع ہے کہ ہم براہِ راست ذاتِ اقدس سے اخذ کر سکیں جیسا کہ مشاہدہ ہے کہ ہم نے براہِ راست کوئی امر و نہی خدا سے نہیں لیا ہے۔

ان حضرات کا جنبۂ رُوحانی ہمارے لئے خداوند عالم سے فیوض و برکات اور اوامر و نواہی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ اسی جنبہ کی وجہ سے مخلوقات کے لئے اس کی بارگاہ سے فیوض و برکات

اور اوامر و نواہی حاصل کرنے میں وسیلہ مخلوقات ہیں ۔ لہٰذا یہ ذوات مقدسہ وسیلۂ خدا ہیں؛ فیوض و احکام پہنچانے میں اور وسیلۂ خلق ہیں فیوض و احکام حاصل کرنے میں ۔ یعنی خدا نے ان حضرات کو اپنا وسیلہ بنایا ہے اپنے احکام پہنچانے کے لئے اور ہم نے اپنا وسیلہ بنایا ہے خدا سے احکام حاصل کرنے کے لئے ۔ یہ دونوں حیثیتیں ان کی ذاتی ہیں یعنی عارضی اور وقتی نہیں ہیں ۔ جس طرح نوع بشر کے لئے وسیلہ خدا ہونے میں بشریت لازمی ہے اسی طرح خدا سے ہمارے لئے وسیلہ بن کر فیوض و احکام حاصل کرنے میں روحانیت لازمی ہے ورنہ ہمارے لئے وسیلہ نہیں قرار پا سکتے ۔

نبی و امام کے لئے رُوحانیت و بشریت جزوِ لاینفک ہیں

ان دونوں جنبوں میں سے کسی ایک جنبہ کی جدائی یعنی کمی سے حقیقت وسیلہ کا معدوم ہونا اور مقصدِ وسیلہ کا فوت ہونا لازم آئے گا، اور اس صورت میں یا نوعِ بشر سے تعلق قطع ہو جائے گا یا ذاتِ احدیت سے ۔

یعنی جنبہ بشریت اگر جدا ہو گیا تو ہمارے ساتھ مصاحبت و مفاہمت و مکالمت نہیں کر سکتے ۔ اور اگر جنبہ روحانی جُدا ہو گیا تو ہماری طرح خدا سے اخذِ فیوض و احکام نہیں کر سکتے ۔

اس لئے ان دونوں جنبوں کو عارضی و وقتی سمجھنا قطعاً باطل ہے ۔ کیونکہ خالق و مخلوق کے درمیان ایک لمحہ کے لئے بھی تعلق قطع نہیں ہو سکتا ۔

اس مقصد کو حضرت صادق آل محمدؐ نے یوں بیان فرمایا ہے:

الحجة قبل الخلق ومع الخلق وبعد الخلق یعنی حجت خدا یعنی وسیلہ اس کی خلق سے پہلے موجود ہے اور اس کے ساتھ بھی ہے اور بعد بھی ۔ (بحار الانوار)

نبی و امام جُداگانہ نوع ہیں

جنبہ رُوحانی کسی وقت بھی جدا نہیں ہو سکتا بلکہ یہ جزو لاینفک ہے جو ان ذوات قدسیہ کے لئے فصل ممیّز (یعنی دیگر مخلوقات سے ان کی حقیقت کو جداگانہ ثابت کرنے والا) ہے ۔

اور دُوسرا جنبہ بشریت جس کی وجہ سے نوعِ بشر کے لئے وسیلۂ خدا قرار پائے ہیں یہ اس وقت تک لازمی ہو گا جب تک نوعِ بشر کے لئے وسیلۂ خدا ہوں ۔ لیکن جس وقت نوعِ بشر کا وجود ہی نہ ہو اس وقت اس شکل و صورتِ بشری کی بھی ضرورت نہ ہوگی ۔ لہٰذا یہ مشاکلت و مجانست بشری ان ذوات مقدسہ کے لئے جنس کی حیثیت ہے جس میں نوعِ بشر اور یہ ذوات قدسیہ مشترک ۔ یعنی شکل و صورت میں اشتراک ہے ۔ مگر جنبہ روحانی کی وجہ سے نوعِ بشر اور ان ذوات عالیہ

میں جُدائی اور امتیاز ہے اور ان دونوں جنبوں کے مجموعہ کا نام حجۃ اللہ، وسیلۃ اللہ اور نبی و امام ہے لہٰذا مابہ الاشتراک یعنی جنس اور مابہ الامتیاز یعنی فصل ان دونوں کا مجموعہ جداگانہ نوع اور جداگانہ مخلوق ہے لہٰذا نبی و امام کو اپنی نوع سمجھنا انکارِ نبوت و امامت کے مترادف ہے۔

حضرات محمدؐ و آلِ محمدؐ علیہم السلام اوّل مخلوق ہیں اور حجت خدا قبل الخلق ہیں۔ لہٰذا ان ذوات مقدسہ کا جنبہ روحانی جس کا تعلق خدا کے ساتھ ہے قبل خلقت کائنات موجود ہے جس کی وجہ سے یہ حضرات بین اللہ و بین الخلق وسیلہ قرار پائے ہیں۔

جب عالم لاہوت یعنی جواہر مفارقہ (وُہ بسیط مخلوقات جو ذات و فعل میں مادہ سے بے تعلق ہیں) کے لئے وسیلہ تھے تو ان ہی کے اشباح میں تھے۔ اور جب عالم ملکوت یعنی نفوس مجردہ (وُہ بسیط مخلوقات جو ذات میں مادہ سے بے تعلق مگر فعل میں تعلق رکھنے والوں) کے لئے وسیلہ تھے تو ان ہی کے امثال میں تھے۔ اور جب عالمِ ناسوت یعنی روح و مادہ سے مرکب مخلوقات کے لئے وسیلہ قرار پائے تو ان ہی کی اشکال میں وسیلہ بنے۔

مبعوث الیہم کے لحاظ سے جنس بدلتی رہی یعنی اقسام عالمین میں سے جس قسم کے لئے وسیلہ بنائے گئے اس کی مشارکت و مجانست عطا کی گئی تاکہ وُہ عالم ان ذواتِ مقدسہ سے مانوس رہے، اور اکتساب فیوض و برکات کر سکے۔ جیسا کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

حضرات محمدؐ و آلِ محمدؐ اوّل مخلوق اور معلّم کائنات ہیں

قال ابو جعفر علیہ السلام فنحن اوّل خلق اللہ واوّل خلق عبد اللہ و نحن سبب خلق الخلق و سبب تسبیحہم وعبادتھم من الملائکۃ والآدمیین (بحار الانوار) مفصّل حدیث اس کتاب میں پیش ہوگی۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا ہم اوّل مخلوق ہیں اور سب سے اول ہم نے عبادت خدا کی ہے۔ اور ہم سبب پیدائش مخلوقات ہیں اور ہم ہی تمام مخلوقات کی تسبیح و عبادت کا سبب ہیں۔ ہم نے ملائکہ کو بھی تسبیح و عبادت کی تعلیم دی ہے اور اولادِ آدم کو بھی۔ یعنی تمام اقسامِ عوالم کو عبادت و تسبیح ہم نے سکھائی ہے"۔

اسی طرح حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے بھی ارشاد فرمایا ہے کہ ہم نے تمام اقسام ملائکہ کو تعلیم تسبیح و عبادت دی ہے۔ احادیث کثیرہ اس مضمون پر مشتمل زیرِ تفسیر آیۂ انا لنحن المسبحون منقول ہیں جو تفصیلی طور پر اس کتاب میں درج کی جائیں گی۔

لہٰذا یہ ذواتِ مقدسہ خدائے قدوس اور جملہ عالمین کے درمیان وسیلہ ہیں اور یہی علتِ

غائی ممکنات اور علت بقائے کائنات ہیں۔ چونکہ عوالم مختلفہ یعنی عالم لاہوت و عالم ملکوت و عالم ناسوت و عالم جبروت کے لئے وسیلۂ خدا ہیں اس لئے ان حضرات کے لئے مناسبات عوالم کی وجہ سے اولیت کے تعبیرات جُدا جُدا ہیں۔

کبھی اوّل ماخلق اللہ نوری فرمایا یعنی سب سے اوّل میرا نور مخلوق ہوا۔ اور کبھی اَوّلَ مَاخلق اللہ روحی فرمایا یعنی سب سے پہلے میری رُوح خلق ہوئی۔ تعبیرات بلحاظ مناسبت جُدا جُدا ہیں مگر مخلوق اوّل بالتحقیق نورِ محمدؐ وآلِ محمد علیہم الصّلوٰۃ والسّلام ہی ہے جو لاشئے سے خلق ہُوا ہے۔ اور اسی لئے اوّل ہے اور تمام اشیائ کے وجود کی علت ہے۔ اور اس کے بعد تمام اشیاء کائنات شئے سے شئے بنی ہیں۔

حضرات محمدؐ وآل محمدؐ مدبر عوالم ہیں

یہی اوّل مخلوق، حجت اللہ، قبل الخلق ومع الخلق وبعد الخلق ہے، اور یہی روحِ عالم ہے اور تمام عالم مثل جسد ہے۔ چنانچہ

جناب علامہ کاشانی تحریر فرماتے ہیں:

الحجۃ بمنزلۃ روح العالم والعالم جسدہ فکما ان الروح انما یدبر الجسد و یتصرف فیہ بما یکون لہ القویٰ الروحانیۃ والجسمانیۃ کذالک الحجۃ یدبر العالم ویتصرف فیہ باذن اللہ بواسطۃ الاسماء الالٰھیۃ التی اودعہا فیہ وعلمہا ایاہ ورکبہا فی فطرتہ فانہا منہ بمنزلۃ القویٰ من الروح ولھذا تخرب الدار الدنیا بانتقال الحجۃ عنہا کما ان الجسد یُبلٰی ویُفنیٰ بمفارقۃ الروح منہ۔

حجۃ اللہ بمنزلہ روح عالم ہے اور عالم اس کے لئے بمنزلہ جسد ہے۔ پس جس طرح روح اپنے جسم کی تدبیر کرتی ہے اور اس پر متصرف ہے اپنی رُوحانی اور جسمانی قوتوں کے ذریعہ، اسی طرح حجۃ اللہ بھی مدبر و متصرف عالم ہے اور یہ تصرف اس کو باذنِ خدا حاصل ہے۔ اور یہ ان اسمائے الٰہی کے ذریعہ تصرف کرتا ہے جو خداوند عالم نے اس میں ودیعت فرما دیئے ہیں اور ان کا علم عطا فرما دیا ہے اور اس کی خلقت کے اجزا بنا دیئے ہیں۔ یہ اسماءِ الٰہی جو بلحاظ علم اس کے لئے ذاتی اور جزو ترکیب ہیں بمنزلہ قویٰ ہیں یعنی جس طرح رُوح کے لئے قوتیں ہیں اسی طرح اسماءِ الٰہی اس کے لئے قوتیں ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ دُنیا فنا ہو جائے گی جب کہ حجتِ خدا دنیا سے جُدا ہو جائے گی جس طرح رُوح کی مفارقت سے جسم فنا ہو جاتا ہے۔

اسی مقصد کو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے یوں بیان فرمایا ہے:

قال الصادق علیہ السلام نحن واللہ الاسماء الحسنیٰ لا یقبل اللہ من العباد عملا الا بمعرفتنا و ذلک لانھم علیھم وسائل معرفۃ ذاتہ و وسائط ظھور صفاتہ سبحانہ۔

حضرت صادق آل محمد علیہ السلام نے فرمایا ہم ہی بخدا اسمائے حسنیٰ ہیں خداوند عالم کسی بندہ کا عمل ہماری معرفت کے بغیر قبول نہیں کرے گا۔ اس کلام کا مقصد یہ ہے کہ یہی حضرات علیہم السلام ذاتِ خدا کے وسیلے ہیں اور یہی حضرات ظہورِ صفاتِ خدا کے وسائط ہیں۔ ان ہی کے ذریعہ صفاتِ خدا کا ظہور ہوتا ہے۔ یعنی وسیلۂ معرفتِ ذات بھی ہیں اور ذریعۂ ظہورِ صفات بھی۔

ان ذواتِ مقدسہ کے مدبّرِ عالم ہونے کا ثبوت حضرت علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے حدیثِ امام جعفر صادق علیہ السلام اور اس کی تشریح میں تحریر فرمایا ہے۔ چنانچہ مراۃ العقول جلد اوّل ص۲۷۲ میں ہے:

عن عبد اللہ بن سنان عن ابی عبد اللہؑ قال سمعتہ یقول اللھم صل علی محمد صفیک وخلیلک ونجیک المدبر لامرک ٥

ھذا یدل علی ان لہ مدخلا فی تدبیر امور العالم وان الملائکۃ الموکلین بذلک مامورین بامرہ۔

یعنی امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے جدّ امجد پر صلوٰۃ میں یہ الفاظ فرمائے کہ یا اللہ رحمت نازل کر اپنے برگزیدہ محمدؐ پر جو تیرے امر کے مدبّر ہیں۔ یہ لفظ مدبّر اس امر کی دلیل ہے کہ آنحضرتؐ کو امورِ عالم کی تدبیر میں عملی دخل حاصل ہے کیونکہ وہ ملائکہ جن کی نوکری اور خدمت امورِ خلق کو انجام دینا ہے وہ سب آپ کے تابع ہیں اور آپ کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں، لہٰذا مدبّرِ عالم ہیں۔

امورِ تشریع و تکوین کی نوعیّت

جس طرح ہم خدا سے اوامر و نواہی بغیر وسیلہ حاصل نہیں کر سکتے ہیں اسی طرح فیوض و برکات بھی بغیر وسیلہ حاصل نہیں کر سکتے کیونکہ جو امر احکامِ شریعت کے حصول میں مانع ہے وہی فیوض و برکات کے حصول میں بھی مانع ہے۔ اور جس طرح تبلیغ امورِ شریعت کی انجام دہی بامر و مشیت خدا ہے اسی طرح امورِ تکوین کی انجام دہی بھی بامر و مشیت خدا ہے۔ ان دونوں صورتوں میں قطعاً کوئی فرق نہیں ہے۔

قرآن مجید میں اقوال و افعال انبیاء و آئمہ علیہم السلام خود ان ہی ذواتِ مقدسہ کی طرف

منسوب ہیں۔ اور یہ نسبت من باب الحقیقۃ ہے نہ کہ مجازاً۔ حالانکہ یہ تمام امور بامر و مشیت خدا ان حضرات سے وقوع پذیر ہوتے ہیں مندرجہ ذیل آیات ثبوت کے لئے کافی و وافی ہیں ورنہ کل قرآن افعال و اقوال انبیاء علیہم السلام سے مملو ہے یا ایھا الرسول بلغ۔ اے رسولؐ پہنچا دو۔ یا ایھا النبی جاھد اے نبیؐ جہاد کر۔ لا تصل علی احد اے نبیؐ ان کی نماز جنازہ نہ پڑھو۔ لا تقولن لشیء۔ اے نبیؐ بغیر انشاء اللہ کسی کام کے لئے یہ نہ کہو کہ میں کل کروں گا۔ اسی طرح یتلو علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ۔ ہمارا نبی آیات کی تلاوت کرتا ہے اور لوگوں کے نفوس کو پاکیزہ کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ وجعلنا ھم ائمۃ یھدون بامرنا۔ ہم نے انہیں آئمہ بنایا ہے جو ہمارے امر کے مطابق ہدایت کرتے ہیں۔ افمن یھدی الی الحق احق ان یتبع۔ کیا وہ شخص جو راہِ حق دکھاتا ہے اتباع کا زیادہ حق دار ہے یا وہ شخص جو ہدایت یافتہ نہ تھا جب تک کہ اس کو ہدایت نہ کی گئی۔ ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ۔ اور تمہیں پالنے والا اتنا عطا کرے گا کہ تم راضی ہو جاؤ۔ فلنولینک قبلۃ ترضاھا۔ ہم تمہاری پسند کے قبلہ کی طرف تمہارا رخ موڑ دیں گے۔

یہ تمام آیات اس امر کا بیّن ثبوت ہیں کہ انبیاء و آئمہ علیہم السلام کے اقوال و افعال انہی کے اختیاری قول و فعل ہیں اگرچہ ان کا صدور بامر و مشیتِ خدا ہے۔

اگر یہ اقوال و افعال ان ذوات مقدسہ کے اختیاری نہ ہوتے بلکہ بالجبر ہوتے تو نبی و امام کا کوئی فعل قابلِ مدح اور لائقِ ثواب و جزا نہ ہوتا۔ کیونکہ فاعل مجبور نہ لائقِ مدح و ذم ہے اور نہ لائقِ جزا و سزا۔

اسی اصول پر امور تکوینیہ بامر و مشیت خدا اگر ان حضرات سے صادر ہوں تو وہ اپنے معجزانہ اقوال و افعال میں خود فاعل و قائل کیوں نہیں قرار پا سکتے۔ اور ان امور میں ان ذوات مقدسہ کو مجبور کیوں سمجھا جائے۔

جس طرح یہ حضرات تبدیلی امور شریعت کا اختیار حاصل نہ ہونے کی صورت میں حقیقی طور پر فاعل و قائل اور مستحق مدح و ثواب ہیں اسی طرح افعال و اقوالِ معجزانہ میں بھی یہی صورت جاری ہے۔ یہ خود فاعل و قائل ہیں۔

جس طرح خداوند عالم ہدایت کی نسبت اپنی طرف دیتا ہے: یھدی من یشاء اسی طرح ان ذواتِ مقدسہ کی طرف بھی ہدایت کو منسوب فرماتا ہے: یھدون بامرنا۔ یعنی یہ حضرات ہمارے امر سے ہدایت کرتے ہیں تو امور تکوین میں جن امور کی نسبت ان ذوات مقدسہ کی طرف ہے وہ مجازی کیوں ہے اور جو نسبت امور تشریع میں ان حضرات کی طرف ہے وہ حقیقی کیوں؟ حالانکہ دونوں

صورتوں میں ان حضرات کے اقوال و افعال بامر و مشیت خدا ہیں۔

جس طرح امرِ خدا امورِ شریعت میں ان حضرات کے لئے باعثِ جبر نہیں ہے بلکہ ہدایت و تبلیغ میں ان کو اختیاری حیثیت حاصل ہے اسی طرح امورِ تکوین میں بھی ان کے اقوال و افعال میں امرِ خدا باعثِ جبر نہیں ہے۔

امورِ تکوین میں جس طرح افعال معجزانہ کی حیثیت ہے اسی طرح اقوال معجزانہ کی بھی حیثیت ہے، کیونکہ معجزات کی دو قسمیں ہیں: فعلیہ و قولیہ۔ جیساکہ مندرجہ بیان سے ثابت ہے:۔

الامور الغریبۃ التی منہا المعجزات قولیۃ وفعلیۃ والمعجزات الحاصلۃ بالانبیاء لیست بالفعلیۃ المحضۃ فان اقتران الفعلیۃ بالقولیۃ خاص لھم وھو دال علیٰ صدقھم (عماد الاسلام)

"امورِ عجائب و غرائب میں سے معجزات بھی ہیں جو قولی بھی ہوتے ہیں اور فعلی بھی۔ اور جو معجزات انبیاء علیہم السلام کی ذوات مقدسہ کے ساتھ مخصوص ہیں وہ صرف فعلی ہی نہیں، بلکہ فعلی معجزات کے ساتھ قولی معجزات کا باہم ہو جانا ان ہی کی ذواتِ عالیہ کے ساتھ مخصوص ہے جو ان کی صداقت کی دلیل ہوتا ہے۔"

یعنی یہ ذوات مقدسہ اپنی زبان مبارک سے جو کچھ فرما دیتے ہیں ویسا ہی ظاہر ہوتا ہے اور جانوروں سے باتیں کرتے ہیں یہ قولی معجزہ ہے۔ اور مُردوں کو زندہ کر دینا، مریض کو شفا دینا یہ فعلی معجزہ ہے۔

یہ سب افعال و اقوال بامر و اذنِ خدا ان حضرات سے صادر ہوتے ہیں۔ پھر یہ قول و فعل معجزانہ ان حضرات کی طرف بالحقیقت کیوں منسوب نہیں ہیں، اور ہدایت و تبلیغ امورِ شریعت کیوں بالحقیقت منسوب ہیں۔ جبکہ وہ بھی بامر و اذنِ خدا وقوع میں آتی ہیں۔ یہ مباحث مفصل طور پر اس کتاب میں بیان ہوں گے۔

صداقت وسیلہ امورِ تکوین پر موقوف ہے

حجت خدا پر من جانب اللہ واجب ہے کہ وہ اپنی صداقت کے دلائل پیش کرے اور وہ دلائل و بینات ہی ایسے امورِ تکوین ہیں جو نوعِ بشر کی فطری قوتوں اور تخلیقی طاقتوں سے خارج ہوتے ہیں اگرچہ تمام آیات و معجزات بامر و اذنِ خدا ہی وقوع میں آتے ہیں اور قوتِ خداداد ہی کے ذریعہ صادر ہوتے ہیں مگر ان قوتوں کا استعمال حجتِ خدا کرتا ہے۔ کبھی اپنے قولِ معجزانہ کے ذریعہ، اور کبھی فعلِ معجزانہ کے ذریعہ۔

خداوند عالم کی طرف سے یہ قوتِ اعجاز ان ذوات مقدسہ میں تخلیقی ہوتی ہے اور مسلسل ان کی ذات

سے وابستہ رہتی ہے تاکہ کوئی لمحہ ایسا نہ ہو سکے کہ حجتِ خدا موجود ہو اور دلیلِ صداقت موجود نہ ہو (قرآن مجید دلیل سفارت ہے آئندہ آئے گا)

جب تک یہ حضرات بحیثیت وسیلہ بین الخالق والمخلوق موجود ہیں قوتِ اعجاز بھی موجود ہے جو ان کی خلقت میں ودیعت کی جاتی ہے اور تمام کائنات عالم امور تکوینیہ میں ان کی مطیع و فرمانبردار ہے۔ جیسا کہ علامہ مجلسیؒ نے آیۂ قرآن کی تفسیر میں حدیث معصومین علیہم السلام سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا ہے؛

فاشهدهم خلقها ای خلقها بحضرتهم و بعلمهم وهم كانوا مطلعين علىٰ اطوار الخلق واسراره فلذا صاروا مستحقين للامامة لعلمهم الكامل بالشرائع والاحكام وعلل الخلق واسرار الغيوب والائمة الامامية كلهم موصوف بتلك الصفات دون سائر الفرق واجرى طاعتهم عليها اى اوجب والزم علىٰ جميع الاشياء طاعتهم حتى الجمادات من السماويات والارضيات كشق القمر و اقبال الشجر و تسبيح الحصاة وامثالهما (بحار الانوار)

خداوند عالم نے تمام اشیاء کو حضرات محمد و آلِ محمد علیہم السلام کے سامنے پیدا کیا یہ حضرات ان کی خلقت کے طور طریقے اور رموز و اسرار خلقت سے مطلع ہو گئے اور اسی لئے مستحق امامت قرار پائے کیونکہ انہیں شرائع اور احکام کا بھی کامل علم ہے اور مخلوقات کی پیدائش کی علتوں اور رموز غیب کا بھی"

ہمارے تمام آئمہ ان صفات کے ساتھ موصوف ہیں اور یہ شان کسی فرقہ کے رہنماؤں کو حاصل نہیں ہے۔ (مبارک باشد)

واجرى طاعتهم عليها

خداوند عالم نے تمام اشیاء پر ان ذوات مقدسہ کی اطاعت کو واجب و لازم قرار دیا حتیٰ کہ جمادات پر بھی اور تمام آسمانی اور ارضی اشیاء پر بھی جس کی دلیل شقِ قمر ہے اور درختوں کا تعمیلِ حکم کرنا اور سنگریزوں کا تسبیح کرنا وغیرہ۔ اس قدر معجزات ہیں کہ جن کا شمار ممکن نہیں ہے۔ (مفصل احادیث و دلائل اس کتاب میں ذکر ہوں گے)

معلوم ہوا یہ ذوات مقدسہ بامر و اذنِ خدا تمام عالمین پر حکمراں ہیں اور امور تکوین میں ان حضرات کو خداوند عالم نے اختیارات عطا فرمائے ہیں۔ لہٰذا جس طرح ہم ان حضرات سے حلال و حرامِ خدا کا استفادہ کرتے ہیں اسی طرح امور تکوین میں بھی ان حضرات سے استفادہ کرنا خدا کی توحید د

عظمت کا صحیح اقرار اور وسیلہ کی صحیح معرفت ہے اور یہ استفادہ اسی اعتقاد کے ساتھ کرتے ہیں کہ خدا نے یہ اختیارات عطا کئے ہیں۔

یہی ذوات مقدسہ حجج اللہ ہیں اور یہی وسائط اللہ ہیں۔ علیھم الصّلوات الزاکیات النامیات السامیات الیٰ یوم العرصات۔

حقائق الوسائط

اس کتاب میں وسائل و وسائط بین اللہ و بین الخلق کا تعارف کرایا گیا ہے اس لئے اس کتاب کا نام "حقائق الوسائط" رکھا گیا ہے۔ (کیونکہ معرفت حقیقت کا مطلب ہے کسی شے کے آثار و صفات کے ذریعہ اس کی معرفت حاصل کرنا۔ اور معرفت ماہیئت کا مطلب ہے کسی شے کو اس کی ذات کے ذریعہ پہچاننا)۔

معذرت!

اس کتاب میں بندۂ ناچیز سے فروگذاشت کا ہونا ممکن ہے اس لئے خداوند عالم سے اپنے قصور کی مغفرت چاہتا ہوں، اور ناظرین سے بھی عفو و درگزر کا متمنی ہوں۔

شیعیانِ پاکستان میں بحران العقائد کے جراثیم لائے گئے ہیں!

اگرچہ مدتِ مدید و زمانہ بعید سے حضرات معصومین علیہم السلام کے باب میں گستاخانہ عقائد کی چنگاریاں سلگتی رہتی تھیں مگر اس کے اثرات اس لئے مضمحل رہتے تھے کہ محدثین کبار علوم اہلبیت عصمت وطہارت کے چھینٹوں سے دبلاتے اور بجھاتے رہتے تھے۔

لیکن زمانہ قریب میں بعض علماء نے جن میں شیخ محمد خالصی سرخیل تھے اس آتش کو مشتعل کر دیا، اور اپنے مادی اقتدار اور سیاسی اثر ورسوخ سے علماءِ روحانیین اور محدثین مقدسین کے مراکز پر قبضہ کی شدید جدوجہد کی۔ یہ سرگزشت نجفِ اشرف میں خبر متواتر کا درجہ رکھتی ہے۔

بعض پاکستانی طلبہ ان جدت پسند علماء کی شان وشوکت اور زمانہ جدید کے مطابق علمی جدتیں دیکھ کر ان کی طرف مائل ہو گئے کیونکہ ان کی طبیعتیں بھی اپنے لئے ایک جدید مقام حاصل کرنے کی خواہشمند تھیں۔ چنانچہ جدت پسند علماء کے سرخیل شیخ محمد خالصی کی کتاب احیاء الشریعہ جو بزعم خود مُردہ شریعت کو زندہ کرنے کے لئے لکھی گئی۔ اسی نوعیت کی دیگر کتابیں فراہم کر کے اور جدید آتش فشاں مواد ہمراہ لے کر واردِ پاکستان ہوئے۔ حضرات معصومین علیہم السلام کی شان میں گستاخانہ تحریرات کی تشہیر شروع کی۔ عوام اور کم علم موالیانِ اہلبیت کو ان کے آبائی اور قدیمی عقائد سے منحرف کرنے کے لئے مندرجہ ذیل مقالہ تحریر فرمایا:

"افسوس آج یہ عالم ہے کہ لوگ دین کو کوئی اہمیت ہی نہیں دیتے۔ تحقیق وجستجو کا فقدان ہے تفحص وتلاش عنقا ہے۔ جو رطب ویابس کسی مجہول الحال رسالہ یا کتاب میں مل گیا اس پر یقین کر لیا۔ جو کچھ کسی عالم نما جاہل بے دین اہلِ علم سے سُن لیا اُسے ایمان بنالیا جو اپنے بوڑھے بزرگوں سے سُنا اس پر جمود کر لیا۔" اصول الشریعہ ص۱۴

یہ پاکستانی طلبہ جدت پسندانہ انداز فکر لے کر آئے اور مسندِ درس پر متمکن ہوتے ہی اخبارات ورسائل میں اپنی علمی جدتیں اور قیاسی تاویلیں مشتہر کرنے لگے۔ جدید العہد احباب بھی جو اپنے عقائدِ سابقہ لے کر شیعی حلقہ میں محسوب ہو گئے تھے ہمنوا بن گئے۔ رفتہ رفتہ ہم مشرب حضرات "معلقات" کے ہمدرد ہو گئے اور اہلبیت عصمت وطہارت کی شان میں گستاخیاں تیز رفتاری کے ساتھ ضخیم کتب کی شکل میں شائع کی گئیں اور اشتہاری فتاویٰ بھی کتابی شکل میں منظرِ عام پر آ گئے۔

جدت پسندانہ اقرار!

اصول الشریعہ جدید ص۵ پر تحریر فرماتے ہیں: "اسلام حریت فکر و رائے کا مخالف نہیں بلکہ مؤید

ہے اور وُہ ہر صاحبِ فکر و نظر کو دلیل و برہان کے ساتھ بطریقِ احسن اپنے نظریہ کے اظہار کا حق دیتا ہے۔ تو اگر بالفرض مولوی صاحبان کے خیال کے مطابق ہم نے کوئی نیا نظریہ بھی پیش کیا تھا تو عدل و انصاف اور صدقِ نیّت کا تقاضا تو یہ تھا کہ یہ لوگ ہائے، ہو کرنے کے بجائے ہماری کتب کا بنظرِ غائر مطالعہ کرتے۔"

مؤلّفِ اصُولِ الشریعہ کی علمیت کا ماتم کیجئے کہ دین اسلام میں حریت فکر و رائے کو آزادی دے کر کلامِ خدا اور حدیثِ معصومین علیہم السّلام کو رد کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ماکان لمؤمن ولامؤمنۃ اذا قضی اللہ ورسولہ امرا ان یکون لھم الخیرۃ من انفسھم (قرآن) جب اللہ و رسُول کسی امر کا فیصلہ کر دیں تو کسی مردِ مومن اور زنِ مومنہ کو کسی قسم کا کوئی اختیار نہیں ہے حضرت امیر المومنین علیہ السّلام کا ارشاد ہے: لا رأی فی الدین انما ھو امر الرب ونھیہ دین میں فکر و رائے کو قطعاً دخل نہیں ہے۔ دین تو صرف خدا کے امر و نہی کا نام ہے۔" مؤلّفِ اصُول الشریعہ دین میں حریت فکر و رائے کو گھسیٹ رہے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط

اب ہم اصول الشریعہ کا ایک ورق ص۲۲۱ و ص۲۲۲ من وعن درج کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیے:

کیا فرماتے ہیں علمائے شیعہ مندرجہ ذیل عقائد کے بارے میں

(۱) کیا حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم اور اہلبیت علیہم السّلام خداوند عالم کے امر و مشیت کے تحت خلق و رزق، اماتت و احیاء وغیرہ امور تکوینیہ کی انجام دہی کرتے ہیں۔

(۲) کیا معجزہ فعلِ خدا ہے یا فعلِ نبی و امام۔

(۳) کیا جناب رسُولِ خدا اور آئمہ اہلبیت علیہم السّلام ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں۔

(۴) کیا جناب رسُولِ خدا اور آئمہ اہلبیت علیہم السّلام عالم الغیب ہیں۔

(۵) کیا پیغمبرِ اسلام اور آئمہ اہلبیت علیہم السّلام نوعِ بشر کے افراد ہیں یا ان کی علیحدہ نوع ہے؟

الجَوَابُ وَمِنَ اللّٰہِ التَّوفِیق :۔

(۱) جو کچھ قرآن کریم اور احادیث و اخبار معصومین علیہم السّلام اور اتفاق علماء اعلام متقدمین و متاخرین سے ثابت ہے وُہ یہ ہے کہ پیدا کرنا، رزق دینا، مارنا جلانا وغیرہ امور تکوینیہ خداوند عالم ہی سے وابستہ ہیں اور خلاقِ عالم نے ان امور کی انجام دہی رسُول خدا اور آئمہ ہدیٰ کے سپرد نہیں کی نہ استقلالی طور پر اور نہ غیر استقلالی طور پر۔ لہٰذا یہ عقیدہ رکھنا کہ جناب رسُول خدا یا آئمہ ہدیٰ ان امور کو بامر اللہ انجام دیتے ہیں یہ خود ان ہی بزرگواروں کی مسلم تعلیم کے خلاف ہے۔

(۲) معجزہ فعلِ خدا ہوتا ہے؛ البتہ اس کا ظہور ان ذواتِ مقدسہ سے ہوتا ہے۔
(۳) ہر جگہ اور ہر وقت حاضر و ناظر ہونا باری تعالیٰ سے مخصوص ہے البتہ یہ ذواتِ عالیہ اگر کائناتِ عالم میں سے کسی شے کا مشاہدہ کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں اور جسدِ مثالی کے ساتھ بیک وقت امکنہ متعددہ میں حاضر بھی ہو سکتے ہیں۔
(۴) اس میں کوئی شک نہیں کہ جناب پیغمبرِ اسلام اور ائمہ اہلبیت علیہم السلام بتعلیم اللہ اس قدر مغیبات جانتے ہیں جن کی کوئی حد مقرر نہیں کی جا سکتی۔ علمائے متقدمین نے یہ اصطلاح قائم کی ہے جس کا علم بالذات نہ ہو اس کے عالم کو عالم الغیب نہیں کہہ سکتے۔
(۵) پیغمبرؐ اور ائمہ ہدیٰ علیہم السلام نوعِ بشر کے اکمل افراد ہیں۔ اور یہ کہنا کہ ان کی علیحدہ نوع ہے، صحیح نہیں ہے۔ دستخط بعض اعلام: عالیجناب مفتی جعفر حسین صاحب قبلہ، عالیجناب مولانا محمد یار شاہ صاحب قبلہ، عالیجناب مولانا سید گلاب شاہ صاحب قبلہ، عالیجناب مولانا حسین بخش صاحب قبلہ، عالیجناب مولانا سیف اللہ صاحب جعفری قبلہ، عالیجناب مولانا اختر عباس صاحب قبلہ؛ یہ راقم اثم جعفر محمد حسین عفی عنہ۔ (اصول الشریعہ ص ۲۲۱ و ص ۲۲۲)

مذکورہ بالا نظریات اور اس کے علاوہ دیگر گستاخانہ بیانات و ناصبیانہ خیالات، کتاب احسن الفوائد اور کتاب اصول الشریعہ میں مندرج ہیں۔ ہم ان دونوں کتابوں سے مختصر سا خاکہ پیش کرتے ہیں اور ان حضرات کی دو رُخی تحریر اور غلط تاویلات کا جواب دلائل قاہرہ اور براہین باہرہ کے ذریعہ قرآن و سُنّت اور عقل کی روشنی میں پیش کریں گے۔ پہلے ان کتابوں کے گمراہ کن مندرجات کو پیش کرتے ہیں:۔

ہمیں ان حضرات سے ذاتی اختلاف نہیں بلکہ ایمانی ہے

مؤلف کتابین اور ان کے ہم مشرب کا منشور اہلبیت طاہرین کے باب میں خصوصاً اور جملہ انبیاء علیہم السلام کی شان میں عموماً نہایت توہین آمیز ہے۔ علماء و خطباءِ شیعہ کے عقائد سے متصادم اور نشر و اشاعت مذہب شیعہ کے لئے سخت ضرر رساں بلکہ مخالفین کے ہاتھوں میں ہمارے خلاف تیز دھار ہتھیار ہے۔ ہمیں اِن سے کوئی ذاتی رنجش نہیں۔ لیکن ان حضرات نے واضح طور پر لکھ دیا ہے کہ محمد و آلِ محمد علیہم السلام کی جنس اور فصل جن سے ان کی تخلیق ہوئی ہے؛ اور تمام نوعِ بشر کی جنس و فصل میں کوئی فرق نہیں ہے بلکہ دونوں ایک ہی نوع کے افراد ہیں۔

ان حضرات نے اپنے اعتقاد وحدت نوع کے دلائل پیش کرتے ہوئے حضرات معصومین علیہم السلام کو اپنی نوع میں شامل کرنے کے لئے جس بے دردی سے کھینچ کر اپنی صف میں لا کھڑا

کیا ہے اس سے ہمارے قلوب پر شدید ضرب لگی ہے۔

ان حضرات نے فضیلتِ بشر کے باب میں جس قدر آیات قرآنی پیش کئے ہیں اور نوع بشر کی فضیلت کا ثبوت مہیا کیا ہے اس کے ضمن میں تحریر فرمایا ہے کہ ایسی فضیلت والی نوع بشر سے محمدؐ و آلِ محمدؐ کو خارج نہیں کیا جا سکتا بلکہ یہ حضرات اسی نوع کے افراد ہیں۔ بشر کے علاوہ ان کی کوئی اور نوع نہیں ہے۔ وُہ ہماری طرح بے بس و عاجز بشر ہیں۔

اسی طرح تحریر کیا ہے کہ معجزہ صرف فعلِ خدا ہے۔ اور اس کے دلائل پیش کرتے ہُوئے تحریر فرمایا ہے کہ حضرات محمدؐ و آلِ محمدؐ علیہم السّلام میں کوئی قوتِ اعجاز نہیں ہے۔ وُہ اس صفت سے اسی طرح خالی و عاری ہیں جس طرح کہ ایک پتھر اس صفت سے خالی و عاری ہے۔ لہٰذا خدا جس طرح ان حضرات معصومین سے کام لے سکتا ہے اسی طرح وُہ ایک پتھر سے بھی کام لے سکتا ہے۔ عدم قابلیت میں دونوں مساوی ہیں۔ یہ نظریہ کہ قوتِ اعجاز سے دونوں محروم اور میں برابر"۔ ان کی پہلی کتاب "احسن الفوائد" کا نظریہ تھا۔

لیکن جوابی کتاب اصول الشریعہ میں دوسرا نظریہ تحریر فرمایا ہے کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مکھی ہیں اور حضرت امیر المومنین علیہ السّلام مچھر ہیں (العیاذ باللہ) اور جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کو ناقۂ صالح کے مقابل اور امام حسن و امام حسین علیہم السّلام کو ناقۂ صالح کے بچے کے مقابل بنایا ہے (الامان والحفیظ) ان کی عبارت اور ہماری ردّ اس کتاب میں آئے گی۔ ہمارا عقیدہ حدیث نور کے بالکل خلاف ہے۔ ہم بشریت کے علاوہ ان حضرات میں ایک اور کمال ذاتی تسلیم کرتے ہیں۔ جس کی وجہ سے یہ حضرات حجۃ اللہ قرار پاتے ہیں۔ وُہ کمال ذاتی ان حضرات کی فصل ممیز ہے اور جنس و فصل دونوں کا مجموعہ علیحدہ نوع ہے جس کے دلائل ہم پیش کریں گے۔

ہمارا عقیدہ معجزہ کے متعلق یہ ہے کہ قوتِ اعجاز کا خالق خدا ہے اور اس قوت کا استعمال نبی و امام کرتے ہیں۔ اس لئے یہ حضرات فاعلِ قوت معجزہ ہیں۔ اور خدا خالق قوتِ معجزہ ہے جس کے دلائل ہم اس تالیف میں پیش کریں گے۔

اسی طرح ان حضرات کا اعتقاد ہے کہ ان ذوات مقدسہ سے براہِ راست طلب کرنا غلط ہے بلکہ کفر و شرک ہے۔ اور پنجتن پاک سے مدد مانگنے والے کافر ہیں اُن پر تمام احکامِ کفر جاری ہیں۔

اور ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ خدا نے ان کو ہمارا حاکم و راعی بنایا ہے اور ہم ان کے محکوم اور رعیت ہیں لہٰذا جب بھی رعایا میں سے کسی کو تکلیف یا ضرورت پیش ہو تو وُہ اپنے راعی اور حاکم کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اور خدا سمجھ کر نہیں بلکہ خلیفۂ خدا سمجھ کر۔ کیونکہ خدا نے ان کو اپنی قدرت کاملہ سے اختیارات عطا فرمائے ہیں۔ اور اس اعتقاد کے ساتھ ان ذوات مقدسہ سے طلب کرنا درحقیقت خدا کی عظمت کا اقرار

ہے کہ وُہ ایسے ذی اقتدار بندوں کا مالک و حاکم ہے جیسا کہ ہم اس کتاب میں بدلائل و براہین کے ساتھ ان ذواتِ مقدسہ کے مشکل کشا و حاجت روا ہونے کا ثبوت پیش کریں گے۔

اسی طرح ان حضرات کا خیال ہے کہ وُہ صرف شرعی علوم و احکام کے سوا کچھ نہیں جانتے ہیں اور تکوینی امور میں انہیں کوئی اختیار نہیں ہے اور کسی کو کچھ نہیں دے سکتے ہیں۔ اور ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ جس طرح سلیمان پیغمبر کو خدا نے ملک عطا فرمایا تھا اور اختیار دیا تھا کہ تم اس میں سے جس کو چاہو اور جتنا چاہو دے دو۔ اور اس کو ممنون کر دو۔ اور اگر کسی کو محروم کر دو تو یہ بھی تمہیں اختیار ہے۔ بالکل اسی طرح حضرات محمدؐ و آلِ محمدؐ علیہم السلام کو اختیار حاصل ہے۔ سلیمان پیغمبرؑ ایک محدود ملک کے مختار تھے اور یہ حضرات تمام دنیا کے مالک و مختار ہیں اور یہی علت غائی کائنات ہیں بلکہ علت بقائے عالمین بھی ہیں۔ جس وقت یہ حضرات نہ ہوں گے تو عالم فنا ہو جائے گا۔ یہی حضرات سلسلۂ بدو میں اول اور سلسلہ عود میں آخر ہیں۔

لہٰذا ان حضراتؑ کا وجود صرف شریعت پہنچانے ہی کے لئے نہیں ہے بلکہ یہ حضراتؑ علت وجود و بقاءِ عالم بھی ہیں اور مابین خدا و خلق وسیلہ بھی۔

اسی طرح ان لوگوں کا اعتقاد ہے کہ یہ ذواتِ مقدسہ خالق و رازق اور محی و ممیت نہیں ہیں اور بامرِ خدا بلکہ باذنِ خدا بھی کچھ نہیں کر سکتے۔ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ یہ ذواتِ مقدسہ قوت خداداد سے یہ امور انجام دیتے رہتے ہیں۔ ان امور کی انجام دہی ان کے مصالح اور صوابدید پر موقوف ہے۔ جو مطابق مشیتِ خدا ہوتی ہے۔ یہ ان کی ڈیوٹی نہیں ہے۔

حضرت عیسٰے علیہ السلام کا خلق طیر اور احیاء موتٰی و ابرأ اکمہ و ابرص اور اخبار اشیائے غائبہ بصراحت قرآن مجید میں موجود ہے۔ اور جو کچھ انبیاء علیہم السلام کو جستہ جستہ کمالات حاصل ہیں، وُہ تمام کے تمام بلکہ ان سے زیادہ ان ذوات مقدسہ کو خدائے قادر و قیوم نے عطا فرمائے ہیں۔ اور خدا نے قرآن مجید میں احسن الخالقین اور خیر الرازقین فرما کر خود وجودِ خالقین و وجود رازقین کا اعلان فرمایا ہے۔ لہٰذا اگر خدا کے عطا کردہ اقتدار کے ذریعہ یہ کام انجام دیتے ہیں تو ہرگز شرک نہیں ہے بلکہ خدائے قادر و قیوم کی عظمت کا اقرار ہے جیسا کہ ہماری کتاب میں اس کے دلائل و براہین پیش ہوں گے۔

ان حضرات کا اعتقاد یہ ہے کہ یہ ذواتِ مقدسہ صرف ان علوم کے عالم ہیں جن کی احتیاج لوگوں کو ہوتی ہے۔ اور ان کو عالم غیب کہنا درست نہیں ہے۔

ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ یہ حضرات ماکان و مایکون کے عالم ہیں۔ اور خدا نے خود ان حضرات کو علمِ غیب عطا فرمایا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید کے آیات اور احادیث کثیرہ سے ثابت ہے اور جن

کا ذکر انشاء اللہ تعالےٰ اس کتاب میں تفصیل سے آئے گا۔ جو چیز قرآن و حدیث سے ثابت ہو جائے اس کا اظہار اور اقرار عین ایمان ہے۔ ان ذواتِ مقدسہ کو چونکہ کل قرآن کا علم ہے اس لئے یہ حضرات تمام اُن چیزوں کے عالم ہیں جو قرآن میں موجود ہیں۔ اور قرآن کا دعوٰی ہے کہ غائب سماوی وارضی اور خشک و تر کا علم اس میں موجود ہے؛ لہٰذا یہ حضرات عالم الغیب ہیں۔

اس کے دلائل و براہین بھی اس کتاب میں مذکور ہوں گے جس کے بعد یہ مسئلہ آفتاب کی طرح روشن ہو جائے گا۔

اسی طرح ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ یہ حضرات عالی درجات محدود حیثیت رکھتے ہیں۔ اور انہوں نے ان کے مراتب کی حد بندی بھی کی ہے۔ چنانچہ مؤلفِ اصول الشریعہ نے اپنے اجتہادی کرشمہ سے حد بندی کر کے دکھلا دی ہے۔ مگر ہمارا اعتقاد ہے کہ ان حضرات کے کمالاتِ ذاتیہ اور فضائلِ عالیہ کے حدود مقرر نہیں کئے جا سکتے۔ بلکہ ان کے کمالات ذاتیہ کا سمجھنا بھی عقول عالمین کے ادراک و فہم سے بالاتر ہے۔ اور اسی طرح ان کے فضائل بھی لامحدود ہیں جس کے دلائل و براہین اس کتاب میں مذکور ہوں گے۔

اسی طرح یہ کہتے ہیں کہ ہم ظاہری شریعت کے پابند ہیں۔ لہٰذا ہمیں ان کے باطن سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ اور ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ جب تک ان حضرات کے باطنی کمالات پر ایمان نہیں ہوگا اس وقت تک ہم نہ مسلمان ہو سکتے ہیں اور نہ شیعہ۔ کیونکہ ظاہری حیثیت تو ان حضرات کی بشریت ہے جس کو کافروں نے بھی دیکھا تھا۔ مگر وہ کافر ہی رہے۔ کیونکہ وہ باطنی کمالات کے منکر تھے۔ نبوت، امامت، رسالت، خلافت، ولایت یہ تمام مراتب باطنی ہیں۔ سر کی آنکھوں سے نظر نہیں آتے بلکہ دل کی آنکھوں سے دکھائی دیتے ہیں۔ اور خدا سے زیادہ تو کوئی باطن ہو ہی نہیں سکتا۔ لہٰذا اگر باطن سے کوئی سروکار نہ ہوگا تو پھر ایمان بالتوحید بھی رخصت ہو جائے گا۔ اس کے دلائل و براہین بھی بتفصیل بیان ہوں گے۔ ہم نے مختصر خاکہ باہمی اختلاف کا پیش کر دیا ہے۔ رہا حاضر و ناظر ہونا، یہ ہرگز صفاتِ خدا

قائلینِ وحدت نوع کو اشتباہ

حقیقت و مجاز کے سمجھنے میں ان سے ایک سب سے بڑی غلطی یہ سرزد ہوئی ہے کہ وہ ہر اس فاعل کو مجازی فاعل سمجھتے ہیں جس کا کمال بالذات نہ ہو۔ مگر یہ ایسی فحش غلطی ہے کہ دنیا کا کوئی عاقل ان کی تائید نہیں کر سکتا۔ کیونکہ ان کی نظر میں ہر چیز کا فاعل خدا ہے کیونکہ کامل بالذات ہے۔ اور ہر غیر اللہ یقینی طور پر کامل بالغیر ہے۔ یعنی ہر قسم کا کمال کسی موجود کے لئے بالذات نہیں ہے حتیٰ کہ وجود بھی ہر چیز کا بالغیر ہے۔ لہٰذا خدا کے سوا کوئی بھی فاعل حقیقی نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا دنیا میں صرف ایک خدا ہی

فاعلِ حقیقی ہوگا۔ اور باقی تمام عاملین فاعلِ مجازی۔ کیونکہ ان سب کا کمال بلکہ وجود بالغیر ہے۔ اسی عقیدہ کو مسلک مجبرہ کہتے ہیں۔ کیونکہ وُہ لوگ خدا کے لئے ہر فعل کی نسبت بالحقیقۃ سمجھتے ہیں اور غیر خدا کی طرف "من باب المجاز"۔

اس عقیدہ کی وجہ سے حقیقی شرابی، حقیقی زانی، حقیقی ڈاکو معاذاللہ کس ذات کو قرار دینا چاہتے ہیں۔ اور پھر ان اعمال قبیحہ کی سزا حقیقی فاعل کو دی جائے گی یا مجازی کو اور جہنّم میں حقیقی فاعل کو جانا چاہئے یا مجازی کو؟

ان لوگوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ اس عقیدہ کے مسلمان کا ذبیحہ حرام، گواہی مردود، اس کی اقتداء میں نماز باطل، اس کو زکوٰۃ دینا حرام ہے جیساکہ حدیثِ معصوم سے ثابت ہے۔ انتظار کیجئے۔

اگر یہ حضرات کامل بالغیر کو بھی فاعلِ حقیقی تسلیم کرلیں تو پھر محمدؐ وآلِ محمد علیہم السّلام کے تمام کمالات چونکہ من اللہ ہیں اور ان کا استعمال ان کے اختیار میں ہے تو پھر یہ حضرات بھی فاعلِ حقیقی اپنے اعمال کی نسبت سے قرار پائیں گے۔

یعنی خالق قوتِ فعل خدا ہے مگر اس کا با اختیار استعمال مخلوقات کو دیا گیا ہے، اس لئے بندگانِ خدا خود فاعلِ حقیقی ہیں۔

ہمیں افسوس کے ساتھ لکھنا پڑتا ہے کہ یہ لوگ اپنی ذات کے لئے "حقیقی علماء بقلم خود" لکھتے ہیں۔ اور اپنے لئے "من باب المجاز" فراموش ہوجاتا ہے۔ لیکن جب آلِ محمدؐ کے کمالات کا ذکر آئے تو پھر حسب عادت مستمرہ "من باب المجاز" لکھ دیتے ہیں۔ کیا ایسے آثار عداوت و تعصب پر دلالت نہیں کرتے ہیں؟

(کفر و اسلام کا نہیں۔ بلکہ تعظیم و توہینِ اہلبیت "علیہم السّلام" کا مقابلہ ہے)

ہمارا اور ان حضرات کا اختلاف اور باہمی مقابلہ کفر و ایمان کا مقابلہ نہیں ہے بلکہ تعظیم و توہین اہلبیت کا مقابلہ ہے۔ لیکن جب توہین و تحقیر عمداً کی جائے گی تو وُہ کفر تک منجر ہوگی۔ ہم ان ذواتِ مقدسہ کے مراتبِ عالیہ، کمالاتِ ذاتیہ، فضائلِ متعالیہ، مناقبِ سامیہ کو مطابق قرآن وحدیث حق سمجھتے ہیں اور جو کچھ ہم اس سلسلے میں (بقول اُن کے) گلے پھاڑ پھاڑ کر بیان کرتے ہیں وُہ ہمارے اکتسابی علوم کی حد ہے۔ ان حضرات کے ذوات مقدسہ کی حد نہیں ہے۔ کیونکہ تمام عالمین متفق ہو کر بھی ان کے کمالات کو محدود نہیں کرسکتے اور نہ ان کی کسی ایک شان کو سمجھ سکتے ہیں۔

عقول حیران ہیں۔ حکماء پریشان ہیں۔ علماء سرگردان ہیں۔ خطباء سربگریبان ہیں۔ جیساکہ مفصل ہم اس کتاب میں دلائل و براہین کے ساتھ بیان کریں گے۔ اور معصومین علیہم السّلام کے احادیث صحیحہ متکاثرہ

سے بھی ثابت ہے اور سرکار علامہ مجلسیؒ کا بیان آخری فیصلہ ہے لہٰذا اُن کی شان کی حد نہیں ہے۔

مگر یہ لوگ ہمارے ان بیانات کو باطل قرار دیتے ہیں۔ اور حضرات محمدؐ و آل محمد علیہم السلام کے فضائل و مراتب کی حد بندی کرتے ہیں اور احادیث ائمہ طاہرینؑ اور خود صاحب شریعت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہم اجمعین کے ان ارشادات کی تکذیب کرتے ہیں (معاذاللہ) کہ:

"اگر کارخانۂ عالم ایک انجمن بن جائے، اور تمام دریا سیاہی اور تمام درخت قلم کی شکل اختیار کریں اور تمام جن حساب کریں اور تمام انسان لکھیں، اور یہ انجمن صرف فضائل محمد و آل محمد علیہم السلام ہی کے جمع کرنے پر مامور ہو تو ان کا احصاء نہیں کر سکتے۔"

مگر یہ لوگ ہمارے ان عقائد کو باطل سمجھتے ہیں اور ان ذوات مقدسہ کی حد بندیاں کرتے ہیں اور ان کو محدود دائرہ میں لاکر اور اپنی نوع میں شامل کر کے مچھر اور مکھی سے تشبیہہ دیتے ہیں بلکہ مچھر اور مکھی سمجھتے ہیں، اور اپنے خیالات کو حق کا درجہ دیتے ہیں۔

یہ ہے وُہ مقابلہ جس کو یہ لوگ "حق و باطل کا مقابلہ" لکھ کر عوام کو گمراہ کرتے ہیں۔ اور ہمارے بیانات کو باطل قرار دے کر ہمارے لئے جو مغلظات تصنیف فرماتے ہیں وُہ ہم کتاب "اصول الشریعہ" کے صرف چند صفحات سے پیش کرتے ہیں جن سے ان کے علم و اجتہاد اور اخلاق حمیدہ اور اہلبیت سے عقیدت و ارادت اور ان کے مدح خوانوں سے محبت و الفت کا واضح ثبوت ملتا ہے اور ناظرین کرام کو ان کی قلبی نیتوں کی تفتیش میں کافی سہارا مل سکتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:۔

(مؤلفِ اصول الشریعہ کی معیاری اور اجتہادی دُشنام طرازی)

دین فروش مُلّا، نجات کے ٹھیکیدار، منبر کے اجارہ دار، رقص منبری کی مہارت تامہ، گلے پھاڑ پھاڑ کر تقریریں کرنے والے، بے دین اہل علم، گندم نما جو فروش، شکم پرست، کذاب، ڈاکو، نام نہاد اہل علم، یاوہ گو ہرزہ سرا، ناسمجھ، ناواقف، غلو نواز، عالم نما جاہل، سستی شہرت کے مدعی باطل کوش، دام تزویر میں پھنسانے والے، فتنہ فساد کے بانی، نامہ عمل کی طرح کاغذ سیاہ، خودغرض، مفتری، بدزبان، بدعقیدہ، مجلس خواں، فتنہ ساماں، شرانگیز، مصنوعی صداقت، مکر و فریب، شیطانی حربے، اہل باطل، نیم ملا خطرۂ جان، ہتھکنڈے، اوچھے ہتھیار، واہیات، خرافات، طوفان بدتمیزی بیڑا غرق کرنے والے، جہل مرکب، مضل و ضال، خلافِ عقل، عبید الدنیا، ذاتی عناد، جلب منفعت، بالکل غلط بے بنیاد، کوس لمن الملک بجانے والے، غلط سلط ہوس کا جذبہ، دجل و فریب، مدعیٔ وراثتِ علم بعید از قیاس، مزخرفات، کذب و زور، علمی طول و عرض، حق کُش، نام نہاد لیڈر، ذاتی اقتدار کے بندے، فتنہ پرداز، کاٹھ کی ہنڈیا، جھوٹی ناؤ، بغض و عناد کی آتش، مقاصد مشؤمہ میں خائب و خاسر، راسخ

الافراط، ذاتی خیالات، من گھڑت نظریات، غلط تاویلات، طبع زاد عقائد، انوکھی تحقیقات، ابلہ فریب، غلاۃ، مفوضہ، قیاسی آرا، جناتی زبان وغیرہ وغیرہ سے کتاب مملو ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ یہ لوگ گویا سباب کے پوتے ہیں۔

کلوخ انداز را پاداشش سنگ است

اگر ہم اسی ردیف و قافیہ میں ان کی ضیافت کریں، تو حق بجانب ہوں گے۔ مگر حضرات معصومین علیہم السلام کے ارشادات اور ان کی سیرت کی روشنی میں ایسا رویہ قابلِ مدح نہیں۔ حضرت امیر المومنینؑ نے جنگِ صفین کے موقعہ پر ارشاد فرمایا کہ "اگر میں بھی اُسی کی طرح اُس کے لشکر پر تین دن پانی بند کر دوں، تو پھر مجھ میں اور اس میں کیا فرق رہ جائے گا۔"

لہٰذا ہم اس بیت بازی کو ترک کر کے اصل مقصد کو پیش نظر رکھیں گے۔ اگر خدانخواستہ اُن کو کوئی تلخی محسوس ہو تو اُسے محبّتِ اہلبیتؑ کے جذبہ میں بے ساختگی پر محمول فرمائیں جس کے لئے ہم معذرت خواہی کو پسند کرتے ہیں۔

عرضِ غرض

ہم نے اس کتاب کی تالیف میں اس امر کی سعی بلیغ کی ہے کہ زبان کے لحاظ سے یہ کتاب اتنی آسان ہو کہ معمولی اُردو داں بھی بخوبی سمجھ سکے۔ اور دوسروں کو سمجھا سکے۔ خصوصاً ذاکرین صاحبان اس کے مضامین پر خوب حاوی ہو سکیں۔ اور اپنے مخالف ناصبیوں کو دنداں شکن جواب دے سکیں۔ کیونکہ ان پر بھی خصوصی طعن و تشنیع ہوتی رہتی ہے۔ اور عربیت سے ناواقفی کی وجہ سے وُہ جواب سے قاصر ہو جاتے ہیں۔ اس لئے یہ کتاب ان کے لئے اسلحہ کا کام دے گی۔

آئمہ معصومین علیہم الصلوٰۃ السلام کے کمالات کی نشر و اشاعت میں اضافہ ہوگا۔ کم علم عوام تک بھی یہ مطالب پہنچ سکیں گے۔ اور وُہ کسی ناصبی کے دھوکے میں نہ آسکیں گے۔ بلکہ ان مطالب کو نظم کریں گے قصائد تصنیف کریں گے۔ ان کی کتاب "اصول الشریعہ" خاص طور پر شیعیانِ حیدر کرار اور موالیانِ اہلبیت اطہار، علماء و خطباء، اور ذاکرین و مادحین کے خلاف تحریر کی گئی ہے۔ اس کتاب میں محبانِ اہلبیت کی ان قربانیوں کو ملیامیٹ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جن کے ذریعہ اہلبیت طاہرینؑ کا تعارف کرایا جاتا رہا ہے اور جن کی وجہ سے لاکھوں طالبانِ حق ان ذواتِ مقدسہ کی عظمت و صداقت کے معترف ہو کر ان کی غلامی میں داخل ہوتے رہتے ہیں۔ درحقیقت یہ سب برکتیں حضرت سید الشہداء علیہ السلام کی مجالس کے منعقد کرنے سے مومنین پر نازل ہوتی رہتی ہیں۔

ہمارے علماء و خطباء اور ذاکرین و مادحین ان ذواتِ قدسیہ کا تعارف کرانے میں ماشاء اللہ مسلسل جدوجہد کر رہے ہیں۔ ان ہستیوں کے فضائل و مراتب کو شہر بشہر، دیار بدیار بلکہ چاپچا صعوباتِ سفر برداشت کر کے پہنچا رہے ہیں اور مخالفین کے مقابلہ میں صف آراء ہو کر فرائض فراغ بھی انجام دے رہے ہیں؛ ادھر مومنین بھی اپنی قربانیاں دے کر جگہ جگہ تعارفِ آلِ محمدؐ کے لئے مجالس اور اجلاس کا انتظام کر رہے ہیں۔

علانیہ طور پر فضائل و کمالات اہلبیتؑ بیان کرنے کا موقع ہمیں صدیوں کے بعد نصیب ہوا ہے۔ ورنہ ان حضرات کا نام لینا بھی جرم اور لائقِ گردن زنی تھا۔ اُس پر بھی شیعیانِ علیؑ نے کبھی اپنے قدم پیچھے نہیں ہٹائے۔ وہ دیواروں میں چنے گئے، اُن کے خون کے گارے بنائے گئے۔ گدّھی سے زبانیں کھینچی گئیں، گھر لوٹے گئے، قید و بند کی سزائیں جھیلیں، مگر اس نام کے روشن کرنے سے کبھی ہمت نہیں ہاری۔

لیکن افسوس اب اپنے ہی گھر کے چراغ سے آگ لگ رہی ہے۔ اپنے ہی مارِ آستین ڈس رہے ہیں۔ بے شک قوم شیعہ کے لئے پوری قوت کے ساتھ اس کا انسداد لازمی اور ازبس ضروری ہے۔

چہاردہ معصومین علیہم السّلام کی زبان پر مدافعین کا ذکرِ خیر

خوشا بحال ان حضرات کا جو دُور افتادہ شیعوں کو دینی قوت اور علمی طاقت پہنچا رہے ہیں، کم مایہ علم شیعوں کو مخالفینِ اہلبیتؑ کے حملوں سے نجات دلا رہے ہیں، اور ان کے اعتراضات کا قلع و قمع کر رہے ہیں؛ بڑی بڑی تکالیف کا مقابلہ کر کے مناظرہ و جدالِ احسن کے ذریعہ نصرتِ حق کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر دُور افتادہ مقامات پر پہنچ رہے ہیں، اور اہلبیتؑ کی حمایت کا حق ادا کر رہے ہیں۔ اپنے ایسے ہی جان نثاروں کی کامیابی کے لئے حضرت محمدؐ و آلِ محمد علیہم السّلام نے دعائیں کی ہیں، اور اُن کی نجات کا وعدہ فرمایا ہے، جنت کی بشارت دی ہے، انہیں اپنی خوشنودی کا یقین دلایا ہے، اور ان کی ان خدمات کو تمام اعمالِ حسنہ پر فوقیت عطا کی ہے۔ لہٰذا ہم چہاردہ معصومین علیہم السّلام کے ارشادات کو مومنین با تمکین کی رُوحِ ایمان میں تازگی پیدا کرنے کے لئے اس کتاب میں درج کر رہے ہیں تاکہ بانیانِ مجالس، خطباء و واعظین علماء و مناظرین اور ذاکرین و مادحینِ دربارِ اہلبیتؑ میں اپنی اس خدمت کا پھل اپنی دل کی آنکھوں سے دیکھ لیں اور پہلے سے زیادہ اس خدمت اور قربانی کے لئے کمربستہ ہو جائیں، ناصبیوں کے پروپیگنڈوں کو ناکام بنا دیں۔

"ارشادِ خدائے بے نیاز"

اُدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ۔

"لوگوں کو اپنے رب کے راستہ کی طرف دعوت دو۔ یعنی وُہ راستہ دکھاؤ جس کے ذریعہ یہ اپنے خدا تک پہنچ سکیں"۔

یہ بات ہر صاحبِ عقل جانتا ہے کہ "خدا تک پہنچانے والا راستہ" کوئی سڑک نہیں جو اس کی بارگاہ تک پہنچا دے، بلکہ اس سے مراد وُہ ہستیاں ہیں جو خدا کی معرفت کا ذریعہ ہیں۔ اور یہ ذریعہ محمدؐ و آلِ محمدؐ علیہم السلام ہیں۔ یہی بزرگوار صراطِ مستقیم ہیں۔ اور ان ہی ذواتِ مقدسہ کے ذریعہ خدا کی معرفت کا وجود ہوا ہے۔

بنا عُرِفَ اللہ۔ ان ہی حضرات کا کلام ہے یعنی "خدا ہمارے ہی ذریعہ سے پہچانا گیا ہے" اس کے بعد طریقۂ دعوت بتایا گیا ہے کہ بذریعۂ حکمت" دعوت دو۔ یعنی ایسے فطری دلائل اور نفس الامری براہین پیش کرو جو لوگوں کے دلوں میں اُتر جائیں، اور یہ دلائل انسانی فطرت کے تقاضوں پر مبنی ہوں تاکہ کسی کو انکار کرنے کی جرأت نہ ہو سکے۔

دوسرا طریقۂ دعوت یہ ہے کہ وعظ و نصیحت کرو۔ انہیں ان کے فائدے اور نقصانات بتاؤ پیار اور محبت سے سمجھاؤ۔ یہ وعظ و نصیحت پسندیدہ طریقہ پر ہو۔ پیارے پیارے الفاظ ہوں خواہ نظم ہو یا نثر۔ اندازِ ادا خوش آیند ہو۔ جائز ہو، موزوں ہو، مناسب ہو۔ اس میں غصہ و غضب نہ ہو۔ خدا کی رحمت سے مایوسی کا پیغام نہ ہو بلکہ نذارت کے ساتھ بشارت بھی ہو تاکہ لوگ خود بخود مائل ہوں، وعظ کی جاذبیت انہیں منزلِ حق کی طرف لے آئے۔

تیسرا طریقۂ دعوت یہ ہے کہ "جادلھم بالتی ھی احسن"۔ یعنی مناظرہ کرو مگر احسن طریقہ اختیار کرو تاکہ یہ مناظرہ فساد کا باعث نہ بنے۔ حق و صداقت کو اس طرح نمایاں کرو کہ دلوں پر گراں نہ گزرے۔ اور یہ جدال یعنی مناظرہ اپنے اندازِ حُسن و خوبی میں بے مثال بن جائے۔ مگر قیاس آرائی کے ذریعہ نہ ہو، بلکہ علومِ اہلبیتؑ سے دلائل ماخوذ ہوں تاکہ استدلال غلط نہ ہو سکے۔ جنابِ رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔

نحن المجادلون فی دین اللہ علے سبعین نبیّاً۔ (احتجاج طبرسی)

"ہم ہیں مناظرہ کرنے والے دینِ خدا کے موضوع پر اور ہمارا ذکر اسی صفت کے ساتھ ستر پیغمبروں کی زبان پر آچکا ہے"۔

مناظرین و مدافعین کی شان میں حدیثِ رسولؐ

عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم انہ قال اشد من یتم الیتیم الذی انقطع عن امہ وابیہ یتم یتیم انقطع عن امامہ ولا یقدر علی الوصول الیہ ولا یدری کیف حکمہ فیما ابتلی بہ من شرائع دینہ الا فمن کان من شیعتنا عالماً بعلومنا وھذا الجاھل بشریعتنا المنقطع عن مشاھدتنا یتیم فی حجرہ الا فمن ھداہ وارشدہ وعلمہ شریعتنا کان معنا فی الرفیع الاعلٰی۔ (احتجاج ص۲)

جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ یتیم جو اپنے والدین کی تربیت سے محروم ہوگیا اُس کی یتیمی اتنی اہم نہیں ہے جتنی یتیمی اُس یتیم کی ہے جو اپنے امام کے فیوض و برکات سے محروم ہے اور اپنے امام تک پہنچنے کی قدرت نہیں رکھتا۔ جسے یہ علم نہیں کہ میں جن شرعی چیزوں کا مکلف ہوں اُن کے بارے میں میرے امام کا فیصلہ کیا ہے؟ یہ بھی یتیم آلِ محمدؐ ہے۔ آگاہ رہو! جو شخص ہمارے شیعوں میں سے ہمارے علوم کا عالم ہے یہ ہمارا یتیم اس کی گود میں ہے جو اس کو ہمارا راستہ دکھائے گا اور ہمارا مرتبہ بتلائے گا اور ہماری شریعت سمجھائے گا وہ ہمارے بلند درجہ میں ہمارے ساتھ ہوگا۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام کا ارشاد مبارک

قال علیؑ ابن ابی طالب علیہ السلام من کان من شیعتنا عالماً بشریعتنا فاخرج ضعفاء شیعتنا من ظلمۃ جھلھم الی نور العلم الذی حبوناہ بہ جاء یوم القیمۃ علی راسہ تاج من نور یضیئی لجمیع اھل العرصات وحلۃ لا یقوم لاقل سلک فیھا الدنیا بحذافیرھا ثم ینادی منادیا عباد اللہ ھذا عالم من تلامذۃ بعض علماء آل محمدؐ فمن اخرجہ فی الدنیا من حیرۃ جھلہ فلیتشبث بنورہ لیخرجہ من حیرۃ ظلمۃ ھذہ العرصات الی نزہ الجنان فیخرج کل من کان علمہ فی الدنیا خیراً او فتح عن قلبہ من الجھل قفلاً او اوضح لہٗ عن شبھتہ۔ (احتجاج طبرسی ص۲)

حضرت علی علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص ہمارے شیعوں میں سے ہماری

شریعت کا عالم ہو اور ہمارے کم علم شیعوں کو جہالت کی تاریکی سے نکال کر ہمارے عطا کردہ علم کے نور تک لے جائے تو وہ روزِ قیامت اس سے شان سے آئے گا کہ اس کے سر پر ایک ایسا نوری تاج ہوگا جو تمام اہلِ محشر کو روشن کر دے گا، اور ایک ایسا حُلّہ اُس کے اُوپر ہوگا کہ اس کے چھوٹے سے چھوٹے دھاگے کا مقابلہ تمام سرمایۂ دُنیا نہیں کر سکتا۔ پھر ایک منادی ندا کرے گا کہ اے بندگانِ خدا! یہ وُہ عالم ہے کہ بعض علمائے آلِ محمدؐ علیہم السلام کے شاگردوں میں سے ہے۔ لہٰذا جس شخص کو بھی اس عالم نے جہالت کی حیرانی سے نکالا ہے وُہ اس کے نور کے ساتھ لپٹ جائے تاکہ یہ تاریکی محشر کی حیرانی سے اس کو نکالے اور جنتِ طیّبہ تک پہنچائے۔ اس منادی کی آواز پر وُہ لوگ جن کو اُس عالم نے نیکی کی تعلیم دی، اور وُہ لوگ جن کے قفلِ جہالت اس عالم نے کھولے تھے، اور وُہ لوگ جن کے شکوک و شبہات کو اس عالم نے رفع کیا تھا، اِن سب کو یہ عالم جنّت میں لے جائے گا۔

قال علی ابن ابی طالب علیہ السّلام من قوی مسکینا فی دینہ ضعیفا فی معرفتہ علےٰ ناصب مخالف فافحمہ لقنہ اللہ یوم یدلی فی قبرہ ان یقول اللہ ربی و محمدٌ نبیّ و علیّ ولیّ و الکعبۃ قبلتی و القراٰن بھجتی و عدتی و المؤمنون اخوانی فیقول اللہ ادلیت بالحجۃ فوجبت لك اعالی درجات الجنۃ فعند ذالك یتحول علیہ قبرہ انزہ ریاض الجنۃ۔ (احتجاج طبرسی صد)

حضرت علی ابن ابی طالبؑ نے فرمایا کہ جو شخص ہمارے اس شیعہ کو جو اپنے دینی امور میں محتاج ہے اور معرفت میں کمزور ہے، ہمارے مخالف کے مقابلہ میں اس کو علمی اور دینی امداد پہنچا کر ہمارے مخالف کا مُنہ بند کرے، تو اُس کو قبر میں اُتارے جانے کے دن خود خدا یہ تلقین کرے گا کہ کہو خدا میرا رب ہے، محمدؐ میرے نبی ہیں، اور علیؑ میرے ولی ہیں، اور کعبہ میرا قبلہ ہے، اور قرآن میری رُوحانی مسرت اور میرا زادِ راہ ہے، اور مومنین میرے بھائی ہیں۔ اس کے بعد خدا فرمائے گا کہ تُو نے میرے کم علم بندہ کی دلیل و حجت کے ذریعہ مدد کی تھی اس لئے جنّت کے اعلیٰ درجات تیرے لئے واجب ہیں۔ پس فوراً اُس کی قبر بہترین باغاتِ جنّت کی شکل میں بدل جائے گی۔

حضرت خاتونِ قیامت سلام اللہ علیہا کا ارشاد

قالت فاطمۃ علیہا السّلام وقد اختصم الیہا امرأتان فتنازعتا فی شیئٍ من امر الدّین احدھما معاندۃ والاخریٰ مؤمنۃ ففتحت علی المؤمنۃ حجتہا فاستظھرت علی المعاندۃ ففرحت فرحاً شدیداً فقالت فاطمۃ ان فرح الملٰئکۃ باستظھارک علیہا اشد من فرحک وان حزن الشیطٰن ومردتہ بحزنہا عنک اشد من حزنہا وان اللہ عزّوجلّ قال للملٰئکۃ اوجبوا الفاطمۃ بما فتحت علی ھٰذہ المسکینۃ الاسیرۃ من الجنان الف الف ضعف مما کنت اعددت لہا واجعلوا ھٰذہ سنۃ فی کل من یفتح علی اسیر مسکین فیغلب معانداً مثل الف الف ما کان لہ معداً من الجنان۔ (احتجاج طبرسی ص۸)

جناب سیدہ بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا نے فرمایا کہ دو عورتیں میرے پاس ایک دینی مسئلہ میں مناظرہ کرتی ہوئی آئیں۔ ایک ان میں ہماری معاندہ تھی اور دوسری مومنہ۔ میں نے مومنہ کی مدد کی اور اس کو ثبوت اور دلیل بتادی جس کی وجہ سے وہ معاندہ پر غالب آگئی اور وہ بہت خوش اور مسرور ہوئی۔ جناب سیدہؑ نے فرمایا کہ تیری اس فتح پر تجھ سے زیادہ ملائکہ خوش ہو رہے ہیں اور شیطان اور اس کا لشکر اس معاندہ کے حزن سے بھی زیادہ محزون ہو رہا ہے۔ اور خدا نے فرشتوں کو حکم دیا ہے کہ اس کم علم گرفتار شدہ عورت کو فاطمہؑ نے مناظرہ میں کامیاب کرایا ہے اس کے بدلہ میں ہم نے فاطمہؑ کے لئے جو درجاتِ جنت مہیا کئے ہوئے تھے ان میں ہزار در ہزار اضافہ کردو۔ اور یہ ہماری سُنّت قرار دے دو کہ جو شخص گرفتار شدہ کم علم کی مناظرہ میں مدد کر کے مخالف کو شکست دے گا اس کے لئے بھی جنت میں جو کچھ ہم نے مہیا کیا ہے اس میں ہزار در ہزار درجہ اضافہ کیا جائے گا۔

حضرت امام حسن علیہ السّلام کا ارشاد

قال الحسن بن علی بن ابی طالب علیہما السّلام وقد حمل الیہ رجل ھدیۃ فقال لہ ایما احب الیک ان ارد علیک بدلہا عشرین ضعفاً عشرین ضعفاً یعنی عشرین الف درھم او افتح لک باباً من العلم تقھر فلاناً الناصبی فی قریتک تنقذ بہ ضعفاء اھل قریتک ان احسنت الاختیار جمعت لک الامرین وان اسأت الاختیار خیرتک لتاخذ ایھما شئت فقال یابن رسول اللہ فثوابی فی قھری لذلک الناصب واستنقاذی لاولٰئک الضعفاء من یدہ قدرہ عشرون الف درھم قال بل اکثر

من الدنیا عشرین الف الف مرۃ قال یابن رسول اللہ فکیف اختیار الادون بل اختیار الافضل الکلمۃ التی اقھر بھا عدو اللہ واذودہ عن اولیائہ فقال الحسن بن علیؑ قد احسنت الاختیار وعلمہ الکلمۃ واعطاہ عشرین الف درہم فذھب فافحم الرجل فاتصل خبرہ بہ فقال لہٗ اذا حضرہٗ یاعبد اللہ ما ربح احد مثل ربحک ولا اکتسب احد من الاوداء ما اکتسبت، اکتسبت مودۃ اللہ اولاً ومودۃ محمدؐ وعلیؑ ثانیا ومودۃ الطیبین من آلھما ثالثا ومودۃ الملٰئکۃ المقربین رابعا ومودۃ اخوانک المؤمنین خامسا واکتسبت بعدد کل مومن وکافر ما ھو افضل من الدنیا الف مرۃ فھنیئا لک ھنیئا۔ (احتجاج طبرسی ص۱۰)

حضرت امام حسن علیہ السّلام نے فرمایا جبکہ حضرت کی خدمت میں ایک شخص کچھ ہدیہ لے کر حاضر ہوا تھا کہ اے شخص اگر میں تیرے اس ہدیہ کا بیس گنا، بیس گنا، بیس گنا بدل تجھے واپس کر دوں یعنی بیش ہزار درہم تجھے دے دوں تو کیا یہ زیادہ پسند ہے یا اس کے بجائے تیرے لئے علم کا ایک ایسا باب واضح کر دوں کہ تو اس کے ذریعہ اپنی بستی کے فلاں ناصبی پر غالب آجائے اور اپنی بستی کے کم علم لوگوں کو اس کے ذریعہ اس ناصبی کے پھندے سے نکالے۔ اگر تو نے اچھی چیز پسند کی تو میں تجھے دونوں چیزیں دے دوں گا اور اگر پست چیز پسند کی تو تجھے اختیار دیتا ہوں کہ ان دونوں میں سے ایک چیز اپنی خواہش کے مطابق چن لے۔ اُس نے عرض کی یابن رسولؐ اللہ۔ کیا میرا ثواب اس ناصبی پر غلبہ حاصل کرنے اور کم علم لوگوں کو اس ناصبی کے پھندے سے نکالنے کا صرف بیس ہزار درہم کی برابر ہے۔ حضرت نے فرمایا نہیں بلکہ اس کا ثواب اس دُنیا کے مقابلہ میں بیس لاکھ گنا سے بھی زیادہ ہے۔ اس نے عرض کی یابن رسول اللہ پھر میں افضل کے مقابلہ میں پست چیز کو کس طرح پسند کر سکتا ہوں۔ مجھے آپ وہ بات بتا دیجئے جس کے ذریعہ میں دشمن خدا پر غالب رہوں اور خدا کے بندوں کو چھڑانے کے لئے اس دشمن کا دفاع کروں حضرتؑ نے فرمایا اے شخص تو نے اچھی چیز پسند کی ہے۔ پھر حضرت نے اس کو وہ علمی بات سکھائی اور بیس ہزار درہم بھی عطا فرمائے۔ پس وہ شخص چلا گیا۔ اس نے ناصبی سے مقابلہ کیا اور اس کا مُنہ بند کر دیا۔ حضرت کو جب اس واقعہ کی خبر ملی اور وہ شخص حضرت کی خدمت میں حاضر ہُوا تو حضرت نے فرمایا کہ بندۂ خدا تُو نے جو نفع حاصل کیا ہے اس جیسا نفع کسی کو نہیں ملا۔ اور ہمارے دوستوں میں سے کسی کو یہ موقع نصیب نہیں ہُوا

جو تجھ کو حاصل ہو گیا۔ اول تو نے خدا کی محبت حاصل کی؛ ثانیاً محمدؐ و علی علیہما السلام کی محبت
حاصل کی؛ ثالثاً ان حضرات کی اولاد کی محبت حاصل کی؛ رابعاً ملائکہ مقربین کی محبت حاصل
کی؛ اور خامساً اپنے برادرانِ ایمانی کی محبت حاصل کی۔ تو نے مومن و کافر کی تعداد کے
مطابق اس دنیا سے ہزار ہا درجہ افضل مرتبہ حاصل کر لیا پس تجھے مبارک ہو اور پھر مبارک ہو۔"

حضرت امام حسین علیہ السلام کا ارشاد!

قال الحسین بن علی علیہم السلام فضل کافل یتیم آل محمدؐ المنقطع عن
موالیہ الناشب فی رتبۃ الجہل یخرجہ من جہلہ و یوضح لہ ما اشتبہ علیہ
علی فضل کافل یتیم یطعمہ و یستعینہ کفضل الشمس علی السہا۔
(احتجاج ص۳)

حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جو شخص آلِ محمدؐ کے اس شیعہ کی خبر گیری کرے
جو در حقیقت اپنے آقاؤں سے جدائی کی وجہ سے یتیم ہے اور جہالت میں پڑا ہوا ہے
اس کو جہالت سے نکالے اور جو اس کے دل پر شک و شبہ ہے اس کو نکال کر مسئلہ
کو واضح کرے، تو اس کی فضیلت اس یتیم کی خبر گیری کے مقابلہ میں جس کو کھانے سے
سیر و سیراب کیا جائے مثل آفتاب کے ہے ستارہ سہا کے مقابلہ میں۔"

قال الحسین بن علیؑ من کفل لنا یتیما قطعتہ عنا محنتنا باستتارنا فواساہ
من علومنا التی سقطت الیہ حتی ارشدہ و ھداہ قال قال اللہ عزوجل
ایھا العبد الکریم المواسی لاخیہ انا اولی بالکرم منک اجعلوا یاملائکتی
فی الجنان بعدد کل حرف علمہ الف الف قصر و ضموا الیھا ما یلیق
بھا من سائر النعیم۔ (احتجاج ص۳)

حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جو شخص ہمارے اس شیعہ کی جو ہم سے
جدائی کی وجہ سے ہمارا یتیم ہے اور ہم امتحانِ خداوندی کی وجہ سے اس سے پوشیدہ ہیں
ہمدردی کر کے ہمارے علوم میں سے جو کچھ اس کو حاصل ہو چکے ہیں، کچھ علم دے گا۔ اور
اس کو صحیح راستہ بتائے گا اور اس کو حق دکھائے گا تو خدا اس سے یوں فرمائے گا
میرے سخی بندہ اپنے بھائی سے ہمدردی کرنے والے بندہ میں تجھ سے زیادہ سخاوت
کا مالک ہوں۔ اے ملائکہ اس بندہ نے یتیم علم کو تعلیم دی ہے اس کے ایک ایک حرف
کے بدلے جنت میں ہزار ہزار قصر و محل اس کے لئے مقرر کر دو اور جو نعمتیں ان محلات

جنت کے لئے موزوں ہیں ان کا اضافہ کر دو۔"

حضرت امام زین العابدین علیہ السّلام کا ارشاد

قال علی بن الحسین علیہ السلام انّ اھل زمان غیبتہ القائلین بامامتہ والمنتظرین بظھورہ افضل اھل کل زمان لان اللہ تعالیٰ ذکرہ اعطاھم من العقول والافھام والمعرفۃ ما صارت بہ الغیبۃ عندھم بمنزلۃ المشاھدۃ وجعلھم فی ذالک الزمان بمنزلۃ المجاھدین بین یدی رسول اللہ بالسّیف اولٰئک ھم المخلصون حقا وشیعتنا حقا والدعاۃ الی دین اللہ سرًّا وجھرًا۔ (احتجاج ص۱۶۳)

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا کہ جو ہمارے زمانۂ غیبت کے شیعہ ہیں اور عقیدۂ امامت پر قائم ہیں اور امام کے ظہور کے منتظر ہیں۔ وہ ہر زمانہ والوں سے افضل ہیں۔ کیونکہ خداوند عالم نے ان کو ایسی عقل اور ایسا فہم اور ایسی معرفت عطا فرمائی ہے کہ جس کی وجہ سے غیبت بمنزلہ مشاہدہ ہو گئی ہے اور اُن کو خدا نے ان مجاہدین کا درجہ عطا کیا ہے جو رسولؐ اللہ کے ساتھ شامل ہو کر مجاہدین کہلاتے تھے۔ یہی ہمارے مخلص دوست اور برحق شیعہ ہیں۔ اور یہی ہیں جو دینِ خدا کی دعوت دیتے ہیں۔ علانیہ طور پر بھی اور چھُپ چھُپ کر بھی۔"

حضرت امام محمدؐ باقر علیہ السّلام کا ارشاد

قال محمد بن علی الباقر علیہ السلام العالم کمن معہ شمعۃ تضیئ فکل من ابصر شمعتہ دعا لہ بخیر کذالک العالم معہ شمعۃ تزین ظلمۃ الجھل والحیرۃ فکل من اضاءت لہ فخرج بھا من حیرۃ او نجا بھا من جھل فھو من عتقائہ من النار واللہ یعوضہ عن ذالک بکل شعرۃ لمن عتقہ ما ھو افضل لہ من الصدقۃ بمائۃ الف قنطار علی الوجہ الذی امر اللہ عزّ وجلّ بہ بل تلک الصدقۃ وبال علی صاحبھا لکن یعطیہ اللہ ما ھو افضل من مائۃ الف رکعۃ یصلیھا من بین یدی الکعبۃ۔ (احتجاج ص۳)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ عالم مثل اس شخص کے ہے کہ جس کے پاس شمع روشن ہوتی ہے اور اس کی روشنی سے جو لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں وہ اس کے

لئے دعائے خیر کرتے ہیں۔ اسی طرح عالم کے پاس ایک ایسی شمع روشن ہے جس سے جہالت وحیرت کی تاریکی دُور ہوتی ہے۔ پس جس شخص کو یہ شمعِ علم فائدہ پہنچائے گی اور وُہ اس کی وجہ سے حیرت اور جہالت سے نجات پائے گا تو وُہ شخص اس عالم کے ان آزاد کردہ لوگوں میں سے ہوگا جو جہنّم سے آزاد کئے گئے۔ اور خداوندعالم اس عالم کو اس کے آزاد کردہ لوگوں کے ایک ایک بال کے مقابلہ میں ایک ایک لاکھ سونے کے تھیلے جو خدا کے حکم کے مطابق خیرات کئے جائیں، اس سے افضل ثواب دے گا۔ بلکہ یہ تو صاحبِ مال کے لئے وبال بن جاتا ہے مگر خدا اس کو ایک ایک بال کے مقابلہ میں اس ایک ایک لاکھ رکعت کے ثواب سے زیادہ عطا کرے گا جو کعبہ میں پڑھی جائیں۔"

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام کا ارشاد!

قال جعفر بن محمد الصادق علیہ السّلام علماء شیعتنا مرابطون فی الثغر الذی یلی ابلیس وعفاریتہ یمنعون عن الخروج علےٰ ضعفاء شیعتنا وعن ان یتسلّط علیھم ابلیس وشیعتہ والنواصب الا فمن انتصب لذلک من شیعتنا کان افضل ممن جاھد الروم والترک والخزر الف الف مرۃ لانہ یدفع عن ادیان محبّینا وذلک یدفع عن ابدانھم (احتجاج ص۲)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا ہے کہ علماءِ شیعہ ایسی سرحدوں پر مورچے لگائے ہوئے ہیں جہاں ابلیس اور اس کے طاقت ور لشکر مقابلہ میں کھڑے ہیں۔ یہ ہمارے علماءِ شیعہ اس لشکرِ شیطان کو کم علم شیعوں پر حملہ کرنے سے روکتے ہیں اور ابلیس اور اس کے ہمنواؤں اور ہمارے دشمن ناصبیوں کا دفاع کرتے ہیں۔ یاد رکھو جو شخص یہ خدمت انجام دے گا اور ہمارے دشمنوں کے دفاع پر کمربستہ رہے گا وُہ مجاہدینِ رُوم و ترک و خزر سے دس لاکھ درجہ افضل ہے کیونکہ یہ شخص ہمارے شیعوں کے دین کی حفاظت کے لئے دفاع کرتا ہے اور وُہ لوگوں کے بدن کو بچانے کے لئے دفاع کرتے ہیں۔"

حضرت امام مُوسیٰ کاظم علیہ السّلام کا ارشاد!

قال موسیٰ بن جعفر علیہ السّلام فقیہ واحد ینقذ یتیما من ایتامنا المنقطعین عنا وعن مشاھدتنا بتعلیم ما ھو محتاج الیہ اشد علی ابلیس من الف عابد لان العابد ھمہ ذات نفسہ فقط وھذا ھمہ مع ذات

نفسه وذوات عباد الله داماته لينقذهم من يد ابليس ومردته فلذالك هو افضل عند الله من الف عابد والف الف عابدة۔

(احتجاج طبرسی ص۳)

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہمارے دین کا جاننے والا ایک ایسا شخص جو ہمارے ان شیعہ یتیموں میں سے جو ہم سے جُدا ہیں اور ہماری زیارت سے محروم ہیں، صرف ایک یتیم کی دینی ضرورت کو پُورا کرے گا تو وُہ ابلیس پر ہزار عابد وں سے زیادہ بار گراں ہے۔ کیونکہ عابد کی ہمت صرف اپنی ذات کو فائدہ پہنچانے کے لئے ہوتی ہے۔ اور اس عالم کی ہمت اپنی ذات کے علاوہ خدا کے بندوں اور اس کی کنیزوں کو بھی فائدہ پہنچانے کے لئے ہوتی ہے کہ ان مردوں اور عورتوں کو ابلیس اور اس کے لشکر کے پھندے سے نکالتا ہے۔ اسی لئے یہ عالم خدا کے نزدیک ہزار عابدوں اور ہزار در ہزار عابدہ عورتوں سے افضل ہے“۔

حضرت امام رضا علیہ السلام کا ارشاد

قال علی بن موسیٰ الرضا علیه السلام يقال للعابد يوم القيمة نعم الرجل كنت همتك ذات نفسك وكفيت مؤنتك فادخل الجنة الا ان الفقيه من افاض على الناس خيره وانقذهم من اعداءهم ووفر عليهم نعم جنان الله تعالیٰ وحصل لهم رضوان الله تعالیٰ ويقال للفقيه يا ايها الكافل لايتام آل محمد الهادی لضعفاء محبتهم ومواليهم قف حتى تشفع لكل من اخذ عنك او تعلم منك فيقف فيدخل الجنة معه فياما و فياما وفياما حتى قال عشرا وهم الذين اخذوا عنه علومه واخذوا عمن اخذ واعنه وعمن اخذ عمن اخذ عنه الى يوم القيمة فانظروا كم فرق بين المنزلتين۔ (احتجاج ص۳)

حضرت امام رضا علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ عابد کے لئے روز قیامت کہا جائے گا کہ تم بہترین مرد ہو کہ تم نے اپنے کو سنوارا اور اپنی دینی ضرورت کو پُورا کیا۔ لہٰذا آؤ جنت میں داخل ہو جاؤ۔ مگر ہمارے علوم کا جاننے والا اس شان کا ہے کہ اس نے لوگوں کو اپنے فیض علم سے سیراب کیا ہے اور دشمنانِ اہلبیت کے پھندوں سے بچایا اور نعماتِ جنّت کو شیعوں کے لئے وافر کر دیا ہے اور خدا کی خوشنودی کا حصول کرا دیا ہے

اس علوم اہلبیت کے جاننے والے کے لئے آواز آئے گی کہ اے یتیمانِ آلِ محمدؐ (دُور از امام) شیعوں کی خبر گیری کرنے والے اور اہلبیت کے دوستوں اور موالیوں کو حق و صداقت کا سبق دینے والے میدانِ محشر میں اس جگہ رُک جا۔ ذرا ٹھہر جا، اور ان مومنین کی شفاعت کر جنہوں نے تجھ سے حق یا علم حاصل کیا ہے۔ پس وُہ کھڑا ہو جائے گا اور اپنے ساتھ جنت میں بڑے بڑے گروہ، بڑے بڑے گروہ، بڑے بڑے گروہوں کو داخل کرے گا۔ حضرت نے یہ کلمات دس مرتبہ فرمائے یعنی "بڑے بڑے گروہ" اور یہ وُہ مومنین ہیں کہ جنہوں نے اُس سے علوم اہلبیت حاصل کئے ہیں، اور وُہ مومنین جنہوں نے ان حاصل کر لینے والوں سے حاصل کئے، اور وُہ مومنین جنہوں نے اِن تیسرے حاصل کرنے والوں سے حاصل کئے، اور اسی طرح وُہ مومنین جنہوں نے اِن چوتھے حاصل کرنے والوں سے حاصل کئے۔ یہاں تک کہ قیامت تک یکے بعد دیگرے جنہوں نے علوم اہلبیت حاصل کئے ان سب کو وُہ عالم جنت میں لے جائے گا۔ پس اے لوگو! دیکھو، عالم اور عابد کے مرتبہ میں کتنا فرق ہے۔"

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کا ارشاد

قال محمد بن علی الجواد علیہم السلام من تکلف بایتام اٰل محمدؐ المنقطعین من امامھم المتحیرین فی جھلھم الاساری فی ایدی شیاطینھم و فی ایدی النواصب من اعدائنا فاستنقذھم منھم واخرجھم من حیرتھم وقھر الشیاطین برد وساوسھم وقھر الناصبین بحجج ربھم ودلائل ائمتھم لیحفظوا عھد اللہ علی العباد بافضل المواقع باکثر من فضل السماء علی الارض والعرش والکرسی والحجب علی السماء وفضلھم علی العباد کفضل القمر لیلۃ البدر علی اخفی کوکب فی السماء۔ (احتجاج طبرسی ص۳)

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص اہلبیت کے یتیموں یعنی اُن شیعوں کے لئے جو اپنے امام سے دُور افتادہ ہیں تکلیف گوارا کرے گا اور ان کی حیرانی کو دُور کرے گا جو عدم علم کی وجہ سے ہے اور ہمارے ان شیعوں کو جو شیطانوں کے ہاتھوں میں قیدی کی طرح پھنسے ہوئے ہیں اور ناصبیوں کے دامِ تزویر میں اسیر ہیں، نجات دلوائے گا اور ان کی دینی حیرانگی کو رفع کرے گا اور ان شیطانوں کے وسوسوں

اور شک و شبہ کو دُور کرے گا۔ خدائی دلائل کی مدد سے اور آئمہ طاہرین کے دلائل کی مدد سے تاکہ ہمارے شیعہ خدا کا عہد جو ہمارے بارے میں تمام بندوں سے لیا ہے بڑی سے بڑی رُکاوٹوں کے باوجود بھی یاد رکھیں۔ ایسے شخص کی فضیلت اتنی ہے کہ جتنی آسمان کو زمین پر اور عرش وکرسی اور حجابوں کو آسمان پر اور ان شیعوں کو جنہوں نے حق حاصل کیا ہے اتنی فضیلت ہے جتنی چودھویں رات کے چاند کو آسمان کے سب سے پوشیدہ ستارہ پر۔"

حضرت امام علی نقی علیہ السلام کا ارشاد

قال علی بن محمد علیهم السلام لولا یبقی بعد غیبة قائمکم علیه السلام من العلماء الداعین الیه والدالین علیه والذابین عن دینه بحجج الله والمنقذین لضعفاء عباد الله من شباك ابلیس ومردته ومن فخاخ النواصب لما بقی احد الا ارتد عن دین الله ولکنهم الذین یمسکون ازمة قلوب ضعفاء الشیعة کما یمسك صاحب السفینة سکانها أُولئك هم الافضلون عند الله عزّوجلّ۔

وعنه علیه السلام: یاتی علماء شیعتنا القوامون بضعفاء محبنا واهل ولایتنا یوم القیٰمة والانوار تسطع من تیجانهم علیٰ راس کل واحد منهم تاج بهاء قد انبثت تلك الانوار فی عرصات القیٰمة ودورها مسیرة ثلثمائة الف سنة فشعاع تیجانهم ینبث فیها کلها فلا یبقی هناك یتیم قد کفلوه ومن ظلمة الجهل علموه ومن حیرة التیه اخرجوه الا تعلق بشعبة من انوارهم فرفعتهم الی العلو حتی تحاذی بهم فوق الجنان ثم ینزلهم علیٰ منازلهم المعدة فی جوار استادیهم ومعلمیهم وبحضرة ائمتهم الذین کانوا الیهم یدعون ولا یبقی ناصب من النواصب یصیبه من شعاع تلك التیجان الا عمیت عینه واصمت اذنه واخرس لسانه وتحول علیه اشد من لهب النیران فیحملهم حتی یدفعهم الی الزبانیة فید عونهم الی سواء الجحیم۔

(احتجاج طبرسی ص۲۹۳)

حضرت امام علی نقی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر غیبت امام قائم علیہ السلام کے بعد

ایسے علماء باقی نہ رہ جاتے جو دعوت دیتے ہیں امام کی طرف اور رہنمائی کرتے ہیں وجودِ امام کی طرف' اور دفاع کرتے ہیں ان کے دین کا خدائی دلائل کے ساتھ اور اللہ کے کم علم بندوں کو شیطان اور اُس کے لشکر کے دام تزویر سے بچا کر نکال لے جاتے ہیں۔ اور ناصبیوں کے پھندے سے چھڑاتے ہیں۔ تو کوئی مومن نہ رہتا سوائے مرتد کے لیکن ان علماءِ مناظرین نے کم علم شیعوں کے قلوب کی باگ کو اس طرح پکڑا ہے جس طرح ملاح اپنی کشتی کے سواروں کو تھامے ہُوئے ہے۔ یہی وُہ لوگ ہیں کہ جو خدا کے دربار میں افضلیت رکھتے ہیں"

نیز حضرت نے فرمایا کہ ہمارے وُہ علما جو ہمارے کم علم محبّوں اور موالیوں کے مددگار تھے روزِ قیامت اس شان سے آئیں گے کہ اُن میں سے ہر ایک کے سر پر حسن و جمال کے ایسے تاج ہوں گے جن سے نور برس رہا ہوگا۔ اور یہ انوار میدانِ قیامت پر پھیل جائیں گے اور ان کا حلقہ تین لاکھ سال کی مسافت کے برابر ہوگا۔ اور ان کے تاجوں کی شعاع تمام میدان حشر پر چھا جائے گی۔ اور وُہ تمام کے تمام کم علم شیعہ کہ جن کی خبر گیری ان علماء نے کی تھی اور اُن کو جہالت کی تاریکی سے بچا کر علم دیا تھا، صحرائے اضطراب میں سرگردانی کے باوجود ان کو حیرت سے نکالا تھا، ان علماء کے حصۂ نُور سے لپٹے ہوں گے۔ پس یہ انوار ان کو بلندی پہ لے جائیں گے۔ یہاں تک کہ یہ لوگ جنّت کے بالائی حصّہ کے مقابل ہو جائیں گے۔ پھر ان کو جنت میں اپنی اپنی منزل میں اتارا جائے گا جو ان کے لئے پہلے سے مہیا ہے۔ اور یہ لوگ جنت کی ایسی منزلوں میں ہوں گے جو ان کے پڑھانے والوں اور ہدایت و تربیت دینے والوں کے قریب' اور آئمہ طاہرین علیہم السّلام کی بارگاہ کے حضور میں ہوں گی، جن کی ذوات مقدسہ پر ایمان لانے کی ان کو دعوت دی جاتی ہے۔ اور ناصبیوں کا یہ حال ہوگا کہ جس ناصبی پر شعاعِ تاج پڑ جائے گی وُہ اندھا ہو جائے گا اور کان بہرے ہو جائیں گے اور زبان گنگ ہو جائے گی' اور وُہ شعاعِ نور جہنّم کی آگ سے بھی زیادہ حرارت میں تبدیل ہو جائے گی۔ پھر اُن کو اٹھا کر جہنّم کے فرشتوں کے پاس پھینک دیا جائے گا اور وُہ اُن کو شدید قسم کے جہنّم کے وسط میں لے جائیں گے"۔

حضرت امام حسن عسکری علیہ السّلام کا ارشاد

قال ابو محمد الحسن بن علی العسکری علیہم السّلام ان محبی آلِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مساکین مواساتھم افضل من مواساۃ مساکین الفقراء وھم الذین سکنت جوارحھم وضعفت قواھم من مقابلہ اعداء اللہ الذین

یعیرونھم بدینھم ویسفھون احلامھم الا فمن قواھم بفقھہ وعلمہ حتیٰ ازال مسکنتھم ثم یسلطھم علی الاعداء الظاھرین من النواصب ثم علی الاعداء الباطنین ابلیس ومردتہ حتیٰ یھزموھم عن دین اللہ ویزودھم عن اولیاء آل رسول اللہ حول اللہ تعالیٰ تلک المسکنۃ الیٰ شیاطینھم فاعجزھم عن اضلالھم قضی اللہ تعالیٰ بذلک قضاحقاً علیٰ لسان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ آلِ محمد علیہم السلام کے موالی ومحب علم کے مسکین ہیں۔ ان کی ہمدردی محتاج وفقیر مسکینوں کی ہمدردی سے افضل ہے۔ اور یہ لوگ وُہ ہیں کہ ان کے اعضاء وجوارح میں حرکت نہیں رہی ہے اور قوتیں ضعیف ہوچکی ہیں۔ دشمنانِ خدا کا مقابلہ کرنے کے قابل نہیں رہے ہیں۔ اور یہ دشمن ان کے دین میں عیب نکالتے ہیں۔ اور ان کی عقلوں پر بیوقوفی کا الزام لگاتے ہیں۔ تو یاد رکھو جو شخص ان کو اپنے علم اور اپنے فہم سے قوّت پہنچائے گا یہاں تک کہ ان کی یہ مسکینی دُور کرکے ان کو ہمارے ظاہری دشمن ناصبیوں پر اور باطنی دشمن ابلیس اور اس کے لشکر پر غالب کردے گا اور ان کو دینِ خدا کے مقابلہ میں شکست دے گا اور ان کو اہلبیت کے موالیوں سے دفع کرے گا، تو خداوندِ عالم اس مسکینی کو ان کے دُشمن شیطانوں میں موڑ دے گا۔ اور ان کو موالیوں کے گمراہ کرنے سے عاجز کردے گا۔ خدا نے یہ فیصلہ بالحق کیا ہوا ہے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک پر جاری ہوا ہے۔"

حضرت صاحب الامر عجل اللہ فرجہٗ کا ارشاد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم: اما بعد سلام اللہ علیک ایھا الولی المخلص فی الدین المخصوص فینا بالیقین فانا نحمد الیک اللہ الذی لا الٰہ الا ھو ونسئلہ الصلوٰۃ علیٰ سیدنا ومولانا ونبینا محمدٍ وآلہ الطاھرین ونعلمک ادام اللہ توفیقک لنصرۃ الحق واجزل مثوبتک علیٰ نطقک عنا بالصدق انہ قد اذن لنا فی تشریفک بالمکاتبۃ وتکلیف ما تودیہ عنا الیٰ موالینا قبلک اعزھم اللہ بطاعتہ وکفاھم المھم برعایتہ لھم وحراستہ فقف امدک اللہ بعونہ علیٰ اعدائہ المارقین من دینہ علیٰ ما نذکرہ واعمل فی تادیتہ الیٰ من تسکن الیہ بما نرسمہ انشاء اللہ نحن و

ان کنا نادین بمکاننا الناٸی عن مساکن الظالمین حسب الذی اراناہ اللہ تعالیٰ لنا من الصلاح ولشیعتنا المؤمنین فی ذالک ما دامت دولۃ الدنیا للفاسقین فانا نحیط علمنا بانباءکم ولا یعزب عنا شیٔ من اخبارکم الخ

(احتجاج طبرسی)

حضرت حجت عجل اللہ فرجہ نے جناب ابو عبداللہ شیخ مفید علیہ الرحمہ کو ان کی ترویج دین و مناظرہ کی تعریف فرماتے ہوئے تحریر فرمایا ہے: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اما بعد خدا کی سلامتی ہو تم پر اے ہمارے محب مخلص اور ہماری شان کے بارہ میں مخصوص اعتقاد رکھنے والے ہم تمہاری جانب اس خدا کی حمد کرتے ہیں کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اور ہم خدا سے دعا کرتے ہیں کہ ہمارے سید و مولا و نبی محمد مصطفےٰ اور اُن کی آل طاہرین پر رحمت نازل فرمائے۔ اور ہم تمہیں اے ابو عبداللہ شیخ مفید یہ بتاتے ہیں کہ خدا نے ہمیں اجازت دی ہے کہ ہم تمہارے نام خط لکھنے کا تمہیں شرف بخشیں اور تمہیں یہ تکلیف دیں کہ تم ہمارے علوم و ارشادات ہمارے موالیوں کو پہنچاتے رہو۔ خداوند عالم تمہارے لئے اپنی اس توفیق کو قائم رکھے کہ تم دشمنوں کے مقابلہ میں نصرتِ حق کرتے رہو، اور تمہاری اس خدمت کا زیادہ سے زیادہ ثواب عطا کرے جو تم ہماری حمایت میں صدق و یقین کے ساتھ انجام دیتے ہو۔ خداوندِ عالم ہمارے موالیوں کو اپنی اطاعت کی عزت بخشے اور ان کے مشکلات میں ان کی مدد کرنے میں خاص مراعات فرمائے اور اپنی حفاظت میں رکھے۔ اے ابو عبداللہ تم خدا کی مدد کے ساتھ دین سے سرکشی کرنے والے دشمنوں کے مقابلہ کے لئے کمر بستہ رہو خدا تمہاری مدد فرمائے۔ اور یہ مقابلہ جس طرح ہم بتائیں گے اُس طریقہ پر کرو اور جس طرح ہم نشاندہی کر دیں اس کے مطابق ہمارے امور صرف ان کو پہنچاؤ جن پر تمہیں اطمینان ہو۔ اور اگرچہ ہم ظالموں کے مسکنوں سے دور رہتے ہوئے اس بہترین طریقہ کو اختیار کئے ہوئے ہیں جو ہمارے لئے اور ہمارے شیعہ مومنین کے لئے ہمیں خدا نے دکھا دیا ہے۔ وہ ہمارے لئے اُس وقت تک ہے جب تک فاسقوں کے ہاتھ میں دولت و حکومت ہے مگر اتنی جدائی اور دوری کے باوجود ہمیں تمہارے مکمل حالات و واقعات کا علم ہے اور ہم سے تمہاری کوئی بات بھی پوشیدہ نہیں ہے۔"

"زندہ باد عظمتِ اہلبیت"

(احادیثِ مذکورہ سے یہ گستاخ لوگ خارج ہیں)

ہم نے اکثر و بیشتر احادیث مذکورہ حضرت علامہ طبرسی علیہ الرحمہ کی کتاب احتجاج سے نقل کی ہیں کیونکہ جناب ممدوح نے یہ کتاب صرف مناظرہ کی فضیلت میں تحریر کی ہے اور اس میں محمدؐ و آل محمدؐ علیہم السلام کے مناظرات درج کئے ہیں اور ان احادیث میں مناظرہ کے ثواب کا ذکر ہے۔ ان لوگوں سے اس مناظرہ و مدافعہ و مجادلہ کا کوئی واسطہ ہی نہیں۔ کیونکہ دشمنانِ اہل بیت اور ناصبیوں سے مقابلہ کرنا اور کم علم شیعوں کو غالب و مظفر کرنا اور حقوقِ اہلبیت کو دلائل سے ثابت کرنا اور ناصبیوں کے اعتراضات کا قلع قمع کرنا، اور مردوں نیز عورتوں کی علمی امداد کرنا اور انہیں دشمنانِ محمدؐ و آل محمد علیہم السلام کے پھندوں سے نکالنا، اور شہر بشہر دیار بدیار پہنچ کر یتیمانِ آلِ محمدؐ کو دینی تقویت پہنچانا یہ تمام خدمات خطباء و علمائے واعظین و مناظرین و مادحین و ذاکرین انجام دے رہے ہیں۔

یہ لوگ صرف شیعہ طالب علموں کو صَرف، نحو، مسائلِ زکوٰۃ و خمس وغیرہ پڑھا رہے ہیں۔ یہ بھی ایک اچھی خدمت ہے بشرطیکہ محمدؐ و آل محمد علیہم السلام پر خصوصاً اور تمام انبیاء علیہم السلام میں عموماً نقص و عیب نہ نکالیں؛ اور ان کی ذوات مقدسہ کو اپنی نوع میں داخل کرنے کی زحمت نہ فرمائیں؛ ان کو مچھر اور مکھی سے تشبیہہ نہ دیں، اور ان کے مراتب و مدارج کی اپنی ناقص عقل سے حد بندی نہ کریں؛ بلکہ صرف طالب علموں کو پڑھائیں جس کے وہ اہل ہیں، اور عقائد و ایمان کے مسائل میں مداخلت نہ کریں؛ عمل کی ترویج فرمائیں، وعظ و نصیحت کریں، مومنین کو باعمل بنائیں؛ مسائلِ وضو و غسل سمجھائیں؛ روزہ و نماز سکھائیں، خمس و زکوٰۃ کی ترغیب دیں؛ اور ہمیں تقسیمِ کار کے مطابق عقائد و ایمان کے مسائل اصولِ دین کی نشر و اشاعت، مخالفینِ اہل بیت سے مقابلہ اور فضائل و مناقب اہلبیتؑ کی تبلیغ کا موقعہ دیں۔ یعنی فروعِ دین اپنے حصہ میں لے لیں اور اصولِ دین ہمارے حوالے کر دیں۔ اس تقسیم میں ایک دوسرے کی مدد و نصرت بھی کریں، اور مومنین کرام کو ایمان و عمل پر آمادہ کریں تاکہ دونوں کام باحسن وجوہ انجام پذیر ہوں۔

اہلبیت طاہرین کے موالیوں کی یقینی نجات

ہم بحمداللہ سرکار علامہ مجلسی علیہ الرحمہ کی تصدیق فرمودہ حدیث بحار الانوار سے نقل کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں جن کے مرتبہ کو تسلیم کر کے مؤلف صاحب نے بھی لکھ دیا ہے کہ حدیثِ معصوم کا کوئی شخص ان سے بہتر عالم نہیں ہے؛ اور ہو بھی نہیں سکتا (اصول الشریعہ) لہٰذا ہم اِن لوگوں کا امتحان لیتے ہیں کہ وہ اپنے اس اعتراف پر قائم ہیں یا منحرف ہو کر اپنے اقرار و اعتراف کا جنازہ نکالتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے:۔

عن زید بن یونس قال قلت لابی الحسن موسیٰ علیہ السلام الرجل من

موالیکم عاص یشرب الخمر و یرتکب الموبق من الذنب نتبرأ منه فقال تبرؤا من فعله ولا تبرؤا من خیرہ وابغضوا عمله فقلت یسع لنا ان نقول فاسق فاجر" فقال لا الفاسق الفاجر الکافر الجاحد لنا ولاولیاءنا فابی اللہ ان یکون ولینا فاسقاً فاجراً وان عمل ما عمل ولکنکم قولوا فاسق العمل فاجر العمل مومن النفس خبیث الفعل طیب الروح والبدن لا واللہ لا یخرج ولینا من الدنیا الا واللہ ورسوله ونحن عنه راضون یحشرہ اللہ علی ما فیه من الذنوب متبیضاً وجهه مستورۃ عورته امنة روعته لاخوف علیه ولاحزن وذلك انه لا یخرج من الدنیا حتی یصفی من الذنوب اما بمصیبته فی مال او نفس او ولد او مرض او ادنی ما یصنع بولینا ان یریه اللہ رویا مهولة فیصبح حزیناً لما رآہ فیکون ذالك کفارۃ له او خوفاً یرد علیه من اهل دولة الباطل او شدد علیه عند الموت فیلقی اللہ عزوجل طاهراً من الذنوب امنة روعته بمحمد وامیر المؤمنین صلی اللہ علیهما ثم یکون امامه احد الامرین اما رحمة اللہ الواسعة التی هی اوسع من اهل الارض جمیعاً او شفاعة محمد وامیر المومنین علیهما السلام فعندها تصیبه رحمة اللہ الواسعة التی کان احق بها واهلها وله احسانها و فضلها۔ (بحار الانوار ج، ص ۵۴۶)

زید بن یونس کا بیان ہے کہ میں نے جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی یا مولا آپ کے موالیوں میں سے جو گناہگار شراب پیتا ہے اور مہلک گناہ کرتا ہے، اس سے ہم برأت کریں؟ حضرتؑ نے فرمایا کہ اس کے فعل سے برأت کرو مگر اس کے اعتقاد سے برأت نہ کرو۔ یعنی جو افضل و بہتر چیز اس میں ہے اس سے برات نہ کرو۔ ہاں اس کے عمل کو دل میں بُرا سمجھو۔ پس میں نے عرض کیا یا مولا ہمارے لئے یہ جائز ہے کہ ہم اس کو فاسق و فاجر کہیں؟ حضرت نے فرمایا نہیں۔ کیونکہ فاسق و فاجر وُہ شخص ہے جو ہمارے اور ہمارے دوستوں کی فضیلت کا انکار اور اس انکار پر اصرار کرتا ہے۔ خداوند عالم نے اس بات سے انکار کیا ہے کہ ہمارا دوست فاسق و فاجر کہلائے اگرچہ وُہ جیسا بھی عمل کرے۔ ہاں تم اس کو فاسق العمل، فاجر العمل کہو۔ اور اس کے ساتھ ہی مومن النفس بھی کہو اور خبیث الفعل کہو مگر اس کے ساتھ طیب الروح والبدن بھی کہو۔ خدا کی قسم ہمارا دوست دُنیا سے خارج نہ ہوگا مگر اس حالت میں کہ خدا و رسولؐ اور ہم اس سے راضی ہوں گے

خداوند عالم اس کو اس طرح محشور کرے گا کہ اس کا چہرہ نورانی ہوگا اور اس کے عیب پوشیدہ ہوں گے، اور دل مطمئن ہوگا۔ نہ اس پر خوف طاری ہوگا اور نہ حزن کا اثر ہوگا۔ اور یہ اس لئے کہ دنیا سے نہیں نکل سکے گا جب تک اس کے تمام گناہ پاک وصاف نہ ہو جائیں۔ اور اس کا طریقہ یہ ہوگا کہ یا اس پر مالی مصیبت پڑے گی یا جانی یا اولاد پر مصیبت پڑے گی، یا بیماری کی تکلیف پہنچے گی۔ اور ادنیٰ سی بات یہ ہوگی کہ خداوند عالم ہمارے دوست کو ہولناک خواب دکھائے گا جس کو دیکھ کر وہ رنجیدہ ہوگا۔ پس یہ چیزیں اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جائیں گی۔ اور یا اس کو اہلِ حکومتِ باطل کی طرف سے خوف ہوگا، اور یا اس پر موت کے وقت سختی کی جائے گی۔ پس اس کفارہ کے بعد وہ دربارِ خدا میں پاک و پاکیزہ ہو کر آئے گا۔ اس کے گناہ معاف ہو چکے ہوں گے اور دلِ مطمئن ہو چکا ہوگا۔ اور یہ پاکیزگی اور اطمینان محمد مصطفیٰ اور امیر المومنین علیہما السلام کی مدد سے ملے گا۔ پھر اس کے سامنے دو امروں میں سے ایک امر ضروری ہوگا۔ یا خدا کی وسیع رحمت ہوگی جو تمام اہلِ زمین سے وسیع تر ہوگی، یا شفاعت محمد مصطفیٰ و علی مرتضیٰ ہوگی۔ اور اس شفاعت کی وجہ سے خدا کی وہ رحمت پہنچ جائے گی جس کا وہ اہل اور مستحق ہوگا، اور بطور فضل و احسان بھی مزید رحمت دی جائے گی۔"

موالیانِ اہلبیتؑ کی موت شہادت ہے

قال ابو عبد اللہ علیہ السلام یا ابا حمزۃ من آمن بنا وصدق حدیثنا و انتظرنا کان کمن قتل تحت رایۃ القائم بل واللہ تحت رایۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وعن ابی بصیر قال قال لی الصادق علیہ السلام یا ابا محمد ان المیت علی ھذا الامر شہید قال قلت جعلت فداک و ان مات علی فراشہ قال وان مات علی فراشہ فانہ حیٌ مرزوق۔

(بحار الانوار ج، ص ۵۴۶)

جناب صادق آل محمد علیہ السلام نے فرمایا کہ اے ابو حمزہ جو شخص ہم پر ایمان لائے گا اور ہماری شان کی تصدیق کرے گا تو وہ اس مومن کے مثل ہوگا جو حضرت قائم آلِ محمد کے جھنڈے تلے قتل کیا گیا ہو۔ اے ابو محمد جو شخص ہماری شان کو تسلیم کرتے ہوئے مر جائے گا تو وہ شہید ہوگا۔ ابو محمد نے عرض کی مولا میں آپ پر قربان کیا بستر پر مر جائے تب بھی شہید ہوگا؟ آپ نے فرمایا بے شک وہ اپنے بستر پر بھی مر جائے تب بھی شہید

ہوگا، اور زندہ رہے گا، اور خدا سے رزق پاتا رہے گا۔"

(شانِ اہلبیت کو یہ لوگ کماحقہٗ نہیں سمجھ سکتے)

سرکار علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ نے یہ مصدقہ حدیث تحریر فرمائی جس کی رد ان لوگوں کی طاقت سے باہر ہے

عن ابی عبد اللہ قال اتی رجل الحسین بن علی علیہما السلام قال حدثنی بفضلکم الذی جعل لکم فقال انک لن تطیق حملہ قال بل حدثنی یا ابن رسول اللہ انی احتملہ فحدثہ بحدیث فما فرغ الحسین علیہ السلام من حدیثہ حتی ابیض راس الرجل ولحیتہ وانسی الحدیث فقال الحسین علیہ السلام ادرکتہ رحمۃ اللہ حیث انسی الحدیث۔ (بحارالانوار ج ۲۶ ص)

حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور اس نے عرض کی کہ آپ اپنی وہ شان بیان کیجئے جو خداوند عالم نے آپ کو عطا کی ہے۔ حضرتؑ نے فرمایا کہ تم ہر گز ہر گز طاقتِ برداشت نہیں رکھتے ہو۔ اس نے عرض کی نہیں مولا آپ ضرور بیان فرمائیے میں برداشت کرلوں گا۔ پس حضرتؑ نے کچھ بیان کرنا شروع کر دیا۔ اور ابھی آپ بیان فرما ہی رہے تھے کہ اس کے سر اور داڑھی کے بال سفید ہوگئے اور وہ حضرت کی بیان فرمودہ بات کو بھول گیا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا کہ اس پر خدا کی رحمت ہوگئی کہ میری بات کو بھول گیا ورنہ خدا جانے کیا حال ہوتا۔"

یہی وہ فضیلتیں ہیں جنہیں ہم ہمیشہ بیان کرتے رہتے ہیں کہ ان کی شان کی کوئی حد نہیں۔ ان کا درجہ اور مقام ادراکِ عقول سے بالاتر ہے۔ مگر افسوس کہ یہ لوگ اپنے متکبرانہ انداز میں حد بندیاں کر دیتے ہیں اور پھر ان کی ڈاڑھیاں اور سر سفید نہیں ہوتے ہیں۔ یہ اس بات کی دلیل بیّن ہے کہ ان کو عقیدت و معرفت اہل بیت نہیں ہے۔ ورنہ حد بندی نہ کرتے۔ اور جس طرح کافروں کا یہ قول کہ "تم تو ہم جیسے بشر ہو ہم تمہیں کیسے رسولؐ تسلیم کرلیں۔" ان کے انکارِ رسالت کا سبب ہوا اسی طرح یہ لوگ بھی ان ذوات عالیہ کو محدود فرما کر، اپنی نوع کے افراد قرار دے کر ان کی عظمت و رفعت اور شان مظہریت کمالات ربوبیت کا انکار کر بیٹھے۔

عبدیتِ اہلبیت ہی حقیقی معرفت ہے

یہ لوگ قرآن مجید کی وہ آیات پیش کرتے ہیں جن میں غیر خدا کا عبد کہلانا باطل ہے۔ چونکہ انبیاء و آئمہ علیہم السلام نے کبھی یہ نہیں فرمایا کہ تم ہمارے عبد بن جاؤ، اس لئے یہ لوگ عبد الرسول یا غلام رسولؐ یا عبد العلی

یا غلام علی کے ناموں کو شرک کہتے ہیں، اور ان ناموں کو بدل کر غلام اللہ اور عبداللہ نام رکھتے ہیں۔ بلکہ عطا محمد کا نام بدل کر عطاء اللہ کر دیتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ عبد دو معنی میں استعمال ہوتا ہے اور نسبت کے لحاظ سے اس کا پتہ لگتا ہے ایک نسبت عبد کی معبود کی طرف ہوتی ہے اور دوسری نسبت عبد کی مولا کی طرف جیسا کہ قرآن مجید اور احادیث معصومینؑ اور کلام عرب سے ثابت ہے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:۔

وانکحوا الایامیٰ منکم والصالحین من عبادکم و امائکم الخ

اے ایمان والو! ان عورتوں اور ان مردوں کا نکاح کرو جن کے نکاح نہیں ہوئے ہیں اور دیکھو اپنے ان عباد کا اور ان اماء کا بھی نکاح کرو جن میں نکاح کی صلاحیت موجود ہے"۔

اس آیت میں عبد کی نسبت غیر خدا کی طرف ہے اور اسی طرح اُمت (کنیز) کی نسبت بھی غیر خدا کی طرف ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ نسبت ان کی طرف ہے جن کے قبضہ میں اس عبد کے اختیارات ہیں۔ اس کو زبان عربی میں 'مولا' کہتے ہیں۔ لہٰذا عبدالرسول کے یہ معنی ہوئے کہ جس نے اپنے رسول کو اپنے اختیارات جان و مال سپرد کر دیئے ہیں اور اُن کے ہر حکم کی تعمیل کو ایمان قرار دے لیا ہے وہ رسول کا عبد ہے، اور رسولؐ اُس کے مولا ہیں۔ یہ درجہ خدا کا عطا کردہ ہے۔ اور یہی مقصد اس حدیث غدیر کا ہے جس میں آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جس کا میں مولا ہوں علی بھی اس کے مولا ہیں۔ یعنی جس طرح مجھے اختیار جان و مال اُمت حاصل ہے اسی طرح علی کو بھی حاصل ہے۔ اور اسی طرح حضرت علی علیہ السلام کے بعد ہر امام کو بھی حاصل ہے لہٰذا ہمارے بارہ امام ہمارے مولا ہیں اور ہم ان کے عبد ہیں۔ اب خواہ عبدالعلی نام رکھیں، یا عبدالحسین، اور عبدالرضا رکھیں، یا عبدالجواد۔ غرض قرآن مجید کی روشنی میں بالکل درست ہے۔ کیونکہ عبد کی یہ نسبت مولا کی طرف ہے نہ کہ معبود کی طرف۔ اور یہی وجہ ہے کہ شیعیانِ علی علیہ السلام کو حکم ہے کہ جب روضۂ اقدس حضرت علی علیہ السلام میں داخل ہوں تو رواق محترم کے دروازہ پر ضریح اقدس کے سامنے کھڑے ہو کر یہ پڑھیں:۔

یا امیر المومنین انا عبدك و ابن عبدك و ابن امتك.

یعنی اے امیر المومنین میں آپ کا عبد ہوں اور آپ کے عبد کا بیٹا ہوں اور آپ کی امت (کنیز) کا لڑکا ہوں"۔ اور جب یہ اقرار کر چکو پھر اندر داخل ہو اور زیارت پڑھو۔

ان لوگوں میں سے بعض تو نجف اشرف میں قیام بھی کر چکے ہیں، اور بعض زائر بھی ہوں گے۔ وہاں ان لوگوں نے اپنی عبدیت کا اقرار بھی کیا ہوگا اور حضرتؑ کو اپنا مولا تسلیم کیا ہوگا۔ یہ عقیدہ ان لوگوں پر شائد گراں گزرا ہو جو ان ذوات مقدسہ کو اپنی نوع سمجھتے ہوئے کسی طرح اپنا عبد بننا گوارا نہیں کر سکتے۔

حالانکہ قرآن پاک میں "عبادکم" بالتصریح موجود ہے جس کا انکار کفر کے مترادف ہے۔ مگر وحدت نوع کے قائل سرکار محمدؐ و آل محمد علیہم السلام کے عبد بننے پر تیار نہیں۔

جو صاحبانِ ایمان اس زندگانی دُنیا میں ان حضرات کو اپنا مولا تسلیم کر کے اپنی عبدیت کا اقرار کرتے ہیں جو عین ایمان ہے اور خلیفۃ اللہ ماننے کا ثبوت ہے، ان ہی مومنین کے لئے بعد موت قبر میں یہ تلقین پڑھی جاتی ہے:۔

اللّٰھم ان ھٰذا عبدك وابن عبدك وابن امتك۔

یا اللہ یہ تیرا عبد ہے، تیرے عبد کا بیٹا ہے، تیری امت (کنیز) کا لڑکا ہے جو تیری بارگاہ میں حاضر ہو رہا ہے۔"

یعنی اس بات کا اقرار ہو گا کہ میں تیرا عبد ہوں اور تُو میرا معبود ہے۔ اور میں نے تیری اطاعت کی ہے، اور تیرے حکم کو تسلیم کیا ہے۔ اور اپنی زندگی میں تیرے حکم سے حضرات آئمہ طاہرینؑ کو اپنا مولا تسلیم کر کے اور اپنی عبدیت کا اعتراف کر کے آیا ہوں۔ لہٰذا اب مجھے حق ہے کہ میں یہ کہوں کہ "یا اللہ میں تیرا عبد ہوں، تیرے عبد کا بیٹا، تیری کنیز کا لڑکا ہوں۔" اور اگر زندگانی دُنیا میں منکرِ عبدیتِ اہلبیت تھا تو اب اس کو خدا کا عبد کہنے کا حق ہی نہیں ہے۔ کیونکہ معبود نے جن کو مولا بنایا تھا ان کا یہ عبد نہ بنا اور "ایک نوع" کے غرور میں رہا۔

لہٰذا جو لوگ اسمائے عبدالرسول، عبدالعلی، عبدالحسین، عبدالرضا، عبدالکاظم، وغیرہ درست و صحیح نہ سمجھیں اور عبدیت کو قبول نہ کریں تو مومنین کا ان لوگوں کی قبروں پر تلقین پڑھنا کہاں ضروری ہے۔

ہم اپنی تحقیق کے ثبوت میں حدیث مصدقہ سرکار علامہ مجلسیؒ پیش کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیے:۔

عن محمد بن زید الطبری قال کنت قائما علی راس الرضا علی بن موسیٰ علیہ السلام بخراسان وعندہ جماعۃ من بنی ھاشم منھم اسحاق بن العباس بن موسیٰ فقال لہ یا اسحاق بلغنی انکم تقولون ان الناس عبید لنا لا وقرابتی من رسول اللہؐ ما قلتہ ولا سمعتہ من احد من آبائی ولا بلغنی عن احد منھم انہ قالہ لکنا نقول الناس عبید لنا فی الطاعۃ موال لنا فی الدین فلیبلغ الشاھد الغائب۔ (بحار الانوار ج، ص ۳۴۲)

محمد بن زید طبری کہتے ہیں کہ میں خراسان میں حضرت امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں کھڑا تھا اور اس وقت بنی ہاشم کی ایک جماعت بھی تھی جن میں اسحٰق بن عباس بن موسیٰ بھی تھا اس سے حضرت نے فرمایا "اے اسحٰق مجھے خبر ملی ہے کہ تم لوگ کہتے ہو کہ لوگ ہمارے عبد ہیں اور ہم معبود ہیں۔ میں رسولؐ اللہ کی قرابت کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے یہ بات نہ خود کہی ہے اور نہ اپنے آباؤ اجداد میں سے کسی سے سُنی ہے، اور نہ یہ خبر ملی ہے کہ ان میں سے کسی نے یہ بات کہی ہو۔"

مگر ہم یہ ضرور کہتے ہیں کہ لوگ ہمارے عبد ہیں، ہمارے حکم کی تعمیل کرنے میں، ہمارے موالی ہیں، ہمارا دین قبول کرنے میں۔ لہٰذا ہر ایک حاضر الوقت پر فرض ہے کہ وُہ غائب کو یہ ہمارا حکم پہنچا دے۔"

اس حدیث سے معلوم ہُوا کہ ہم ان ذواتِ مقدسہ کے عبد ہیں، اور وُہ ہمارے مولا ہیں، اور خدا معبُود ہے اور ہم اس کے عبد ہیں۔ لفظ مشترک ہے، معنی جدا جدا ہیں۔ یعنی ہم خدا کے عبد العبادۃ ہیں، اور ان حضرات کے عبد الطاعۃ ہیں۔

(مؤلف اصُول الشریعہ کی گُستاخانہ جسارت)

جب انبیاء و آئمہ طاہرین کے لئے یہ امر ثابت ہے کہ وُہ اپنے افعال و اقوال میں تابع امر و ارادۂ خدا ہوتے ہیں اور ان حضرات کی تبلیغ اور اعلانِ حق بھی مطابق مشیت پروردگار ہوتا ہے۔ اور مقابلہ و مقاتلہ بھی حسب ارشاد خداوندی ہوتا ہے۔ صبر و تحمل بھی بذریعہ الہام و وحی ہوتا ہے اور صلح و جنگ بھی موافق امرِ خدا ہوتی ہے تو مؤلف کو یہ حق نہیں ہے کہ ان حضرات کے افعال و اقوال کے ساتھ اپنے افعال و اقوال کی گستاخانہ مثالیں پیش کریں۔

اسی لئے یہ شرعاً ممنوع ہے اور یہ بھی منع ہے کہ صلح و جہاد کا فیصلہ قیاسات سے کیا جائے۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر جبکہ مسلمانوں کی قوت و طاقت بلند ہو چکی تھی اور وُہ پے در پے فتوحات حاصل کر چکے تھے ان کے حوصلے بلند تھے۔ اس وقت قیاسی فیصلہ تو یہی ہو سکتا تھا کہ دب کر صلح نہ کی جائے لیکن حکمِ حکیمؐ علیم یہ تھا کہ دب کر صلح کرنا ہی فتح مبین کا پیش خیمہ ہوگا۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے حسب وحی خدا مغلوبانہ شرائط پر صلح کرلی۔

لوگوں کو ان کے نتائج کا علم نہ تھا اس لئے آئندہ اسے اپنے قیاسات کے مطابق نہ پا کر انہیں حضرتؐ کی نبوت میں ہی شکوک پیدا ہو گئے۔

حالانکہ نبوت کے فیصلہ کو خدائی فیصلہ سمجھنا علامت مومن خالص ہے۔

یہی حال ان لوگوں کا ہے جو اپنے قیاسی افعال و اقوال کے مقابلہ میں انبیاء و آئمہ طاہرین علیہم السلام کو پیش کرتے ہیں اور اپنی دُشنام طرازی کو سُنّتِ انبیاء و سیرتِ آئمہ قرار دینا چاہتے ہیں یہ سب گستاخیاں بے ادبیاں اور اہانتیں صرف اس لئے عمل میں لائی جا رہی ہیں کہ ان ذواتِ مقدسہ کو اپنی نوع میں ثابت کر سکیں۔ حالانکہ کجا وحی و الہام کے ماتحت معصومانہ افعال و اقوال، اور کہاں خطا کاروں کے شیطانی غیظ و غضب اور ابلیسی قیاسات۔ مگر یہ امتیاز تو معرفتِ اہلبیت ہی کے ذریعہ حاصل ہو سکتا ہے۔

مؤلفؔ اصُول الشریعہ تحریر فرماتے ہیں ملاحظہ فرمائیے:۔

"جس طرح انبیاء و مرسلین اور آئمہ طاہرین نے نااہلوں کے ناروا سلوک سے دل برداشتہ ہو کر اپنے مشن کو ترک نہیں کیا تھا بلکہ مخاصمت اور مخالفت کے طوفان سے ٹکراتے ہوئے برابر اپنے مشن کی تکمیل میں ہمہ تن مشغول و منہمک رہتے تھے یہاں تک کہ کامیابی اور کامرانی ان کے قدم چومتی تھی۔ اسی طرح ان کے حقیقی پیروکار یعنی علمائے ابرار کثرہم اللہ نے بھی اپنے پیشواؤں کی تقلید و تاسّی میں یہ تہیہ کر لیا ہے کہ دین فروشوں کے شور و غوغا اور فتنہ و فساد اور بغض و عناد کی آتش روشن کرنے کے باوجود اعلائے کلمۃ الحق امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کی ادائیگی سے باز نہیں آئیں گے۔ اور اس سلسلہ میں ان پر جس قدر مشکلات و مصائب وارد ہوں گے وُہ ان کا خندہ پیشانی سے استقبال کریں گے ۔

باطل سے دبنے والے لے آسماں نہیں ہم
سُو بار کر چکا ہے تُو امتحاں ہمارا!

اس گئے گزرے دَور میں بھی زیادہ نہ سہی کم ہی سہی "قلیل من عبادی الشکور" ہماری قوم میں بفضلہ تعالیٰ خود بین، خدا بین اور جہاں بین افراد موجود ہیں جو حق و باطل، عالم و جاہل اور صالح و طالح میں امتیاز کرنے کی لیاقت و اہلیت رکھتے ہیں۔ ہر دو فریق کے افعال و اقوال، عقائد و نظریات اور ان کے دلائل و براہین ان کے سامنے ہیں وُہ ان کا جائزہ لے کر حقیقت و مجاز اور حق و باطل اور علمائے حق اور علمائے سوء کے درمیان امتیاز کر لیں گے حق و حقیقت کا بول بالا ہو گا۔ حقیقی علماء کی شان اُجاگر ہو گی، دینی مدارس سرکار محمدؐ و آلِ محمدؐ کے حقیقی علوم و تعلیمات کی نشر و اشاعت سے ظلمت کدۂ عالم کو بقعہ نور بنائیں گے۔ اور یہ لوگ اپنے مقاصد مشئومہ میں خائب و خاسر ہوں گے۔" (اصول الشریعہ ص۲۶)

مؤلف صاحب نے تبلیغ و ترویج دین اسلام میں کوشاں رہنے والوں کے لئے نااہل، جاہل، دین فروش وغیرہ وغیرہ کے القاب قبیحہ استعمال کر کے خداوند عالم کے صریحی حکم کی نافرمانی کی ہے "لا تنابزوا بالالقاب"۔ یعنی بُرے بُرے لقب لوگوں کو نہ دو۔ لیکن اپنے لئے علماء ابرار، حقیقی علماء، علماء حق کے صفات عالیہ بقلم خود تحریر فرمائے ہیں۔ حالانکہ جناب رسالت مآبؐ کا ارشاد ہے: "من قال انا عالم فھو جاھل"۔ جو شخص اپنے کو یہ کہے کہ میں عالم ہوں تو سمجھ لو کہ وُہ جاہل ہے۔ اس حدیث صحیح پیغمبر اکرم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے آئینہ میں یہ لوگ اپنی صورتوں کو پہچانیں کہ یہ انہیں کیسی دکھائی دیتی ہیں۔ حضرات محمدؐ و آل محمدؑ علیہم السّلام کے ان فضائل و مراتب کو کہ ان ذواتِ مقدسہ کی نوع علیحدہ ہے ان کے کمالات کی حد بندی نہیں ہو سکتی۔ یہ حضرات علم غیب رکھتے ہیں لہٰذا عالم الغیب کہنا درست ہے۔ (اس پر سیر حاصل گفتگو آگے صفحات میں ملاحظہ فرمائیں)

یہ حضرات شکلِ بشر میں نورِ خدا ہیں۔ قوتِ معجزہ کا خالق خدا ہے، اس کے استعمال کرنے والے یہی ذواتِ قدسیہ ہیں۔ اور جو عقائد بالتحقیق حق ہیں ان لوگوں نے باطل قرار دیا ہے اور ان کے خلاف ان عقائد کو جو خود بیان کرتے ہیں کہ ان حضرات کی اور ان لوگوں کی نوع ایک ہے، ان کے کمالات و فضائل محدود ہیں اور معجزہ کی قوت سے خالی دعاری پتھر کی طرح ہیں، ان کو عالم الغیب کہنا باطل ہے، یہ مجازاً نور ہیں حقیقتہً نہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ ان سب کو حق کا درجہ دیا ہے۔ یہ لوگ اسی کو حق و باطل کا مقابلہ کہتے ہیں۔

اس پر ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ جن درسگاہوں میں اہلبیت علیہم السلام کے فضائل و مراتب کو ختم کرنے کے لئے پوری قوتیں صرف کی جا رہی ہیں۔ ان ہی مدارس کو یہ لوگ بقعۂ نور سے تعبیر کرتے ہیں۔ ہماری یہ کتاب ان لوگوں کے عقائد کا انشاء اللہ ایسا اپریشن کرے گی کہ مومنین کرام ان کے ظاہر و باطن کا بخوبی مشاہدہ کر لیں گے۔

حقیقی علمائے اعلام

اصول الشریعہ کے ص۱۵ پر یہ لوگ یوں رقمطراز ہیں:

آج منبروں پر بعض دین فروش ملا گلا پھاڑ پھاڑ کر عوام الناس کو علمائے اعلام و مجتہدین کرام سے ان پر کئی قسم کے غلط اتہام و الزام لگا کر بدظن کرنے اور ان کو اپنے مراکز سے علیحدہ کرنے میں شب و روز مشغول ہیں۔" (اصول الشریعہ ص۱۵) اسی صفحہ پر تحریر فرماتے ہیں:۔

"اور آج دین فروش ملاؤں، منبر کے اجارہ داروں، قوم کی نجات کے ٹھیکیداروں نے بے چارے سادہ لوح عوام کو اپنے دامِ تزویر میں پھانسنے اور ان کو حقیقی علمائے اعلام سے دور رکھنے کی خاطر لفظ "وہابی" مقرر کر رکھا ہے۔ (اصول الشریعہ ص۱۵)

ان لوگوں کا اپنے لئے خود حقیقی علمائے اعلام لکھنا اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ یہ اپنی ذات کو حقیقی عالم سمجھتے ہیں جب کہ حدیثِ پیغمبرؐ میں ایسے افراد کو جاہل کہا گیا ہے۔ نیز یہ کہ منبروں پر مجالس سید الشہداءؑ میں فضائل و مصائب بیان کرنے والوں کو "دین فروش" جیسے مکروہ الفاظ سے یاد کر رہے ہیں۔ حمایتِ اہلبیتؑ میں دلائل و براہین کو "دامِ تزویر" سے تعبیر کر رہے ہیں۔ پھر خود ہی اپنے لئے "وہابی" سے چڑ رہے ہیں۔ حالانکہ ہم میں سے کسی نے توہینِ اہلبیتِ طاہرینؑ کرنے والوں کو 'وہابی' نہیں کہا۔

ہم تو اس قماش کے لوگوں کو "ناصبی" جانتے ہیں۔ اس کے دلائل و براہین احادیثِ معصومین علیہم السلام کی روشنی میں انشاء اللہ آگے صفحات میں پیش کئے جائیں گے۔

توہینِ اہلبیت کا انکشاف تام

ان حضرات نے اپنے اجتہادی قیاس میں ایمانیات و اعتقادیات کی حد بندی فرمائی ہے اور اس سے جو عقیدہ خارج کیا ہے اس کو باطل و طبع زاد عقیدہ اور غلط ایمان بتایا ہے۔ اور یہ حد بندی اس ہوشیاری سے ایجاد کی ہے کہ جس میں متنازع فیہ عقائد و معارف شامل نہ ہو سکیں۔

پہلے ہم ان کے قلم سے ان عقائد کو ان ہی کی عبارت میں درج کرتے ہیں جن کو لایعنی اور غلط تحریر کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:۔

"مثلاً یہ کہ آیا آئمہ اطہار بشر ہیں یا نور؟ وہ نوعِ انسانی کے افراد کاملہ ہیں یا کسی اور نوع سے تعلق رکھتے ہیں؟ وہ باذن اللہ خالق و رازق اور محی و ممیت ہیں یا نہیں؟ اسی طرح وہ عالم الغیب ہیں یا نہ؟ وہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں یا نہ"۔ (اصول الشریعۃ ص ۳۱)

ان مذکورہ بالا عقائد کو اثبات و نفی میں سوالیہ طریقہ پر تحریر فرمایا ہے جس کے جواب میں اپنا اعتقاد یوں تحریر فرماتے ہیں:۔

"ان غیر ضروری عقائد و مسائل کا نام و نشان تک نہیں ملتا۔ یہ حقیقت واضح و آشکار ہو جاتی ہے کہ ان نظریات کو ایمانیات و اعتقادیات میں کوئی دخل نہیں ہے"۔ (اصول الشریعۃ ص ۳۱)

جب کہ ہم لوگ ان ذواتِ مقدسہ کو نور علیحدہ نوع، باذن اللہ خالق و رازق، محی و ممیت، عالم الغیب اور حاضر و ناظر جانتے ہیں، یہی ہمارا ایمان ہے۔ یہی ہمارا عقیدہ ہے اور بحمد اللہ ان عقائد کے ہم سختی سے پابند ہیں۔ ان عقائد کو یہ لوگ لایعنی اور بے حقیقت اور طبع زاد عقائد بتاتے ہیں۔

اب ہم اُن احادیث کے تراجم پیش کرتے ہیں جن کو مؤلف نے دلیل قرار دے کر ان امور کو عقائد سے خارج فرمایا ہے اور غلط و طبع زاد و باطل قرار دیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے اصول الشریعۃ ص ۱۳ و ۱۴

"چنانچہ عمر بن حریث بیان کرتے ہیں کہ میں نے جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا میں آپ پر قربان ہوں کیا میں اپنا دین و اعتقاد آپ کی خدمت میں پیش نہ کر دوں؟ آپ نے فرمایا ہاں لے عمرو۔ میں نے عرض کیا میرا دین اور اعتقاد یہ ہے کہ اللہ سبحانہ، کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ اور حضرت محمد مصطفٰےؐ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے عبد خاص اور رسولؐ ہیں، قیامت کا آنا برحق ہے، اس میں کوئی شک و شبہ نہیں، خدا ضرور مُردوں کو زندہ کرے گا، اور نماز پڑھنا، زکوٰۃ ادا کرنا، ماہِ رمضان کے روزے رکھنا، اور جو استطاعت رکھتا ہو اس پر حج بیت اللہ کرنا واجب ہے، اور جناب رسولِ خداؐ کے بعد حضرت امیر المومنینؑ اور حضرت امام حسنؑ و امام حسینؑ اور حضرت امام زین العابدینؑ و امام محمد باقرؑ اور پھر آپ کی ولایت و امامت کا اعتقاد رکھتا ہوں آپ ہی ہمارے برحق امام ہیں۔ اسی عقیدہ پر زندہ ہوں اور اسی پر مروں گا۔ اور اس کو اپنا

دین و ایمان سمجھتا ہوں۔ آنجناب نے فرمایا کہ اے عمر خدا کی قسم یہی میرا اور میرے آباؤ اجداد کا دین ہے۔

اسی طرح یوسف سے مروی ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا میں اپنا اعتقاد آپ کے سامنے بیان کرتا ہوں۔ اگر میں حق پر ہوں تو مجھے اس پر ثابت رکھئے۔ اور اگر باطل پر ہوں تو حق کی طرف میری راہبری فرمائیے۔ امام نے فرمایا پیش کرو۔ میں نے عرض کیا میرا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ سبحانہ کے سوا کوئی اور معبود نہیں ہے اور نہ ہی اس کا کوئی شریک ہے؛ اور حضرت محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے عبد اور رسول ہیں، اور یہ کہ حضرت علی علیہ السلام میرے امام ہیں، اسی طرح ان کے بعد امام حسن علیہ السلام، امام حسین علیہ السلام حضرت علی بن الحسین اور حضرت محمد بن علی میرے امام ہیں اور ان کے بعد آپ اپنے آباء طاہرین کے طریقہ پر میرے امام ہیں۔ راوی کہتا ہے کہ یہ سن کر امام علیہ السلام نے کئی بار مجھے فرمایا رحمک اللہ خدا تم پر رحم کرے۔ پھر فرمایا بخدا یہی خدا اور اس کے ملائکہ اور میرے آباؤ اجداد کا وہ دین ہے کہ جس کے علاوہ کوئی دین خدا قبول نہیں کرتا۔ (اصول الشریعۃ ص ۱۳، ۱۴)

ہم نے مؤلف کی پیش کردہ احادیث کا ترجمہ من وعن ان کی کتاب سے لکھا ہے۔

اگر یہ احادیث اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ ان میں محمد و آل محمد علیہم السلام کے حاضر و ناظر، خدا کے نور سے خلق اور اُن کی نوع جدا ہونے کا اور ان کے علم غیب رکھنے کا ذکر نہیں اور نہ باذن اللہ محی و ممیت اور خالق و رازق ہونے کا ذکر ہے لہٰذا یہ عقائد غلط اور طبع زاد ہیں ان کا ایمانیات و اعتقادیات میں کوئی دخل نہیں تو ایسے معیار پر وہ دوسرے عقائد بھی غلط و طبعزاد ہوں گے جن کا ان احادیث میں مذکور نہیں۔ مثلاً معراج، رجعت، جنت، دوزخ، پل صراط، سوال قبر، تولا، تبرا، امر بالمعروف، نہی عن المنکر، جہاد و خمس وغیرہ وغیرہ۔

کیا واقعی یہ تمام عقائد طبعزاد ہیں؟ ان کے علاوہ وہ عقائد بھی جو جناب شیخ صدوق نے اپنے اعتقادیہ میں درج فرمائے ہیں جن کا ذکر ان حدیثوں میں نہیں۔ پھر سب سے بڑی بات یہ کہ ان دونوں حدیثوں میں صرف چھ اماموں کا ذکر ہے، باقی چھ اماموں کا قطعاً ذکر نہیں۔ تو کیا معاذ اللہ باقی چھ امام طبعزاد امام ہیں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

اگر اوپر لکھے ہوئے جملے ہی آپ کے عقائد دین کے ترجمان ہیں اور ان کے علاوہ کوئی دوسرے عقائد قابل قبول نہیں تو کیا ہم یہ سمجھنے میں حق بجانب نہیں کہ آپ شش امامی ہیں؟ منکر معراج و رجعت ہیں؟ قوم سے خمس کی رقوم وصول نہیں کر رہے ہیں؟ قبر میں تلقین پڑھانے کو غلط سمجھتے ہیں۔

جن لوگوں نے امام علیہ السلام کے سامنے اپنے عقائد کی تصدیق چاہی۔ ان لوگوں نے یہ چند عقائد پیش کر کے اُن دوسرے عقائد کی تکذیب کا کہیں مطالبہ نہیں کیا جس سے وہ تمام عقائد باطل ہو جاتے جو انہوں نے اُوپر لکھی ہوئی احادیث میں پیش نہیں کئے۔

لہٰذا صحیح مفہوم ان احادیث کا یہ ہے کہ امامؑ نے ان عقائد کے صحیح و درست ہونے کی تصدیق فرمائی اور نیز یہ بتایا کہ اُنکے غیر یعنی مخالف و مغائر عقائد دین نہیں اور خدا ان کو قبول نہیں کرے گا یہی ان احادیث کا صحیح مطلب ہے۔ مگر خدا تعصب کا بُرا کرے کہ اس میں پھنس کر آدمی اپنی عقل سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔

ہمیں یقین ہے کہ ہمارے ان دلائل کو رد کرنے کے لئے قائلینِ وحدت نوع اور ان کے طرفداروں کو ائمہ اثنا عشر و عترتِ رسولؐ سے منہ موڑنا اور کسی خود ساختہ امام کا سہارا لینا پڑے گا۔

احقاق حق وابطال باطل

اب ہم خدا کا نام لے کر چہاردہ معصومین علیہم السلام کی برکت و مدد کے سہارے ان مذکورہ بالا عقائد پر روشنی ڈالتے ہیں اور علوم اہلبیت علیہم السلام کے ذریعہ احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ پہلے ہم اپنے اس قلم برداشتہ مضمون کا اقتباس درج کرتے ہیں کہ جس کو معرفت محمدؐ و آل محمدؐ کے عنوان سے جناب سید مہربان علی صاحب رضوی نے شائع کیا تھا کیونکہ مؤلف نے اصول الشریعۃ میں اس کی عبارات پر بھی غلط تبصرہ کیا ہے۔

معرفتِ محمدؐ و آلِ محمدؐ علیہم السلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ جناب محترم مہر حق نواز صاحب نے چند شیعہ اہل علم (مولوی جعفر حسین صاحب مفتی؛ مولوی محمد یار شاہ صاحب علی پوری؛ مولوی اختر عباس صاحب مترجم مفاتیح؛ مولوی حسین بخش صاحب جاڑہ؛ مولوی سید گلاب شاہ صاحب نقوی؛ مولوی محمد حسین صاحب ڈھکو؛ مولوی سیف اللہ صاحب سابق سُنّی (ناقل) کے خیالات ان کے دستخطوں کے ساتھ مجھے ارسال فرمائیے (جن کے دستخط اصول الشریعۃ صفحہ ۲۲۲ پر موجود ہیں)

درحقیقت میں نے اس تنازع میں اس لئے حصہ نہیں لیا کہ میں ان مسائل کو مسائل عقائد وایمان سمجھتا ہوں۔ اور ایمان قابلِ تشکیک ہے۔ یعنی اس میں قوت بھی ہے اور ضعف بھی۔ زیادتی بھی ہے اور کمی بھی۔ چنانچہ خداوند عالم کا ارشاد ہے: واذا تلیت علیھم اٰیاتہ زادتھم ایمانا۔ یعنی جب مومنین کے سامنے آیات کی تلاوت کی جاتی ہے تو اُن کے ایمانی درجات میں اضافہ کر دیتی ہیں۔" نیز

ارشادِ قدرت ہے: الذین اٰمنوا ثم کفروا ثم اٰمنوا ثم کفروا ثم ازدادوا کفرا۔ یعنی ایسے لوگ بھی ہیں جو ایمان لائے پھر انکار کر دیا، پھر ایمان لائے، پھر انکار کر دیا اور پھر انکار بڑھتا ہی چلا گیا۔ مقصد یہ ہے کہ یہ لوگ اصُولِ دین کو تسلیم بھی کر لیتے ہیں اور پھر منکر بھی ہو جاتے ہیں۔ پھر انہیں سمجھایا جاتا ہے، تو پھر مان لیتے ہیں مگر پھر اپنے ایمان کو ضائع کر دیتے ہیں اور انکار میں اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے۔

نیز ارشادِ قدرت ہے: وقل رب زدنی علما۔

یعنی کہو اے پالنے والے مجھے علم و یقین کے درجات میں آگے بڑھا۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ میرے علمی درجات میں اضافہ فرماتا رہ۔

ان آیات سے ثابت ہے کہ ہر انسان کا علم اور اس کی معرفت جدا جدا ہے اور اس میں زیادتی بھی ہوتی ہے اور کمی بھی۔ قوت بھی پیدا ہوتی ہے، اور ضعف بھی۔ لہٰذا درجاتِ ایمان میں سب یکساں نہیں ہو سکتے؛ اور اسی وجہ سے کسی کا ایمان دُوسرے پر لادا نہیں جا سکتا۔ جناب امام محمد باقر علیہ السّلام کا ارشاد ہے جو درحقیقت قرآن مجید کی صحیح ترجمانی ہے:۔

ان المومنین علیٰ منازل منهم علیٰ واحدة ومنهم علیٰ اثنین ومنهم علیٰ ثلث ومنهم علیٰ اربع ومنهم علیٰ خمس ومنهم علیٰ ست ومنهم علیٰ سبع فلو ذهبت تحمل علیٰ صاحب الواحدة اثنین لم یقو وعلے الاثنین ثلاثا لم یقو۔ الخ

مومنین کے درجاتِ ایمان جدا جدا ہیں۔ ان میں کوئی ایک درجہ پر فائز ہے، کوئی دُو درجہ پر، کوئی تین پر، کوئی چار پر، کوئی پانچ پر، کوئی چھ، کوئی سات درجہ پر فائز ہے۔ پس تم اگر ایک درجہ والے مومن پر دُو درجہ والے مومن کے ایمان کا بوجھ لاد دو گے تو وُہ یہ بار اُٹھا نہیں سکتا۔ اسی طرح اگر دُو درجہ والے مومن پر تین درجہ والے مومن کے ایمان کا بار لاد دو گے تو وُہ یہ بار نہیں اٹھا سکتا الخ اسی طرح آگے سمجھ لو۔ (کتاب حقائق علامہ فیض ص ۲۲۴)

حضرت کے ارشادِ حق بنیاد سے ثابت ہے کہ کسی مومن کے لئے درجۂ ایمان کی حد بندی نہیں کی جا سکتی ہے اور نہ کسی کو حق حاصل ہے کہ ایک کے ایمان کا بار دُوسرے پر لاد دے۔ بہت ممکن ہے کہ ایک کا ایمان دوسرے سے کم یا زیادہ ہو، قوی یا ضعیف ہو۔ اور دونوں ایک دوسرے کی تقلید کو غلط سمجھتے ہوں تو پھر ایسی صورت میں سات مولوی نہیں سات سو بھی اپنے درجۂ کا یمان کا دستخطی طور پر اعلان کر دیں، تو ان کا یہ ایمان دوسرے پر نہیں لادا جا سکتا۔ اور نہ یہ حضرات اپنے ایمان کو دُوسرے پر مسلط کر سکتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ مسائلِ ایمان و عقائد میں تقلید ممکن نہیں ہے۔ اور علمائے شیعہ نے اصُولِ دین میں تقلید کو حرام قرار دیا ہے۔ بلکہ عوام کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ وُہ استدلال اور ثبوت طلب کریں اور بغیر

دلیل ہرگز کوئی عقیدہ قبول نہ کریں۔

اور یہی وجہ ہے کہ ایک عام مومن اپنے ایمان میں اس قدر قوت رکھتا ہے کہ اپنے جذبۂ ایمانی کے تحت بڑی بڑی قربانی کو آسان سمجھتا ہے' اور ایک فاضل مولوی اپنے پیچ در پیچ مسائل میں الجھا ہوا چھوٹی سے چھوٹی قربانی کو مشکل سمجھتا ہے۔

علم و معرفت عطیۂ خدا ہے

قرآن وارشاداتِ معصومین علیہم السلام سے ثابت ہے کہ علم کتابوں سے حاصل نہیں ہوتا اور نہ کثرتِ تعلیم و تعلم اس کا سبب ہے۔ بلکہ یہ ایک نُور ہے جو خدا کی طرف سے عطا ہوتا ہے' اور وہ جس کے دل میں چاہتا ہے خود داخل کر دیتا ہے۔

بڑے بڑے رازی و غزالی گزر گئے جن کے دل میں ولایت کی روشنی ایک مردِ مومن کے مقابلہ میں نہایت دھیمی نظر آتی ہے۔ اور مرد مومن کی زبان کٹ جانے اور پھانسی پر لٹک جانے کے باوجود اس کا ایمان کم نہیں ہوتا۔ حقیقت یہ ہے کہ جب خدا کی طرف سے نور معرفت عطا ہوتا ہے تو مومن کا دل صاف و شفاف ہو جاتا ہے' اور تاریکی کے پردے ہٹ جاتے ہیں۔ اور جس قدر ایمان بڑھتا جاتا ہے اتنے ہی پردے ہٹتے جاتے ہیں۔

چنانچہ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے:۔

اللہ ولی الذین اٰمنوا یخرجھم من الظلمات الی النور۔

یعنی اللہ مومنین کا ولی ہے۔ ان کو تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لے جاتا ہے"۔ لہٰذا کتابیں لاد لینے سے ایمان حاصل نہیں ہوتا۔ اس کے لئے تزکیۂ نفس اور ریاضت کی ضرورت ہے۔ اور یہ عشق و محبت سے پیدا ہوتا ہے۔ اسی لئے علمائے حقیقی نے فنون اور علوم میں فرق بتایا ہے۔ کتابوں سے فنون مل سکتے ہیں' مگر علوم محمدؐ و آلِ محمدؐ علیہم السلام سے لو لگانے سے ہی ملیں گے۔ اور جو لوگ ان ذوات مقدسہ کے لئے اپنا جیسا بشر اور اپنی نوع اور اپنی جنس و فصل کے معتقد ہو چکے ہیں۔ وہاں فن ہی فن نظر آئے گا' علم و معرفت سے دُور کا بھی لگاؤ نہ ہو گا۔

شرفِ علم بقدر شرف معلوم ہوتا ہے

درجۂ علم اور اس کا شرف بقدر درجۂ معلوم ہوتا ہے۔ یعنی جس چیز کا علم کسی کو حاصل ہو گا وہ جس مرتبہ اور جس درجہ کی ہو گی اس کا علم بھی اسی درجہ کا ہو گا۔

مثلاً کسی شخص کو حیوانات کا علم ہے تو اس کا علم اسی درجہ کا ہو گا جتنا حیوانات کا درجہ ہے اور اسی طرح

جس کو نوع انسان کا علم تو اس کا علم اسی درجہ کا ہوگا جتنا انسان کا درجہ و مرتبہ ہے۔ اسی طرح طبقات مخلوقات کے جس قدر درجات و مراتب ہیں ان کے علم کا درجہ بھی ان کے درجہ کے مطابق ہوگا۔ لہٰذا علم الجمادات، علم النباتات، علم الحیوانات، علم الانسانات میں مطابق درجات معلوم درجات ہوں گے۔

علم کی پستی و بلندی معلومات کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ لہٰذا دینی علوم کا درجہ دنیاوی علوم سے بلند ہوگا۔ اور اسی طرح امور دین میں اصول بھی ہیں اور فروع بھی۔ عقائد بھی ہیں اور اعمال بھی۔ لہٰذا اصولِ دین کا علم یقیناً فروعِ دین سے بلند ہوگا۔ یعنی عقائد کا درجہ عمل سے یقیناً بلند ہوگا۔

اور اصولِ دین میں سب سے افضل و اشرف و اعلےٰ معرفت توحید و عدلِ خداوندی ہے۔ اور اسی سے نبوت و امامت و معاد متفرع ہوتے ہیں لہٰذا یہ علم تمام علوم سے افضل ہے۔

اور جس طرح علم کے درجات اپنے معلومات کے لحاظ سے متعین ہوتے ہیں اسی طرح علماء کے درجات بھی ان کے معلومات کے لحاظ سے بلند و پست ہوتے ہیں۔ لہٰذا خمس و زکوٰۃ اور طہارت و نجاست کے مسائل کا عالم اس عالم کے مقابلہ میں پست ہوگا جس کو توحید و نبوت و امامت و ولائیت کے مسائل کا علم ہے اور اسی طرح وُہ فقیہہ جو فروع دین میں بلند درجہ رکھتا ہے اور اپنے اجتہاد و استنباط سے اعلےٰ درجہ حاصل کر چکا ہے وُہ اس عالم دین کے مقابلہ میں پست ہوگا جس کو عقائد و ایمان و اصولِ دین کے مسائل میں عبور حاصل کہے اور وُہ گمراہوں کو اپنے علم کے ذریعہ راہِ حق دکھاتا ہے؛ اور دشمنانِ خدا اور رسول اور اعدائے آئمۂ طاہرین علیہم السلام کو شکست دیتا ہے۔ کیونکہ فروعِ دین صرف اس لئے واجب کئے گئے ہیں کہ ان کے ذریعہ اصُولِ دین کی یاد تازہ رہے۔ لہٰذا علمائے معرفت علمائے عمل سے بدرجہا افضل ہیں۔

کفر و شرک کی حدیں

قرآن مجید اور کلام معصومین علیہم السلام سے ثابت ہے کہ ذات و صفاتِ خدا کی حد بندی محال ہے اسی لئے معصومین علیہم السلام نے فرمایا ہے کہ تصورِ توحید بمقدار عقل ہوتا ہے۔ یعنی جتنی عقل ہوگی اسی درجہ کا توحید کا تصور ہوگا۔ کیونکہ کوئی عاقل و عالم اس کی حقیقت ذات و صفات تک نہیں پہنچ سکتا مگر وُہی خود اپنی ذات کو جانتا ہے لایعلم ماھو الاھو۔ کوئی نہیں جانتا کہ وُہ کیا ہے مگر وُہ خود ہی جانتا ہے کہ وُہ کیا ہے۔ وہ ہمارے احاطۂ علم و فکر سے بالاتر ہے۔ اور اس کے صفات عین ذات ہیں۔ یعنی بس وُہ ذات ہی ذات ہے اور اس کے آثار کے نام صفات ہیں۔ لہٰذا نہ اس کی ذات کی حد ہے، نہ صفات کی۔

جو شخص اپنی عقل کے مطابق جتنا تصورِ توحید رکھتا ہے وُہ اس کی عقل کی حد ہے کہ وُہ اس سے زیادہ بلند نہ ہو سکا۔ لہٰذا اس کا تصور خدا اور صفات خدا کی حد نہیں ہے۔ اور چونکہ عقول و افکار جُدا جُدا ہیں،

اس لئے اُن کی پرواز بھی جُدا جُدا ہے۔

اور ہر ایک کی پرواز اس کے تصورِ توحید کی آخری منزل ہے اور اسی منزل میں اس کے ایمان کا درجہ معین ہوتا ہے لہٰذا ایک شخص کا تصورِ توحید اپنی عقل کے مطابق حد بندی میں اتنا ہو سکتا ہے جتنا دوسرے مومن کا تصورِ ولایت و تصورِ نبوت ہے۔ کیونکہ درجاتِ ایمان جُدا جُدا ہیں۔ اور ایک کا ایمان دوسرے پر لادا نہیں جا سکتا۔ اور چونکہ ہر ایک شخص اپنی ہی عقل کے مطابق عقائد کا مکلف ہے اس سے زیادہ کی تکلیف خدا کی طرف سے اس پر عائد نہیں کی گئی ہے۔ لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا خدا ہر شخص کو اس کی وسعت و طاقت کے مطابق ہی تکلیف دیتا ہے۔

لہٰذا کسی شخص کو نبی و امام کے تصورِ توحید و پروازِ عقل کی تکلیف نہیں دی جا سکتی۔ ان کی معرفت ان کی قابلیت و استعداد کے مطابق صرف ان ہی کی ذات کے لئے مخصوص ہے۔ امت میں نہ یہ قابلیت ہے اور نہ اس کی تکلیف دی جا سکتی ہے۔ لہٰذا نبی و امام کا تصورِ توحید ہمارے تصور سے یقیناً بلند ہے جو ان ذواتِ مقدسہ کی قابلیت و صلاحیت و استعداد کے مطابق ہے۔ اور اسی لئے ہے حسنات الابرار سیئات المقربین۔ یعنی نیکوں کی نیکیاں جس درجہ پر ہیں وہ مقربین بارگاہِ احدیت کے لئے گناہ ہیں۔" یعنی ان کی نیکیاں ان کے درجہ کے مطابق ہوتی ہیں۔ نماز میں تیر نکال لیا گیا اور ان کو خبر ہی نہیں ہے۔ نماز بھی ہو رہی ہے اور زکوٰۃ بھی رکوع میں ادا ہو رہی ہے۔ لہٰذا ان کے تصورِ توحید کی تکلیف انہی کی ذات کے لئے مخصوص ہے۔ مگر پھر بھی ان حضرات نے یہ فرمایا ہے کہ ہم سے خدا کی معرفت کا حق ادا نہیں ہو سکا۔ کیونکہ خدا کی حد بندی محال ہے۔ لہٰذا حقیقت ذاتِ خدا کا تصور محال ہے۔ اسی لئے امت کو حکم ہے کہ ذات و صفاتِ خدا کی کنہہ و حقیقت میں غور نہ کرو بلکہ اس کے صنائع و بدائع میں غور کرو۔

محمدؐ و آلِ محمدؐ علیہم السّلام کا تصوّرِ توحید

ہم نے خدا کی معرفت بطریق برہانِ انی حاصل کی ہے۔ یعنی ہم نے اثر کو دیکھ کر موثر کو پہچانا ہے اور مصنوع کے ذریعہ صانع کی شناخت کی ہے۔ اور مخلوق کے مشاہدہ سے خالق کی معرفت حاصل کی ہے اور معلول کو دیکھ کر علت کو پہچانا ہے۔ ہم نے ارض و سماء، شمس و قمر، بحر و بر دیکھے اور اُن کے ذریعہ سے ان کے خالق کی معرفت حاصل کی ہے۔ مگر اس کا کیا ثبوت ہے کہ ان کا خالق بلا واسطہ و بلا ذریعہ یعنی براہِ راست خدا ہے جبکہ یہ ممکن ہے کہ اس ذاتِ قدیر نے اوّلاً ایک ایسی ہستی کو پیدا کر دیا ہو کہ وہ دیگر مخلوقات کے خلق کا ذریعہ قرار پائی ہو۔ کیونکہ کلامِ معصومین علیہم السّلام بلکہ قرآن مجید میں غیر خدا کی طرف خلق و رزق و اماتت و احیاء کی نسبت ثابت ہے جیسا کہ آئندہ بیان ہوگا۔

لہٰذا ہمارا تصورِ توحید معلول کے ذریعہ علت کا تصور ہے۔ مخلوق کے ذریعہ خالق کا تصور ہے۔ اثر

کے ذریعہ مؤثر کا تصور رہے۔ مگر محمدؐ و آل محمدؐ علیہم السلام کی خلقت اولیٰ پر نظر کرتے ہوئے تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ان کا تصور توحید و معرفت کسی غیر خدا کے ذریعہ نہیں ہے۔ کیونکہ جو بھی اول مخلوق ہوگا اس سے پیشتر کوئی دُوسرا مخلوق نہ ہوگا جس کے ذریعہ مخلوق اوّل اپنے خالق کا تصور حاصل کرے۔ نہ زمین نہ آسمان نہ جنّت نہ دوزخ نہ عرش نہ فرش، نہ شمس و قمر، نہ بحر و بر، نہ عالم علوی نہ عالم سفلی، نہ عالم ملکوت، نہ عالم لاہوت نہ عالم ناسوت، کوئی عالم نہیں ہے۔ صرف ایک خالق ہے اور یہ پہلا مخلوق ہے۔ پھر اس اول مخلوق نے کس ذریعہ سے خدا کو پہچانا، اور اس کے لئے دلیل معرفت خدا کیا چیز تھی جبکہ اس کے سوا کوئی غیر خدا نہیں ہے۔

جناب امیر المومنین علیہ السلام کے ارشاد کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ حضرت کا ارشاد ہے: یامن دلّ علےٰ ذاتہ بذاتہ۔ یعنی اے وُہ ہستی جس نے اپنی ذات کی رہنمائی کی اپنی ہی ذات کے ذریعہ"۔

اور ارشادات معصومین علیہم السلام میں یہ تخصیص بھی ثابت ہے کہ خدا کی معرفت صرف ہمارے ہی ذریعہ سے ہوئی ہے جیسا کہ کلام حضرات معصومین علیہم السلام میں ہے: بنا عُرِفَ اللہ۔ یعنی ہمارے ہی ذریعے سے خدا کی معرفت ہوئی ہے"۔ یعنی تمام کائنات کی معرفت کا سلسلہ ہماری ذات تک منتہی ہوتا ہے اور ہماری معرفت بلا وسیلۂ غیر ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں آیۃ انا النحن المسبحون وانا النحن الصافون۔ ہمارے مقصد کی دلیل واضح ہے۔ اب جس مومن کا ایمان اس درجہ پر فائز ہو اس کے بار کو ایک مولوی پر لاد دیا جائے جو محمدؐ و آل محمدؐ علیہم السلام کو اپنی نوع سمجھتا ہو اور ان کے لئے بھی غیر خدا کو ذریعۂ معرفت سمجھتا ہو، اور خلقت اوّلیہ نوریہ کا منکر ہو یا اس کو فنا سمجھتا ہو، اور صرف بشری شکل میں دیکھ رہا ہو، اور اپنی نوع کے افراد سمجھ کر ایمان لایا ہو۔ تو ایسے مُلّا میں طاقت برداشت نہیں ہے۔ وُہ گھبرا اُٹھے گا، اور گردو پیش پر نظر کر کے شرک و کفر کے جال میں پھنس جائے گا۔ کیونکہ اس کی نظر عالم اجسام پر ہے؛ عالم انوار اور عالم ارواح کا تصور اس کی عقلی پرواز سے بالا تر ہے۔ وہ ہیاکل بشریہ کو دیکھتا ہے مگر ارواح طیبہ سے غافل ہے۔ اس کو یہ معلوم ہی نہیں ہے کہ محمدؐ و آل محمدؐ صرف ہیاکل بشریہ کا نام نہیں ہے۔ اور وُہ بے چارہ آدمؑ کی پیدائش سے پیشتر کی خلقت کا متکلم ہی نہیں رہا ہے۔

اس کو یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ بشری شکل میں ان ذوات مقدسہ کو صرف ہماری ہدایت کی غرض سے مبعوث کیا گیا ہے کہ ہم مانوس ہو سکیں اور فیوض و برکات حاصل کر سکیں۔ اگر خدا فرشتہ کو بھی بھیجتا تو اسی شکلِ بشری میں، اسی صورت و ہیکل میں بھیجتا۔ لیکن جن انوار طیبہ اور ارواح قدسیہ کے ذریعہ یہ حضرات مبدءِ فیض سے یعنی ذات واجب الوجود سے خود فیوض و برکات حاصل کرتے ہیں اس پر غور کرنے سے اس کی نظر قاصر ہے۔ وُہ ایک جنبہ کو دیکھتا ہے اور دُوسرے کو نہیں دیکھتا جن کے مجموعہ کے بعد

ان کی نوع جداگانہ ہے۔

اور اس کو یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ ان کی ولادت اور اجسام طاہرہ کے انتظامات جداگانہ ہیں۔ اور ان اجسام کے لئے مواد بھی جُداگانہ ہیں جن سے ان کے اجسام کی بنیاد پڑتی ہے۔

جیسا کہ ان ذواتِ قدسیہ کے ارشادات سے ثابت ہے۔

درحقیقت نہ تو معترض نے کلامِ معصومینؑ ہی کو سمجھا ہے اور نہ نوع کے معنی ہی کو جانا ہے۔ کلامِ معصوم صعب و مستصعب ہے بذاتہ مشکل ہے اور اس کا سمجھنا بھی مشکل ہے۔ ہر شخص اس کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ اس کی نظر فرزندِ عبداللہ اور پسرِ آمنہ پر ہے مگر خلقتِ نورانیہ کو نظر انداز کر چکا ہے جو آدمؑ کی پیدائش کا سبب ہے۔

اس شخص سے کوئی پوچھے کہ جب غرض خلقتِ محمدؐ و آلِ محمدؐ علیہم السلام ہی جداگانہ ہے تو پھر تیری اور ان حضرات کی نوع کس طرح ایک ہو سکتی ہے؟ تو پیدا ہوا ہے معرفتِ خدا حاصل کرنے اور طریقِ عبادت سیکھنے کے لئے؛ اور وہ پیدا ہوئے ہیں معرفتِ خدا کا درس دینے اور عبادت سکھانے کے لئے۔ تجھ میں ہدایت لینے کی قابلیت دی گئی ہے اور ان حضرات کو ہدایت دینے کی صلاحیت عطا ہوئی ہے۔ تو اپنی غرضِ خلقت کے مطابق پیدا کیا گیا ہے اور وہ اپنی غرضِ خلقت کے مطابق۔ اگر دونوں کی غرضِ خلقت ایک ہے تو پھر خدا سے شکوہ کیوں نہیں کرتا کہ اُس نے تجھے نبی کیوں نہ بنایا، یا امامت کا درجہ کیوں نہیں دیا۔ جبکہ تیری اور ان کی نوع ایک ہے۔ تجھ پر کیوں ظلم کیا گیا کہ تجھے درجۂ نبوت و امامت سے محروم کر دیا گیا۔ کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ خدا نے تجھے اور محمدؐ و آلِ محمدؐ علیہم السلام کو یکساں پیدا کیا پھر تجربہ حاصل کر کے ان کو نبی اور تجھے امت، ان کو امام اور تجھے ماموم بنا دیا۔

یا وہ ذاتِ احدیت پیدائش سے پہلے غرضِ خلقت کی عالم ہے اور اسی کے مطابق بنایا ہے جو نبی ہے وہ پیدائش ہی میں نبی ہے۔ جو امام ہے وہ پیدائش ہی میں امام ہے۔ اور اظہارِ نبوت و امامت مطابقِ مصلحت وقت و ماحول ہوتا ہے۔ کیا تو بھی بشر مع النبوۃ یا بشر مع الامامت پیدا کیا گیا ہے؟ اگر ایسا نہیں ہے اور ہرگز نہیں ہے، تو پھر محمدؐ و آلِ محمدؐ علیہم السلام کو اپنی نوع میں کیوں داخل کرتا ہے۔

نتیجۂ کلام

جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ ذات و صفات خدا کی حد بندی محال ہے اور ہر شخص اپنی عقل کے مطابق اس کی معرفت رکھتا ہے۔ اور وہ اس لئے موحد ہے کہ اپنے تصوّرِ توحید میں کسی کو شریک نہیں کرتا ہے اور نہ اس جیسا کسی کو قرار دیتا ہے۔ لہٰذا وہ کفر و شرک سے محفوظ ہے۔ مگر یہ تصوّرِ توحید اس کی عقل کی حد ہے، ذات و صفاتِ خدا کی حد نہیں ہے۔

محمد و آل محمد علیہم السلام کے تمام کمالات عطیۂ خدا ہیں، اور زائد بر ذات ہیں۔ خدا نے سب سے پہلے ان کا وجودِ نوری خلق کیا اور ان ہی کو اپنے تمام کمالات کا مظہر بنایا تاکہ یہ ذواتِ مقدسہ خدا کے کمالاتِ ذاتیہ کی معرفت کا ذریعہ قرار پائیں اور ان ہی کے ذریعہ معرفتِ خدا حاصل ہو، خدا کے علم کا اظہار ان کے علم کے ذریعہ اور خدا کی قدرت کا اظہار ان کی قدرت کے ذریعہ ہو، اور خدا کے صفاتِ فعل کی معرفت ان کے افعال کے ذریعہ نمایاں ہو۔

یعنی ان حضرات کے کمالات کے ذریعہ خدا کے کمالات کی عظمت کا علم ہو سکے۔ اور یہ حضرات اپنے کمالات ظاہر کر کے اپنی عبدیت اور اپنی احتیاج الی اللہ اور اپنا فقر الی اللہ دکھا کر شانِ معبود کی جلالت و عظمت کا تصور کرائیں۔ جو مومن اس ایمانی درجہ پر فائز ہو گا، وہ مومن برحق مومن ہو گا۔ اور جو مُلّا ایسے مومن کے لئے کفر و شرک کے شبہ کا اظہار کرے وہ کفر و شرک کی حدوں سے جاہل اور درجاتِ ایمان سے غافل ہے۔

(اقتباس از پمفلٹ معرفت محمد و آل محمد)

ضروری ہدایات و اصطلاحات

مسائلِ عقائد و ایمان سمجھنے کے لئے بعض ضروری اصطلاحات کو پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔ لہٰذا ہم مختصر طور پر بطور مقدمہ ان اصطلاحات کو پیش کرتے ہیں تاکہ مؤلف صاحب کم علم شیعوں کو جو درحقیقت یتیمانِ آل محمدؑ ہیں گمراہ نہ کر سکیں اور نہ ان کے قلوب میں شکوک و شبہات پیدا کر سکیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

علم۔ جو صورت انسان کی عقل میں ہوتی ہے اس کو نوعِ انسان کے لئے علم کہا جاتا ہے۔ خداوند عالم کے لئے یہ معنی درست نہیں ہیں اور نہ اس کو اس معنی کے لحاظ سے عالم کہنا چاہئے۔ بلکہ ہمارے لئے جس قدر صفات کمال ثابت ہیں اور ہم ان کی حقیقت و ماہیت کو جس قدر جانتے ہیں وہ ہمارے ہی لئے مخصوص ہیں۔ خدا کی حقیقت و کنہہ جس طرح ہمارے عقول و اوہام سے بالا تر ہے۔ اسی طرح اس کی کسی صفت کی حقیقت اور کنہہ بھی ہمارے ادراک سے بالا تر ہے۔ کیونکہ اس کے صفات غیر ذات نہیں ہیں بلکہ ہم ان صفات کو آثار ذات کے لحاظ سے صفات کا نام دیتے ہیں۔

یعنی جب ہم آثارِ علم دیکھتے ہیں تو اس کو عالم کہتے ہیں۔ اور جب آثارِ قدرت دیکھتے ہیں تو اس کو قادر کہتے ہیں۔ اور جب آثارِ حکمت دیکھتے ہیں تو حکیم کہتے ہیں۔ اور اسی طرح آثارِ خلق دیکھ کر خالق، آثارِ رزق دیکھ کر رازق، آثارِ احیاء دیکھ کر محی اور آثارِ اماتت دیکھ کر ممیت کہتے ہیں۔ اسی طرح تمام دیگر صفات کو سمجھ لیجئے۔

لیکن یہ بھی یاد رکھئے کہ اس کے لئے کسی صفت کی حقیقت کا تعین نہیں کیا جا سکتا یعنی ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس کے علم کی حقیقت ہماری طرح "کسی صورت کا عقل میں آنا" ہے۔ اور نہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ کسی شے کا

اس کے سامنے حاضر ہوتا ہے۔ کیونکہ وُہ جس طرح موجودات کا عالم ہے اسی طرح معدومات کا بھی عالم ہے۔
اور ہم اس کے لئے شہود و حضور کی حقیقت بھی نہیں جانتے ہیں۔ بلکہ یہ تمام صفات چونکہ کمال کہلاتے ہیں اور خداوند عالم کامل بالذات ہے اس میں کوئی نقص نہیں ہے۔ اس لئے ہم ان کمالات کے ساتھ اس کو موصوف کرتے ہیں۔ اور یہ اتصاف بھی تفہیم و تفہم اور بیان کے لئے ہوتا ہے۔ ورنہ ہم اس کی کسی بھی صفت کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے۔ بلکہ جو کچھ ہم اپنے لئے کمال سمجھتے ہیں یا کمال مطلق کا تصوّر کرتے ہیں وُہ کمال ہم اس کی ذات میں صرف اس لئے تجویز کر لیتے ہیں کہ وُہ نقص و عیب سے منزّہ و مبرّا ہے۔
جس طرح امام محمد باقر علیہ السّلام نے فرمایا ہے کہ جو کچھ ہم لوگ اپنی عقل میں تصوّر توحید معیّن کرتے ہیں یہ ہماری عقل کی حد ہے۔ خدا کی حد نہیں ہے۔ کیونکہ ایک چیونٹی یہ سمجھتی ہے کہ خدا کے لئے بھی ڈنگ ہوگا کیونکہ چیونٹی کا کمال اس کا ڈنگ ہے اور وُہ خدا کو ہر کمال کے ساتھ متصف جانتی ہے کیونکہ اس کی ذات میں کسی نقص کو قبول نہیں کرتی۔
اسی طرح ہم لوگ جن صفات کو کمال سمجھتے ہیں خداوند عالم کے لئے ان کمالات کو ضروری طور پر اس لئے ثابت کرتے ہیں کہ وُہ ناقص نہیں ہے اور اس میں کسی کمال کی کمی نہیں ہے۔ اور وُہ ہر عیب سے منزّہ ہے۔
علماء کرام نے خدا کے لئے صفات ثبوتیہ اور صفات سلبیہ صرف سمجھنے اور سمجھانے کے لئے بیان کئے ہیں۔ ورنہ کسی صفت کا اس کی ذات کے لئے ثابت کرنا اور اس کی حقیقت و کنہہ کو سمجھنا اسی طرح محال ہے جس طرح اس کی ذات کی حقیقت و کنہہ کو سمجھنا۔ علماء محققین نے صفات ثبوتیہ کو سلبیہ قرار دیا ہے یعنی عالم کے معنی یہ ہیں کہ وُہ جاہل نہیں ہے قادر کے معنی یہ ہیں کہ وُہ عاجز نہیں ہے یعنی نقص و عیب کو اس سے دُور سمجھنا ہی اس کی صفت ہے۔ کیونکہ جس چیز کی حقیقت کا علم نہ ہو اس کو ثابت کرنا اس کی ذات کے لئے درست نہیں لہٰذا نقص و عیب کو دُور سمجھنا ہی صحیح ہے۔

اسمائے خدا وسیلۂ معرفتِ خدا ہیں

ابوہاشم جعفری کہتے ہیں کہ میں حضرت امام محمد تقی علیہ السّلام کی خدمت میں حاضر ہُوا تھا کہ ایک شخص نے آپ سے یہ سوال کیا کہ مولا ہمیں بتائیے کہ کیا خدا کے لئے اس کی کتاب میں اسماء اور صفات ہیں اور کیا یہ "اسماء و صفات" اور خدا ایک ہی چیز ہیں؟ حضرت ابوجعفر علیہ السّلام (امام محمد تقی علیہ السّلام) نے فرمایا کہ تمہارے اس کلام کی دو صورتیں ہیں:
اگر تم یہ کہو کہ یہ صفات و اسماء اپنی تعداد و کثرت کے ساتھ ہی خدا ہیں، تو خداوند تبارک و تعالیٰ اس سے بلند و برتر ہے کہ اس میں تعدد و کثرت ہو۔

اور اگر تم یہ کہو کہ یہ سب اسماء وصفات خدا نہیں ہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ہمیشہ سے ہیں، تو اس کی بھی دو صورتیں ہیں۔

پہلی صورت یہ ہے کہ تم یہ کہو کہ یہ سب اس کے علم میں ہیں اور وہ ان کا اہل ہے؛ تو یہ بات صحیح و درست ہے۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ تم یہ کہو کہ یہ اسماء وصفات اپنی صورت اور اپنی ہجی اور حروف کی تقطیع سمیت اس کی ذات کے ساتھ ہیں؛ تو معاذاللہ کوئی شے بھی اس کی غیر اس کے ساتھ نہیں ہو سکتی۔

بلکہ خدا تھا۔ اور کوئی شے مخلوق نہ تھی۔ پھر اس نے ان اسماء وصفات کو پیدا کیا: تاکہ ان کے ذریعہ سے اس کو پکارا جائے اور ان کے ذریعہ سے اس کی طرف رجوع کیا جائے اور ان کے ذریعہ سے اُس کی عبادت کی جائے۔ لہٰذا یہ تمام اسماء وصفات اس کا ذکر ہیں۔ اور خدا تھا۔ مگر ذکر کا وجود نہ تھا۔ اور وہ ہستی جس کا ذکر کیا جاتا ہے خود قدیم ازلی ہے؛ اور یہ اسماء وصفات مخلوق ہیں۔ اور ان کے وسیلہ سے جس ہستی کو پکارا جاتا ہے وہ مقصود و معنی "خدا" ہے۔ اس کی ذات کے لئے نہ جُدا جُدا کوئی چیز ہے اور نہ ملی ہوئی کوئی چیز ہے۔ کیونکہ جُدا جُدا کسی چیز کا ہونا اور پھر ان کو ملا کر ایک بنانا صاحب اجزاء کے لئے ہوتا ہے اور اس ذات کے لئے اجزا نہیں ہیں۔ اور نہ اس کے لئے قلیل اور کثیر کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے (یعنی صفات اور اسماء کے لئے تعداد ہے۔ مگر اس کی ذات کے لئے تعداد نہیں ہے کہ قلیل وکثیر کہا جائے) بلکہ وہ قدیم فی ذاتہ ہے۔ اور جو کچھ اس واحد و یکتا کے سوا ہے اس میں اجزاء کا تصور ہے۔ وہ صاحب اجزا ہے اور خدا واحد و یکتا غیر متجزّی ہے (یعنی اس کے لئے اجزاء کا تصور ہی محال ہے)، نہ اس کی ذات میں قلت وکثرت کا تصور ہو سکتا ہے۔ اور جس چیز کے لئے اجزاء ہوں اور اس کے لئے قلت وکثرت کا تصور ہو سکے تو وہ مخلوق ہوگی اور وہ اپنے لئے ایک خالق کا وجود ظاہر کرے گی۔ اسماء وصفات اپنے اجزاء اور اپنی قلت وکثرت یعنی تعداد کی وجہ سے مخلوق ہیں۔

لہٰذا تمہارا یہ کہنا کہ خدا قدیر ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ تم یہ بتا رہے ہو کہ وہ کسی شئے سے عاجز نہیں ہے۔ یعنی تم لفظ قدیر کے ذریعہ اس کی ذات سے عجز (عاجز ہونے) کی نفی کر رہے ہو۔ اور اس کے علاوہ دیگر اشیاء کے لئے عاجزی ثابت کر رہے ہو۔

اور اسی طرح جب تم یہ کہتے ہو کہ خدا عالم ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ تم بتا رہے ہو کہ وہ کسی شئے سے جاہل نہیں ہے۔ یعنی لفظ عالم کے ذریعہ اس کی ذات سے جہالت کی نفی کر رہے ہو۔ اور اس کے علاوہ دیگر اشیاء کے لئے جہالت ثابت کر رہے ہو۔

پس جب خدا اشیاء کو فنا کر دے گا تو ان اسماء وصفات کی صورتیں اور ہجی اور تقطیع حروف بھی فنا ہو جائے گی۔ (نہ ع۔ ا۔ ل۔ م رہے گا۔ نہ ق۔ د۔ ی۔ ر۔ رہے گا)، اور جب یہ فنا ہو جائیں گے تو وہ ہستی

جو ہمیشہ سے ہے۔ لفظ عالم کے ساتھ موصوف نہ رہے گی۔ لہٰذا یہ تمام صفات و اسماء مخلوق ہیں اور صرف اُس کی معرفت کا وسیلہ ہیں جن کو خود اس کی ذات نے پیدا کیا ہے۔

(جس طرح یہ اسماء اس کی ذات کی معرفت پر دلالت کرتے ہیں اسی طرح محمد و آل محمد علیہم السّلام بھی اس کی ذات کی معرفت پر دلالت کرتے ہیں۔ کیونکہ دلالت جس طرح لفظی ہوتی ہے اسی طرح دلالت وجودی بھی ہوتی ہے۔ اور اسی لئے محمد و آلِ محمد علیہم السّلام "اسماء اللہ بلحاظِ وجود" ہیں۔ اور چونکہ یہی حضرات اوّل المخلوقات ہیں لہٰذا یہی سب سے افضل و اعلیٰ اسماءِ حسنیٰ ہیں، ان ہی کے ذریعہ تمام عالمین کو معرفتِ خدا حاصل ہوتی ہے؛ اور یہی مقصد ہے بنا عُرِفَ اللّٰہ کا)

امام محمد تقی علیہ السّلام سے پھر اس شخص نے عرض کی یا مولا جب عالم کا مطلب نفیٔ جہل اور قدیر کا مطلب نفیٔ عجز ہے تو ہم خدا کو سمیع کس طرح کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جو چیزیں سماعت کے ذریعہ حاصل ہوتی ہیں وُہ اس سے مخفی نہیں ہیں۔ اور اسی طرح بصیر کے یہ معنی ہیں کہ جو چیزیں بصارت کے ذریعہ حاصل ہوتی ہیں وُہ اس سے مخفی نہیں ہیں۔ الخ

امام محمد تقی علیہ السّلام نے سوالب صفات کے ذریعہ معرفتِ خدا حاصل کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ کیونکہ صفاتِ ثبوتیہ میں کسی بھی صفت کی حقیقت و کنہہ کا معلوم کرنا محال ہے لہٰذا تمام صفاتِ ثبوتیہ کو سمجھنے کے لئے اس کے اضداد کی نفی کر دو اور اس طرح نفی صفات کو ذریعۂ معرفت قرار دو۔ یعنی ہر نقص و عیب کو اس کی ذات سے جُدا کرتے جاؤ تاکہ اتنا سمجھ سکو کہ وُہ ہستی ہے اور ہماری طرح نہیں ہے۔ دو چیزوں کی نفی کرو۔ حدّ الابطال وحدّ التشبیہ۔ جیسا کہ حضرت امام محمد تقی علیہ السّلام سے سوال کیا گیا کہ مولا کیا یہ درُست ہے کہ ہم خدا کو "شئے" کہیں تو حضرت نے فرمایا کہ ہاں جائز ہے۔ مگر یخرجہ من الحدین حد الابطال وحد التشبیہ۔ (احتجاج طبرسی ۲۲۹ و ۲۲۷)

یعنی اس کے عدم کی نفی کرو اور اس کی تشبیہہ کی بھی نفی کرو۔ مقصد یہ ہے کہ اس کا وجود تسلیم کرو۔ مگر مخلوق کے ساتھ تشبیہہ نہ دو۔ یعنی "وُہ ہے مگر مخلوق کے مانند نہیں"۔

حضرت امام رضا علیہ السّلام سے ایک زندیق نے دریافت کیا کہ کیا خدا کے لئے "شئ" کا لفظ جائز ہے؟ آپ نے فرمایا خود خدا نے اپنی ذات کے لئے اپنی کتاب میں ارشاد فرمایا ہے:

قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَکْبَرُ شَھَادَۃً قُلِ اللّٰہُ شَہِیْدٌ فَھُوَ شَیْءٌ لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ

یعنی اے رسولؐ دریافت کرو کہ کونسی شئے شہادت و گواہی کے اعتبار سے اکبر ہے۔ تم خود کہہ دو کہ اللہ گواہ ہے اور وُہ ایسی شے ہے کہ اس کے مثل کوئی شے نہیں ہے۔" یہ آیت سورہ انعام پارہ ۷، رکوع ۵ میں ہے۔

ہم آخر میں ایک عظیم الشان خطبۂ توحید حضرت امام رضا علیہ السّلام پیش کرنے کی سعادت حاصل

کہتے ہیں جس کے بعد مسئلہ توحید کو سمجھنے کے لئے مزید کسی چیز کی ضرورت باقی نہ رہے گی۔

خطبہ حضرت رضا علیہ السّلام درباب توحید

اوّل عبادۃ اللہ معرفتہ واصل معرفۃ اللہ توحیدہ وتمام توحیدہ نفی الصفات عنہ لشہادۃ العقول ان کل صفۃ وموصوف مخلوق وشہادۃ کل مخلوق ان لہ خالقا لیس بصفۃ ولا موصوف وشہادۃ کل صفۃ وموصوف بالاقتران وشہادۃ الاقتران بالحدث وشہادۃ الحدث بالامتناع من الازل الممتنع من الحدث فلیس اللہ عرف من عرف ذاتہ بالتشبیہ ولا ایاہ وحدہ من اکنہہ ولا حقیقتہ اصاب من مثلہ ولا بہ صدق من نہاہ ولا صمد صمدہ من اشار الیہ ولا ایاہ عنی من شبہہ ولا لہ تذلل من نقصہ ولا ایاہ اراد من توھمہ کل معروف بنفسہ مصنوع وکل قائم سواہ معلول بصنع اللہ یستدل علیہ وبالعقول تعتقد معرفتہ وبالفطرۃ تثبت حجتہ خلق اللہ الخلق حجابا بینہ وبینہم ومفارقتہ ایاھم مباینتہ بینہ وبینہم وابتداءہ ایاھم دلیل علی ان لا ابتداء لہ لعجز کل مبتدء عن ابتداء غیرہ وادواتہ ایاھم دلیل علی ان لا اداۃ فیہ لشہادۃ الادوات بفاقۃ المادین فاسماءہ تعبیر وافعالہ تفھیم وذاتہ حقیقۃ وکنہہ تفریق بینہ وبین من خلقہ وغیورہ تحدید لما سواہ فقد جہل اللہ من استوصفہ وقد تعداہ من استمثلہ وقد اخطاہ من اکتنہہ ومن قال کیف فقد شبہہ ومن قال لم فقد عللہ ومن قال متی فقد وقتہ ومن قال فیما فقد غایاہ وعن غایاہ فقد جزاہ ومن جزاہ فقد وصفہ ومن وصفہ فقد الحد فیہ ولا یتغیر اللہ بتغیر المخلوق کما لا یتحدد بتحدید المحدود واحد لا بتاویل عدد ظاہر لا بتاویل المباشرہ متجلی لا باستھلال رویۃ باطن لا بمزایلۃ مباین لا بمسافۃ قریب لا بمداناۃ لطیف لا بتجسم موجود لا بعد عدم فاعل لا باضطرار مقدر لا بحول فکرۃ مدبر لا بحرکۃ مرید لا بھامۃ شاء لا بھمۃ مدرک لا بمجسۃ سمیع لا بالۃ بصیر لا باداۃ لا تصحبہ الاوقات ولا تضمنہ الاماکن ولا تاخذہ السنات ولا تحدہ الصفات ولا تقیدہ الادوات سبق

الادوات كونه والعدم وجوده والابتداء ازله بتشعيره المشاعر عرف
ان لا مشعر له وبتجهيره الجواهر عرف ان لا جوهر له بمضادته بين الاشياء
عرف ان لا ضد له وبمقارنته بين الامور عرف ان لا قرين له ضاد النور
بالظلمة والجلاية بالبهمة والجسو بالبلل والصرد بالحرور مولف بين
متعادياتها مفرق بين متدانيها دالة بتفريقها على مفرقها وبتاليفها
على مؤلفها ذلك قوله عزوجل ومن كل شئ خلقنا زوجين لعلكم تذكرون
ففرق بين قبل و بعد ليعلم ان لا قبل له ولا بعد شاهدة بغرائزها ان لا
غريزة لمغرزها دالة بتفاوتها ان لا تفاوت لمفاوتها مخبرة بتوقيتها
ان لا وقت لموقتها حجب بعضها عن بعض ليعلم ان لا حجاب بينه و
بينها الا معنى الربوبية اذ لا مربوب وحقيقة حق الالهية اذ لا مالوه و
معنى العالم اذ لا معلوم ومعنى الخالق اذ لا مخلوق وتاويل السمع اذ لا مسموع
ليس منذ خلق استحق معنى الخالق ولا باحداثه البرايا استفاد معنى
البارئية كيف ولا يغيبه مذ ولا يدنيه قد ولا يحجبه لعل ولا يوقته متى
ولا يشمله حين ولا يقارنه مع انما تحد الادوات انفسها وتشير الآلات
الى نظائرها وفى الاشياء توجد فعالها منعتها منذ القدمة وحمتها قد
الازلية وجنبتها لولا التكملة افترقت فدلت على مفرقها وباينت
فاعربت عن مباينها بها تجلى صانعها للعقول وبها احتجب على
الروية واليها تحاكم الاوهام وفيها اثبت غيره ومنها انيط الدليل
وبها عرف الاقرار وبالعقول يعتقد التصديق بالله وبالاقرار يكمل
الايمان به لا ديانة الا بعد معرفته ولا معرفة الا بالاخلاص ولا اخلاص
مع التشبيه ولا نفى مع اثبات الصفات بالتشبيه وكل ما خلق لا يوجد
فى خالقه وكل ما يمكن فيه يمتنع فى صانعه ولا يجرى عليه الحركة و
السكون وكيف يجرى عليه ماهو اجراه ويعود فيه ماهو ابتدءه اذا
لتفاوتت ذاته ولتجزى كنهه ولامتنع عن الازل معناه ولما كان
للبارى معنى غير المبروء ولو وجد له وراء وجد له امام ولالتمس التمام
اذا لزمه النقصان وكيف يستحق الازل من لا يمتنع من الحدث ام كيف
ينشى الاشياء من لا يمتنع من الاشياء اذا لقامت عليه اية المصنوع

ولتحول دیلا بعد ما کان مد لولا علیہ لیس فی محال العقول حجتہ ولا فی المسئلۃ عنہ جواب ولا فی معناہ التعظیم ولا فی ابانتہ عن الحق ضیم الا بامتناع الازلی ان یثنی ولما یدیٔ لا الٰہ الا اللہ العلی العظیم کذب العادلون باللہ وضلوا ضلالا بعیدا۔ وخسروا خسرانا مبینا وصلی اللہ علی محمد وآلہ الطاہرین (احتجاج طبرسی ص۲)

حضرت امام رضا علیہ السلام نے یہ خطبۂ توحید اس وقت ارشاد فرمایا ہے جب مامون آپ کو ولیعہد بنانا چاہتا تھا۔ اور اس وقت اس کے اعزا و اقرباء مخالفت کر رہے تھے اور (معاذ اللہ) حضرت میں عدم قابلیت کا اظہار کر رہے تھے تو آپ کو مامون نے بلوایا۔ آپ تشریف لائے اور اس کے رشتہ داروں نے حضرت سے کہا کہ ہم چاہتے ہیں آپ منبر پر تشریف لے جائیے اور خدا کی ایسی معرفت بیان کیجئے کہ جس کے ذریعہ ہم اس کی عبادت کریں۔ حضرت نے بالائے منبر تشریف لے جا کر کچھ توقف فرما کر سر خمیدہ ہو کر پھر سر بلند فرما کر حمد و ثنائے الٰہی اور درود و سلام کے بعد ارشاد فرمایا:۔

اوّل بندگیٔ خدا اس کی معرفت ہے۔ اور اصل معرفتِ خدا توحید ہے۔ اور کمالِ توحید نفیٔ صفاتِ خدا ہے۔ کیونکہ عقل گواہ ہے کہ ہر صفت و موصوف مخلوق ہے اور ہر مخلوق گواہ ہے کہ اس کا کوئی خالق ہے جو نہ موصوف ہے نہ صفت۔ اور ہر صفت و موصوف گواہ ہیں کہ ان میں باہمی تعلق یعنی ہمنشینی ہے۔ اور یہ ہمنشینی گواہ ہے کہ یہ دونوں حادث ہیں۔ اور حدوث گواہ ہے کہ ان میں وہ قدامت نہیں ہے کہ جس کے لئے حدوث محال ہے۔ پس جس شخص نے بذریعہ تشبیہہ خدا کو پہچانا ہے درحقیقت اس نے خدا کو پہچانا ہی نہیں ہے، اور جس نے اُس کے لئے ماہیت قرار دی ہے اُس نے خدا کو یکتا مانا ہی نہیں ہے۔ اور جس نے اُس کی مثال دی ہے وہ خدا کی حقیقت تک پہنچا ہی نہیں ہے۔ اور جس نے اُس کی حد و نہایت قرار دی ہے اُس نے خدا کی تصدیق ہی نہیں کی ہے۔ اور جس نے اس کے لئے مکان قرار دیا ہے اس نے خدا کی بلندی و برتری کو قبول ہی نہیں کیا ہے۔ اور جس نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے اس نے خدا کی بے نیازی کو سمجھا ہی نہیں ہے۔ (اگر صمد کے بجائے قصد ہے تو یہ معنی ہوں گے کہ "جس نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے اس نے خدا کا قصد و ارادہ ہی نہیں کیا ہے") اور جو خدا کی تشبیہہ مانتا ہے اس نے خدا کو اپنا مقصود ہی نہیں بنایا۔ اور جس نے اس میں کوئی نقص مانا ہے تو اس نے خدا کے سامنے سر ہی نہیں جھکایا ہے۔ اور جس نے اپنے وہم و خیال میں اس کو محدود کر لیا ہے اس نے خدا کا ارادہ ہی نہیں کیا ہے۔

ہر وُہ چیز جو اپنے وجود سے پہچانی جائے وُہ مصنوع خدا ہے۔ اور جو چیز بھی بنفسِ خود قائم نہ ہو وہ معلول ہے (اور خدا اس کی علت ہے)، خدا کی صفتوں سے اس کے وجود پر استدلال کیا جاتا ہے۔ اور اس کی معرفت کا اعتقاد عقول کے ذریعہ ہوتا ہے۔ اور فطرتِ خالص کے ذریعہ اس کے وجود کی دلیل ثابت ہوتی ہے۔ خداوند عالم کا مخلوقات کو پیدا کرنا ہی ایک حجاب ہے اس کے اور ان کے درمیان میں کہ یہ اس کو عقل و وہم میں نہیں پا سکتے اور اس کا ان کو جدا جدا پیدا کرنا ہی دلیل ہے کہ وُہ ان سے جدا ہے۔ اور خدا کا ان کو ابتداءً پیدا کرنا ہی دلیل ہے کہ اُس کے لئے ابتدا نہیں ہے۔ کیونکہ ہر وُہ شئے جس کی ابتداء کی گئی ہو وُہ اس بات سے عاجز ہے کہ وُہ کسی دُوسرے کی ابتداء کرے لہٰذا اس کے لئے ابتداء نہیں ہے۔ اور اشیاء کو آلات کار عطا کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کی ذات کے لئے آلات نہیں ہیں۔ کیونکہ آلات گواہ ہیں کہ صاحب مادہ آلات کا محتاج ہے۔ خدا کے اسماء محض اس کی تعبیر و بیان ہیں (یعنی ان کے ذریعہ اس کو پکارا جاتا ہے)، اور اس کے افعال محض تفہیم ہیں (یعنی ان کے ذریعہ سمجھا جاتا ہے)، اور اس کی ذات خود ایک حقیقت ہے۔ اور اس کی کنہہ در حقیقت اس کی جدائی ہے اپنے مخلوقات سے۔ (یعنی اس کے اور اس کی مخلوق کے درمیان فرق ہونا ہی کنہہ ہے نہ کہ کوئی ماہیت ہے)، اور اس کا سب سے مغائر ہونا یعنی غیر ہونا یہ ہے کہ اس کے سوا ہر چیز کی حد بندی ہے اور اس کی حد بندی نہیں ہے، اس لئے وُہ سب کا غیر ہے۔ اور یا یہ معنی ہیں کہ ہر چیز جو اس کی غیر ہے وُہ اپنی حد بندی کی وجہ سے غیر خدا ہے یعنی حد بندی ہی غیریت کی دلیل ہے۔ پس جو شخص اس کے لئے وصف مقرر کرے وُہ جاہل ذات ہے۔ اور جو شخص اس کی مثال دے اس نے حد سے تجاوز کیا اور خدا پر جفا کی ہے۔ اور جو شخص اس کی کنہہ کی جستجو کرے اس نے خطا کی ہے۔ اور جو شخص یہ کہے کہ وُہ کس طرح کا ہے تو اس نے اس کے لئے مانند قرار دیا ہے۔ اور جو شخص یہ کہے کہ کیونکر ہے تو وُہ اس کے لئے علت و سبب کا قائل ہو گیا ہے۔ اور جس نے یہ کہا کہ "کب" تو اُس نے اس کے لئے وقت مقرر کر دیا ہے۔ اور جس نے یہ کہا کہ "کس میں" تو اس نے اس کے لئے ظرف مقرر کر دیا ہے۔ اور جس نے یہ کہا کہ "کب تک" تو اُس نے اس کی انتہا مقرر کر دی ہے یعنی زمانہ مقرر کر دیا ہے۔ اور جس نے کہا کہ "کہاں تک" تو اُس نے مسافت مکانی مقرر کر دی ہے۔ اور جس نے مسافت مقرر کر دی اُس نے اس کی ذات میں طول و عرض مقرر کر دیا۔ اور جس نے طول و عرض مقرر کر دیا اس نے خدا کے اجزا تسلیم کر لئے۔ اور جس نے اس کو صاحبِ اجزاء قرار دے دیا تو اس نے کسی وصف کے ساتھ

محدود کر دیا۔ اور جس نے وصف کے ساتھ تحدید کر دی اس نے خدا میں شرک قرار دے دیا (اور اب وہ مشرک ہو گیا)۔ خداوند عالم مخلوق کے تغیر سے خود متغیر نہیں ہوتا اور نہ کسی محدود چیز کی حدبندی سے وہ محدود ہوتا ہے۔ وہ احد ہے مگر نہ باعتبار عدد۔ وہ ظاہر ہے نہ باعتبار نزدیکی۔ وہ جلوہ کناں ہے مگر نہ اس اعتبار سے کہ اس کو دیکھ سکیں۔ وہ باطن ہے مگر نہ باعتبار دوری و پوشیدگی۔ وہ جدا ہے نہ باعتبار مسافت۔ وہ قریب ہے مگر نہ باعتبار صحبت۔ وہ لطیف ہے نہ اس اعتبار سے کہ وہ جسم نازک رکھتا ہے۔ وہ موجود ہے مگر نہ اس اعتبار سے کہ پہلے معدوم تھا۔ وہ فاعل ہے مگر نہ بے اختیار۔ وہ تقدیر مقرر کرنے والا ہے ہر چیز کی مگر فکر و نظر کی مدد سے نہیں۔ وہ تدبیر کرنے والا ہے ہر چیز کی مگر حرکات کے ذریعہ نہیں۔ وہ مرید ہے مگر اس اعتبار سے نہیں کہ قصد کرے۔ وہ مشیت والا ہے مگر نہ باعتبار عزم۔ وہ مدرک ہے یعنی ہر چیز کا ادراک رکھتا ہے مگر نہ باعتبار جسم کے۔ وہ سمیع ہے مگر نہ باعتبار آلہ سماعت کے۔ وہ بصیر ہے مگر نہ بذریعہ عضو کے۔ اوقات اس کے ہم صحبت نہیں۔ اور مکانات اس کے لئے ظرف نہیں۔ اس کو اونگھ نہیں آتی۔ اس کو صفات محدود نہیں کر سکتے۔ آلات اس کو فائدہ نہیں پہنچاتے۔ اس کا ہونا اوقات سے پہلے ہے اور اس کا وجود عدم سے سابق ہے اور اس کے لئے ابتدا نہیں ہے بلکہ ازلیت ہے۔ جن چیزوں کو اس نے آلہ شعور دے کر پیدا کیا ہے یہ اس امر کی دلیل ہے کہ اس کی طرف آلہ شعور کی نسبت نہیں دے سکتے۔ اور اس نے جواہر کو پیدا کیا ہے، یہ اس امر کی دلیل ہے کہ اس کی طرف جواہر کی نسبت نہیں دے سکتے۔ اور اس کا اشیاء میں ایک دوسرے کی ضد پیدا کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ اس کے لئے کوئی ضد نہیں ہے۔ اور اس کا اشیاء میں ہم نشینی پیدا کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ اس کا کوئی ہم نشین نہیں ہے۔ اس نے نور کو ظلمت کی ضد بنایا، اور آشکار کو مبہم کی ضد بنایا۔ سخت اور خشک کو نرم اور تر کی ضد بنایا، اور سردی کی گرمی کی ضد بنایا۔ وہ اشیاء متضادہ میں تالیف کرتا ہے اور اشیاء متقاربہ میں تفریق کرتا ہے۔ اس کا تفریق اشیاء کرنا دلیل ہے کہ ان اشیاء کا کوئی مفرق ہے۔ اور اس کا اشیاء میں جمع و تالیف کرنا دلیل ہے کہ اس کا کوئی مؤلف ہے۔

خداوند عالم کا فرمان ہے کہ، ہم نے ہر شئے کا جوڑا جوڑا پیدا کیا ہے تاکہ تم لوگ یاد رکھو۔ اس نے قبل اور بعد میں فرق کیا ہے۔ کچھ مخلوقات پیشتر ہیں اور کچھ پس تر ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے لئے نہ قبل ہے اور نہ بعد۔ اور اس نے اشیاء میں طبیعتیں پیدا کر کے بتا دیا ہے کہ پیدا کرنے والے میں طبیعت نہیں ہے۔ اور ان کے درمیان تفاوت

پیدا کر دینا اس امر کی دلیل ہے کہ تفاوت پیدا کرنے والے کے لئے تفاوت نہیں ہے۔ اور جس نے ان اشیاء کے لئے وقت پیدا کیا ہے یہ اس امر کی دلیل ہے کہ وقت پیدا کرنے والے کے لئے وقت نہیں ہے۔ اس نے بعض اشیاء کو بعض سے جدا رکھا ہے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ اس کے اور اُن کے درمیان حجاب نہیں ہے۔ اُس کے لئے اُس وقت معنی ربوبیت تھے جب کوئی مربوب نہ تھا۔ اور اُس کے لئے اُس وقت بھی معنی اُلوہیت تھے جبکہ کوئی خدا پرست نہ تھا کہ خدا معبود کہلاتا۔ اور اس میں معنی عالم تھے جب کوئی معلوم نہ تھا۔ اور اس میں معنی خالق تھے جب کوئی مخلوق نہ تھا۔ اور اس میں معنی سمع تھے جب کوئی مسموع نہ تھا۔ ایسا نہیں ہے کہ جب اس نے پیدا کیا تو اسم خالق کا مستحق ہوا۔ اور ایسا نہیں ہے کہ جب اُس نے کائنات کو ظاہر کیا تو باری کہلایا۔ وُہ ایسا کیسے ہو سکتا ہے جبکہ لفظ "مُذ" (جب) اس کے لئے انتہائی مُدت مقرر نہیں کر سکتا اور لفظ "قد" (تب) اس کو زمانۂ ماضی سے زمانۂ حاضر میں نہیں لا سکتا۔ اور اس کے لئے لفظ "لعل" (شاید) روک نہیں بن سکتا۔ اور اس کو لفظ "متیٰ" (کب) وقت میں محدُود نہیں کر سکتا۔ اور اس کو لفظ "حین" (اب) گھیر نہیں سکتا۔ اور اس کو لفظ "مع" (یعنی ساتھ) قریب نہیں لا سکتا۔

اور ادوات مثل اعضاء جوارح وغیرہ خود اپنی ہی حد بندی کرتے ہیں۔ اور آلات مثل حواس خمسہ یہ خود اپنے ہی امثال و نظائر کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اور افعال و کردار موجودات خود اُن ہی میں پائے جاتے ہیں نہ کہ واجب الوجود میں۔ اور چونکہ لفظ "منذ" (یعنی جب) ان اشیاء کے لئے بولا جا سکتا ہے لہٰذا ان کے لئے قدم نہیں ہو سکتا۔ اور لفظ "قد" (یعنی تب) ان کے لئے اطلاق کیا جاتا ہے لہٰذا ان کے لئے ازلیّت نہیں ہو سکتی۔ اور ان کے لئے لفظ "لولا" (یعنی اگر نہ ہوتا) درست ہے اس لئے وُہ ہر حیثیت سے کامل نہیں ہو سکتے۔ یہ اشیاء پراگندہ ہوتے ہیں اس لئے دلالت کرتے ہیں کہ ان کا پراگندہ کرنے والا ہے۔ اور یہ جدا جدا ہوتے ہیں اس لئے دلالت کرتے ہیں کہ ان کا کوئی جدا کرنے والا ہے۔ ان ہی اشیاء کے ذریعہ خداوند عالم عقول میں جلوہ گر ہُوا اور ان ہی موجودات کے ذریعہ عدم رویت بھی ثابت ہوئی۔ یعنی اگر موجودات نہ ہوتے تو خدا کی معرفت اور عدم رویت کا تصور نہ ہو سکتا۔ اور ان ہی اشیاء کے ذریعہ اوہام نے فیصلہ کیا کہ ان کا صانع ہے جو ان جیسا نہیں ہے۔ اور ان ہی موجودات سے ثابت ہُوا کہ کوئی موجُود ہے کہ جس نے ان کو موجود کیا ہے۔ اور یہ

موجودات جو غیرِ خدا ہیں، دلیل و علامت وجودِ خدا ہیں۔ اور یہ دلیل ان ہی موجودات سے ظاہر ہو جاتی ہے۔ اور ان ہی کے ذریعہ خدا کا اقرار کرنا پڑتا ہے اور عقول کے ذریعہ خدا کی تصدیق کرنا پڑتی ہے۔ اور اس اقرار کے بعد ایمان مکمل ہوتا ہے۔ دین ممکن نہیں ہے جب تک اس کی معرفت نہ ہو۔ اور معرفت ممکن نہیں جب تک اخلاص نہ ہو۔ اور اخلاص ممکن نہیں ہے جب تک ہر شئے سے جدا نہ سمجھا جائے۔ کیونکہ مثل و مانند کے ساتھ اخلاص نہیں ہو سکتا۔ اور جب صفات کو اُس کے لئے ثابت کیا جائے گا مثالیں دے کر تو پھر مانند و مثل کی نفی نہیں ہو سکتی۔ اور پھر اخلاص نہیں ہو سکتا۔ اور ہر وُہ چیز جو مخلوقات میں ہے وُہ خالق میں نہیں ہو سکتی۔ اور جو چیزیں مخلوق کے لئے ممکن ہیں وُہ خالق کے لئے محال ہیں۔ اس پر حرکت و سکون جاری نہیں ہو سکتے۔ اور وُہ چیز اس پر کس طرح جاری ہو سکتی ہے جس کو خود اس نے ہی جاری کیا ہے؟ اور وُہ چیزیں جن کو اس نے خود ایجاد کیا ہے اس میں کس طرح عود کر سکتی ہیں۔

اور اگر ایسا ہو تو پھر اس کی ذات میں جُدا جُدا اجزا ثابت ہو جائیں گے اور پھر اس میں معنے ازلیت باقی نہیں رہ سکتے، اور پھر خدا کا تصور ہی نہیں ہو سکتا سوائے اس کی مخلوق کے تصور کے۔ اور اگر اس کے لئے پیچھا تجویز کیا جائے، تو پھر آگا بھی تجویز کیا جائے گا۔ اور اگر اس کے لئے معنیٰ "تمام" یعنی پُورا پُورا تجویز ہوں تو معنیٰ نقص یعنی کمی بھی تجویز ہوں گے اور پھر کس طرح اس کی ازلیت ثابت ہو گی جس کا حدوث محال نہ ہو۔ اور کس طرح وُہ اشیاء کو ایجاد کر سکتا ہے جب تک کہ اس کے لئے خود ایجاد شدہ ہونا محال نہ ہو۔ اور اگر وُہ ایجاد شدہ ہو گا تو یہی دلیل ہو گی اس کے مصنوع ہونے کی؛ اور اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ وُہ پہلے اشیاء کا مدلول تھا، اور یہ اشیاء اس کے وجود کی دلیل تھے اور اب اس صورت میں وُہ مدلول خود دلیل بن جائے گا۔ کسی اور صانع کی اور خدا کی کنہہ تک پہنچنے کے لئے کوئی گفتگو نہیں ہو سکتی اور اس سوال کا کوئی جواب نہیں ہو سکتا اور خدا کے لئے ایسا ارادہ کرنا اس کی تعظیم نہیں ہے۔ یعنی اس کی حقیقت و کنہہ کی گفتگو کرنا خلافِ تعظیمِ خدا ہے۔ اور خداوند عالم کو واجب الوجود تسلیم کرنا، اور اس کے غیر کو حادث قرار دینا، اور اس کو خالق اور اس کے غیر کو مخلوق قرار دینا کوئی ظلم نہیں ہے۔ مگر یہ بات کہ وُہ ازلیت نہیں رکھتا، اور اس کے لئے ابتدا اور اولیت ہے یہ غلط اور کذب اور ظلم ہے۔ کیونکہ واجب الوجود تسلیم کرنا ازلیت کو ثابت کرتا ہے۔ وُہ وُہ ہے کہ اس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔ وُہ بلند و بزرگ ہے۔ وُہ لوگ جھوٹے ہیں جو اس کے لئے

مثل ونظیر مانتے ہیں۔ وُہ سخت گمراہی اور سخت نقصان میں ہیں۔ اور درُود وسلام ہو محمدؐ واہلبیت طاہرینؑ پر۔"

اصطلاحات ضروریہ

علم:۔ جو صورت انسان کی عقل میں حاصل ہو (یا جو مدرک کے نزدیک حاضر ہو)۔

تصوّر:۔ جو صورت انسان کی عقل میں بغیر نسبتِ حکمیہ حاصل ہو۔ جیسے زید، عمر، بکر کا تصور یا اس کا لکھنا پڑھنا یعنی جملہ کی شکل نہ ہو تو اس کو تصور کہتے ہیں۔

تصدیق:۔ جو صورت انسان کی عقل میں نسبتِ حکمیہ کے ساتھ حاصل ہو۔ جیسے زید عالم ہے، یا عالم نہیں ہے۔ اس کو تصدیق کہتے ہیں یعنی جملہ کی شکل۔

کلی:۔ جو تصوّر بہت سے افراد پر بولا جا سکے جیسے انسان، زید وعمر وغیرہ۔ یا جیسے حیوان، گھوڑا، یا گدھے پر بولا جاتا ہے۔

جُزئی:۔ جو تصوّر مخصوص ایک ہی چیز پر بولا جا سکے۔ جیسے زید یا عمر یا خالد، اس کو شخص بھی کہتے ہیں۔

ذاتی:۔ جو کسی شئے کی ماہیت کا جزو ہو اور اس کے بغیر اس کا وجود نہ ہو سکے۔ جیسے انسان کے لئے حیوان ناطق کیونکہ ان دونوں میں سے کسی ایک جزو کی کمی سے انسان کا وجود نہیں ہو سکتا۔

عرضی:۔ جو کسی شئے کی ماہیت کا جزو نہ ہو بلکہ ماہیت سے خارج ہو جس طرح انسان میں پڑھنے، لکھنے کی قابلیت یا چلنے پھرنے کی قوّت۔

ذاتی:۔ کی تین قسمیں ہیں۔ جنس، فصل، نوع۔

جنس:۔ وُہ ذاتی ہے جو مختلف حقیقتوں کے افراد پر بولا جائے۔ جیسے حیوان۔ یہ زید اور فرس دونوں پر بولا جاتا ہے۔ اسی طرح جسم نامی یعنی نشوونما والا جسم، یہ انسان اور حیوان اور درخت پر بھی بولا جاتا ہے۔ اسی طرح صرف جسم یہ ان تینوں پر بھی بولا جاتا ہے۔ اور جمادات پر بھی جسم میں طول وعرض وعمق ہوتا ہے اور سطح میں صرف طول وعرض و اور خط میں صرف طول اور نقطہ میں نہ طول نہ عرض نہ عمق۔

فصل:۔ وُہ ذاتی ہے جو ماہیت کو اس کے غیر سے تمیز دے دے۔ جیسے جسم کو نامی اور جسم نامی کو حرکت ارادی اور جسم نامی متحرک بالا ارادہ کو ناطق تمیز دیتے ہیں۔ جس طرح آپ صرف "جسم" بولیں تو اس میں جمادات، نباتات، حیوانات، انسانات سب شامل ہیں۔ لہٰذا "جسم" ان کے لئے جنس ہے۔ اور جب آپ نے "نامی" بولا تو جس جسم

میں نشو ونما نہیں ہے وہ علیحدہ ہوگیا۔ مگر نباتات، حیوانات، انسانات شامل رہے۔ اور جب آپ نے متحرک بالارادہ بولا تو جس میں حرکتِ ارادی نہ تھی وہ خارج ہوگیا اور صرف حیوانات و انسانات شامل رہے۔ اور جب آپ نے ناطق بولا تو جس میں نطق نہیں تھا وہ الگ ہوگیا یعنی صرف انسانات کے لئے درست رہا۔ اور حیوانات خارج ہوگئے۔ کیونکہ ان میں نطق نہیں ہے یعنی ادراک عقلی نہیں ہے۔

انسان میں چار صفتیں ہوئیں:۔ جسم، نامی، متحرک، بالارادہ، ناطق۔

حیوان میں تین صفات:۔ جسم، نامی، متحرک بالارادہ۔

نباتات میں دو صفتیں:۔ جسم، نامی۔

جمادات میں ایک صفت:۔ جسم

ان سب کو آپس میں ملانے والی ذاتی (یعنی جزو) جنس ہے اور ان کو ایک دوسرے سے جدا کرنے والی ذاتی (یعنی جزو) فصل ہے۔

نوع:۔ جنس اور فصل کے مجموعہ کو نوع کہتے ہیں۔ جیسے انسان مجموعہ ہے حیوان اور ناطق کا۔ حیوان اس کی جنس ہے اور ناطق اس کی فصل ہے۔ اور ان دونوں میں سے ایک بھی کم ہو جائے تو انسان کا وجود نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا نوع میں جنس اور فصل دو چیزیں ہوں گی جیسے نبی و امام؛ دو چیزوں کا مجموعہ ہیں۔ ایک بشریت دوسرے کمال نبوت یا امامت۔ بشریت ان کی جنس ہے جو نبی اور غیر نبی اور امام اور غیر امام پر بولی جاتی ہے۔ مگر جب بشریت کے ساتھ کمال نبوت یا کمال امامت شامل ہوگیا تو یہ نوع علیحدہ ہوگئی۔ اب جس طرح ہر انسان کا حیوان ہونا ضروری ہے مگر ہر حیوان کا انسان ہونا ضروری نہیں ہے، اسی طرح ہر نبی یا امام کا بشر ہونا ضروری ہے مگر ہر بشر کا نبی یا امام ہونا ضروری نہیں ہے۔

صنف:۔ وہ نوع جو کسی خارج از ذات خصوصیت سے مقید و مشروط ہو جیسے انسان کے لئے زنگی، رومی، عراقی، ایرانی، پاکستانی، یا مکی، مدنی، لاہوری، پشاوری وغیرہ۔ صنف کسی ماہیت کا جزو نہیں ہوا کرتی ہے۔

خاصہ:۔ وہ خارج از ذات چیز ہے جو ایک حقیقت کے افراد کے ساتھ مخصوص ہو جیسے پڑھنے لکھنے کی قابلیت انسان کے افراد کے ساتھ مخصوص ہے مگر وہ جزو ماہیت اور انسان کے وجود کے لئے شرط نہیں ہے۔

عرض عام:۔ وہ خارج از ذات چیز ہے جو مختلف حقیقتوں کے افراد میں مشترک ہو جیسے چلنے پھرنے کی قوت، جو انسان اور حیوان دونوں میں ہے مگر ان کے وجود کے لئے شرط نہیں ہے۔

علّت و معلُول

جب کوئی شے اپنے وجود میں کسی دُوسری شے کی محتاج ہو تو جو محتاج ہے وُہ معلُول کہلاتی ہے اور جس کی محتاج ہے وُہ علّت کہلاتی ہے۔ اس کی دُو قسمیں ہیں۔ فاعل اور غایت۔

فاعل :۔ وُہ علّت ہے جس سے کسی شے کا وجود حاصل ہو۔ اگر صاحب شعور و ارادہ ہے تو فاعل مختار اور بے شعور و ارادہ ہے تو فاعل مضطر کہتے ہیں۔

غایت :۔ وُہ علّت ہے جو فاعل کے لئے کسی شے کے موجود کرنے کا باعث ہو۔

شرط :۔ فاعل کا کسی شے کو موجود کرنا جس چیز کے وجود پر موقوف ہو اس کو شرط کہتے ہیں (داعی بھی اس کا نام ہے۔)

مانع :۔ فاعل کا کسی شئے کو موجود کرنا جس چیز کے معدوم کرنے پر موقوف ہو اس کو مانع کہتے ہیں۔

مُعِد :۔ فاعل کا کسی شئے کو موجود کرنا جب کسی امر کے وجود و عدم پر موقوف ہو تو اُس کو مُعِد کہتے ہیں۔

مادہ :۔ جسم کا وُہ جزو ہے جس میں صورت و شکل و حرکت قبول کرنے کی استعداد ہو اس کو علّتِ مادیہ کہتے ہیں۔

صورت :۔ جسم کا وُہ جزو ہے جس کی وجہ سے جسم بالفعل موجود ہو اس کو علّتِ صوریہ کہتے ہیں۔

نفوس مجردہ :۔ وہ بسیط چیزیں جو اپنی ذات میں مادہ سے تعلق نہ رکھیں مگر افعال میں تعلق ہو۔

جواھر مفارقہ :۔ وُہ بسیط چیزیں جو اپنی ذات اور فعل دونوں میں مادہ سے تعلق نہ رکھیں۔

مُبَسمِلاً وَ مُحَمِّدِلاً وَ مُصَلِّیاً وَ مُسَلِّماً

"غلو کے معنی اور اس کے ممنوعہ اقسام"

حضرات انبیاء و آئمہ طاہرین علیہم السلام کی ذواتِ مقدسہ کی معرفت و عظمتِ شان کی بلندی سے تمام علماء و مجتہدین اور حکماء و متالہین اور خطباء و واعظین اور شعراء و ذاکرین کے عقول وافہام قاصر و عاجز ہیں۔ مؤلف نے بھی اپنی تالیف "اصول الشریعہ فی عقائد الشیعہ" میں اس کا اعتراف کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے قلم سے وہ حدیث بھی اس کتاب میں درج کرادی ہے جو شانِ امامت میں حضرت امام رضا علیہ السلام نے بیان فرمائی ہے۔ اور اس حدیث کو ان کے قلم سے مستند و مکمل لکھوالیا ہے اور اس حدیث مبارک کی تعریف بھی ان کے قلم سے تحریر کرالی ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو۔

"قائلینِ وحدت نوع کا اعتراف و اقرار"

دل چاہتا ہے کہ یہاں بطور تتمہ حضرت ثامن الآئمہ علیہم السلام کی وہ مستند و مکمل حدیث پیش کر دی جائے جس میں فضیلتِ امام کے دریا ٹھاٹھیں مار رہے ہیں، اور عظمتِ آئمہ کے چشمے پھوٹ رہے ہیں تاکہ اس کے مطالعہ سے اہلِ ایمان کے قلوب صافیہ کو مزید جلا حاصل ہو۔ یہ حدیث اصول کافی مترجم حضرت ادیب اعظم مدظلہ ج1 ص246 سے پیش کی جارہی ہے۔ (اصول الشریعہ ص235)

مؤلف نے اس حدیث طویل کو مکمل طور پر اپنی کتاب مذکور کے دس صفحوں پہ درج کیا ہے۔ جو ص235 سے شروع ہو کر ص244 پر ختم ہوتی ہے۔

ہم اس حدیث مبارک کے وہ اہم اقتباسات پیش کرتے ہیں جن کا تعلق ہمارے موضوع "مسئلہ غلو" سے ہے۔ تاکہ مؤلف صاحب کو اپنے عقائد پر نظر ثانی کا موقعہ نصیب ہو۔

حضرت امام رضا علیہ السلام کا ارشاد

ان الامامۃ اجل قدراً واعظم شاناً واعلا مکاناً وامنع جانباً وابعد غوراً من ان یبلغھا الناس بعقولھم وینالوھا بآرائھم۔

امامت از روئے قدر و منزلت بہت اجل و ارفع ہے۔ اور از روئے شان بہت عظیم ہے۔ اور بلحاظ محل و مقام بہت بلند ہے۔ اور اپنی طرف غیر کے آنے سے مانع ہے۔ اور اس کا مفہوم بہت گہرا ہے۔ لوگوں کی عقلیں اس تک نہیں پہنچ سکتیں اور ان کی رائیں اس کو نہیں پا سکتیں۔ (اصول الشریعہ ص236)

الامام واحد دھرہ لایدانیہ احد ولا یعادلہ عالم ولا یوجد منہ بدل و لا مثل ولا نظیر مخصوص بالفضل کلمۃ من غیر طلب منہ ولا اکتساب بل اختصاص من المفضل الوھاب فمن ذالذی یبلغ معرفۃ الامام او یمکنہ اختیارہ ھیہات ھیہات ضلت العقول وتاھت الحلوم وحارت الالباب وخسئت العیون وتصاغرت العظماء وتحیرت الحکماء وتقاصرت العلماء وحصرت الخطباء وجھلت الالباء وکلت الشعراء وعجزت الادباء وعییت البلغاء عن وصف شان من شانہ او فضلیۃ من فضائلہ واقرت بالعجز والتقصیر وکیف یوصف بکلہ او ینعت بکنھہ او یفھم شئ من امرہ او یوجد من یقوم مقامہ۔ ویغنی غناہ۔ لا کیف وانی وھو بحیث النجم من ید المتناولین ووصف الواصفین فاین الاختیار من ھذا واین العقول عن ھذا واین یوجد مثل ھذا۔

"امام اپنے زمانہ میں واحد و یگانہ ہوتا ہے۔ کوئی فضل و کمال میں اس کے نزدیک بھی نہیں ہوتا اور نہ کوئی عالم اس کے مقابلے کا ہوتا ہے۔ نہ اس کا بدل پایا جاتا ہے، نہ اس کا مثل و نظیر۔ وہ بغیر اکتساب اور بغیر طلب کے خدا سے ہر قسم کی فضلیت سے مخصوص ہوتا ہے۔ ہر اختصاص اس کے لئے خدا کی طرف سے ہوتا ہے۔ پس کون ہے کہ معرفت تامہ امام حاصل کر سکے۔ یا امام بنانا اس کے اختیار میں ہو۔ ہائے ہائے لوگوں کی عقلیں گمراہ ہوگئیں ہیں اور فہم و ادراک سرگشتہ و پریشان ہیں۔ اور عقول حیران اور آنکھیں ادراک سے قاصر ہیں اور عظیم المرتبت لوگ اس امر میں حقیر ثابت ہوئے اور حکماء حیران ہو گئے۔ عقول پر جہالت کا پردہ پڑ گیا، اور شعرا تھک کر رہ گئے، اور اہلِ ادب عاجز آ گئے اور صاحبانِ بلاغت عاجز آئے؛ امام کی کسی ایک صفت کو بیان نہ کر سکے۔ انہوں نے اپنے عجز کا اقرار کیا اور اپنی کوتاہی کے قائل ہوئے۔ پس جب امام کے ایک وصف کا یہ حال ہے تو اس کے تمام صفات کو کس کی طاقت ہے کہ بیان کر سکے اور ان کے حقائق پر روشنی ڈالے یا اس امر امامت کے متعلق کچھ سمجھ سکے۔ یا کوئی ایسا آدمی پایا جا سکے کہ وہ امرِ دین میں اس سے بے پرواہ کر دے۔ ایسا کیسے ہو سکتا ہے درآنحالیکہ امام کا مرتبہ ثریا ستارہ سے بھی بڑا ہے۔ پکڑنے والا اس کو کیسے پکڑ سکتا ہے، اور وصف بیان کرنے والے اس کا وصف کیونکر بیان کر سکتے ہیں۔ ایسی صورت میں امام سازی میں بندوں کا اختیار کیا اور عقلوں کی رسائی اس بارے میں کہاں اور امامت جیسی چیز اور کونسی ہے۔" (اصول الشریعہ ص ۲۴۰)

الامام کالشمس الطالعۃ المجللۃ بنورھا للعالم وھی فی الافق بحیث لاتنالھا الایدی والابصار۔

امام چڑھتا سورج ہے جو اپنی روشنی سے عالم کو جگمگا دیتا ہے اور وہ ایک ایسے بلند مقام پر ہے کہ لوگوں کے ہاتھ اور اُن کی نگاہیں وہاں تک پہنچ نہیں سکتیں" ص ۲۳۸

مفزع العباد فی الداھیۃ النآد الامام امین فی خلقہ وحجتہ علی عبادہ و خلیفتہ فی بلادہ۔

اور بندوں کا فریاد رس ہے مصائب و آلام میں۔ امام خدا کا امین ہے اس کی مخلوق میں؛ اور اس کی حجت ہے، اور اس کے بندوں پر خدا کا خلیفہ ہے شہروں میں" ص ۲۳۹

ان الانبیاء والائمۃ صلوٰت اللہ علیھم یوفقھم اللہ ویوتیھم من مخزون علمہ وحکمتہ مالا یوتیہ غیرھم فیکون علمھم فوق علم اھل الزمان۔

انبیاء و آئمہ علیہم السلام موفق من اللہ ہوتے ہیں اور علم و حکمتِ الٰہیہ کے خزانہ سے وہ چیز ان کو دی جاتی ہے جو ان کے غیر کو نہیں دی جاتی۔ پس ان کا علم تمام اہلِ زمانہ کے علم سے زیادہ ہوتا ہے" ص ۲۴۲

وان العبد اذا اختارہ اللہ عزوجل لامور عبادہ شرح صدرہ لذلک واودع قلبہ ینابیع الحکمۃ والھمہ العلم فلم یعی بعدہ بجواب ولا یحیر فیہ عن الصواب

جب خدا کسی بندہ کو اپنے بندوں کے امور کی اصلاح کے لئے منتخب کر لیتا ہے تو اس کام کے لئے اس کے سینے کو کشادہ کر دیتا ہے اور حکمت کے چشمے اس کے قلب میں ودیعت رکھتا ہے اور علم کا الہام کرتا ہے۔ پس وہ کسی سوال کے جواب میں عاجز نہیں ہوتا اور نہ وہ راہِ صواب میں حیران ہوتا ہے" (اصول الشریعہ ص ۲۴۳)

اس ارشادِ رضوی میں امام کو بندوں کا فریاد رس فرمایا ہے لہٰذا ہم ان کے حضور میں اپنی فریادیں پیش کریں، اور نصرت و مدد حاصل کریں۔ نیز امام کسی سوال کے جواب میں عاجز نہیں ہوتا۔ اس کے قلب میں تخلیقی علم و حکمت ہے اور الہام بھی ہوتا رہتا ہے لہٰذا کسی فرشتہ کا محتاج نہیں ہے۔ رُوح القدس اگر فرشتہ ہے تو اس کا محتاج نہیں ہے بلکہ وہ فرشتوں کا معلم ہے۔

معرفتِ امام بکلامِ امام

حضرت علی بن موسیٰ الرضا علیہم السلام کے ارشادِ حق بنیاد کو ہم نے مؤلف صاحب کی کتاب سے پیش کیا ہے، اب حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کے کلام سے شانِ امام پیش کرتے ہیں۔ اور یہ اقتباس

حضرت علامہ مجلسیؒ کی کتاب "بحار الانوار" جلد ۷، صفحات ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸ سے نقل کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے طارق بن شہاب سے فرمایا: "اے طارق! امام کلمۃ اللہ ہے، حجۃ اللہ ہے، نور اللہ ہے، حجاب اللہ ہے، آیۃ اللہ ہے۔ خدا اس کو خود منتخب کرتا ہے، اور خدا اس کی ذات میں وُہ کمال پیدا کر دیتا ہے جو خدا چاہتا ہے۔ اور اسی کمال کی وجہ سے اس کی اطاعت اور اس کی ولایت تمام مخلوقات پر واجب و لازم کر دیتا ہے پس وُہ خدا کا ولی ہوتا ہے اُس کے آسمانوں اور زمین میں۔ اور اسی کمال کی وجہ سے خدا نے اپنے تمام بندوں سے اس کی ذات کو تسلیم کرنے کا عہد لیا ہے۔ پس جو شخص اس سے آگے بڑھے گا تو وُہ خدائے صاحبِ عرش کا منکر ہو جائے گا۔ امام جو چاہتا ہے کر لیتا ہے۔ اور جب اللہ چاہتا ہے تو وُہ چاہتا ہے۔ اور اس کے بازو پر یہ آیت تحریر کر دیتا ہے: وتمت کلمۃ ربک صدقا وعدلا"۔ پس وہی صدق اور عدل ہوتا ہے اور اس کے لئے ایک عمودِ نور زمین سے آسمان تک قائم کر دیا جاتا ہے اور وُہ اسی نور میں تمام بندگانِ خدا کے اعمال دیکھتا ہے امام بندوں کا فریاد رس ہے مصیبتوں میں۔ اور خدا کی طرف سے تمام خلائق پر غالب ہے اور خدا کا امین ہے تمام خلائق پر اور اس کے بندوں پر حجت ہے۔ عیوب سے پاک ہے اور غیوب پر مطلع ہے۔ امام اپنے زمانہ کا واحد و یکتا ہے اور خدا کا خلیفہ ہے اس کے امر و نہی میں اور اس کا مثل نہیں پایا جاتا۔ اور اس کا کوئی بدل نہیں ہے۔ پس کون ہے جو ہماری حقیقی معرفت حاصل کر سکے یا ہمارے درجہ کو سمجھ سکے۔ اور ہمارے مقام کا ادراک کر سکے۔ سمجھ بوجھ کی طاقتیں حیران ہیں، عقلیں سرگرداں ہیں، فہم و ادراک سر بگریباں ہیں۔ بلند ہستیاں حقیر ہیں۔ علماء قاصر ہیں۔ شعراء تھک چکے ہیں۔ بلغاء گُنگ ہیں۔ خطیبوں کی زبانیں لکنت کر رہی ہیں۔ فصحاء اپنے عجز کے معترف ہیں۔ تمام اہلِ زمین و اہلِ آسمان ہتھیار ڈال چکے ہیں کہ ایک شان بھی امام کی بیان کر سکیں۔ بھلا کس طرح پہچانا جا سکتا ہے اور وصف کیا جا سکتا ہے، اور معلوم کیا جا سکتا ہے اور سمجھا جا سکتا ہے، اور پایا جا سکتا ہے، اور حاصل کیا جا سکتا ہے وُہ امام، جو جلالِ کبریا کی شعاع ہے اور ارض و سماء کا شرف ہے۔ مقامِ آلِ محمدؐ بہت بلند ہے وصف کرنے والوں کے وصف سے اور نعت کرنے والوں کی نعت سے۔ اور وہ بہت بلند ہیں اس بات سے کہ ان کا قیاس عالمین میں سے کسی سے کیا جا سکے۔ اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کیونکہ وُہ خدا کے بلند کلمہ اور روشن اسم ہیں۔ بھلا کوئی کس طرح ایسی ہستی کا انتخاب کر سکتا ہے، اور کہاں عقلوں میں طاقت ہے کہ اس کو سمجھ سکیں۔

امام ایسا عالم ہے جو کسی چیز کا جاہل نہیں ہوتا۔ اے طارق! امام بحیثیت بشر ملکی ہے اور بحیثیت

جسم سماوی ہے۔ اور امر الٰہی ہے، اور روح قدسی ہے، اور مقام علی ہے، اور نور جلی ہے، اور رازِ خفی ہے، اور ملکی الذات ہے، الٰہی الصفات ہے۔ حسنات میں سب سے زیادہ ہے، اور مغیبات کا عالم ہے۔ اور یہ اللہ کی جانب سے مخصوص ہے اور رسولؐ کی جانب سے منصوص ہے۔ خدا نے ان کو نورِ عظمت سے پیدا کیا ہے اور اپنی مملکت کا والی بنایا ہے۔ پس یہ حضرات خدا کا پوشیدہ راز ہیں۔ اور اس کے مقرب بارگاہ اولیاء ہیں اور کاف اور نون کے درمیان کس کا امر ہیں۔ نہیں نہیں بلکہ یہ خود کاف و نون ہیں۔ امام کے نزدیک زمین آسمان ہاتھ کی ہتھیلی کے مانند ہیں۔ وہ ظاہر و باطن کو جانتا ہے۔ وہ نیک و بد کو پہچانتا ہے۔ وہ خشک و تر سب کو پہچانتا ہے۔ کیونکہ خدا نے اپنے نبیؐ کو علم ماکان و مایکون یعنی گزشتہ اور آئندہ تمام تعلیم کر دیئے ہیں اور اس کے وارث ان کے اوصیاء ہیں۔

جو شخص اس سے انکار کرے گا وہ شقی ہے، ملعون ہے۔ اس پر خدا کی لعنت اور لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے۔ حضرت علامہ مجلسیؒ "امرہٗ بین الکاف والنون" کی شرح فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ یہ حضرات اُس امرِ خدا کے جو پوشیدہ ہے اور کاف اور نون سے ظاہر ہوا ہے مظہر العجائب ہیں۔ اور یہ خدا کے اس ارشاد کی طرف اشارہ ہے:۔ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝

یعنی خدا کا امر جب کسی شے کا ارادہ کرتا ہے تو کُن کہتا ہے اور وہ شے موجود ہو جاتی ہے، یہ مسئلہ نہایت دقیق ہے۔ مؤلف کے فہم و عقل سے بلند ہے۔ کیونکہ آئمہ طاہرینؑ کاف و نون کے درمیان خدا کا امر ہیں۔ بلکہ خود کاف و نون ہیں۔ جیسے مولائے کائنات کا ارشاد ہے۔ امام کی یہ حدیث مبارک نہ خطبۃ البیان ہے نہ غالیوں کی من گھڑت ہے۔ ورنہ علامہ مجلسیؒ جیسے غواص بحار اخبار اس حدیث کو ضعیف یا موضوع فرما دیتے۔ ویسے بھی کسی حدیث کی سند اگر دستیاب نہ ہو لیکن وہ مضمون دیگر مستند احادیث میں مذکور ہو، تو ضعیف السند ہونے کی وجہ سے اس کا مضمون رد نہیں کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ دیگر احادیث صحیحہ سے اس کا انجبار ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اس حدیث کے لئے ضعیف السند کا بہانہ غلط ہے۔ دیگر احادیث مستندہ میں ان ہی صفات کا ذکر موجود ہے۔ ابھی تو ہم نے صرف دو حدیثیں دو اماموں کی پیش کی ہیں جو دونوں علیؑ ہیں۔ ایک علی بن موسیٰ الرضا علیہ السلام اور دوسرے علی بن ابی طالب علیہ السلام۔ دادا اور پوتے کا ارشاد یکساں نظر آتا ہے۔ اور دونوں اماموں نے یہ صاف صاف فرمایا ہے کہ امام کو خداوند عالم ایک ایسا کمال عطا فرماتا ہے کہ جس کو عالمین کی عقلیں نہیں پا سکتیں جس کو سمجھنے سے حکماء، فلاسفر، علماء، خطباء، فصحاء، بلغاء، شعرا بلکہ زمین و آسمان کے کُل بسنے والے قاصر ہیں، عقل و ادراک سر گرداں ہیں، اور فہم و بصیرت سر بگریباں ہیں۔ باقی آئمہ طاہرین علیہم السلام کے ارشادات بھی معرفتِ امام کے سلسلے میں احادیث کثیرہ بلکہ اخبار متواترہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جن کا ایک مستقل باب ہی ہم آئندہ صفحات میں پیش کریں گے۔ اس وقت تو تفصیل صاحب

سے کچھ گفتگو مقصود ہے۔ اس حدیث سے بالکل واضح ہے کہ ان کا قیاس کسی بھی مخلوق سے نہیں کیا جاسکتا۔ لہٰذا ان کی نوع علیحدہ ہے۔ نیز یہ ایک ایسے کمال کے حامل ہیں جس کی ماہیت کا سمجھنا ناممکن ہے۔ یہی ان کی فصل ممیز ہے۔ نیز یہ ثابت ہوگیا کہ تمام غیوب ان کے سامنے حضور اور شہود میں ہیں کوئی چیز ان سے پوشیدہ نہیں ہے۔

وحدت نوع کا عقیدہ باطل ہے

مؤلف صاحب نے حضرت امام رضا علیہ السلام کی حدیث کو اپنی کتاب میں خود درج فرمایا ہے۔ اس حدیث کو ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر اور ابلتا ہوا چشمہ قرار دیا ہے۔ یقیناً آپ نے اس حدیث مبارک کے ایک ایک کلمہ اور ایک ایک لفظ کو بغور پڑھا ہوگا، اور آپ کے دل میں ضرور جلا پیدا ہوئی ہوگی۔ اسی لئے آپ نے یہ حدیث مومنین کے قلوب صافیہ کو جلا دینے کی خاطر درج فرمائی ہے۔ اب آپ اپنے مندرجہ ذیل اجتہاد کا مطالعہ فرمائیے:-

(مؤلف اصول الشریعہ کا متکبرانہ اجتہاد)

"اگرچہ ہم "احسن الفوائد" میں اس شبہ کا مفصل جواب لکھ چکے ہیں تاہم مناسب مقام کی بنا پر یہاں بھی جواباً کچھ حقائق پیش کئے جاتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ شبہ محض جوشِ خطابت کی پیداوار ہے۔ ورنہ اسے حقیقت سے دُور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ یہ کہنا کہ ہمیں ان بزرگواروں کی حد کا بالکل کچھ پتہ ہی نہیں لہٰذا غلو کیونکر متصور ہو سکتا ہے؟ کس قدر بعید از حقیقت بات ہے۔ کیا ہمیں علم نہیں ہے کہ یہ بزرگوار خدا نہیں ہیں؟ کیا ہمیں معلوم نہیں کہ وُہ صفاتِ مختصہ بخدا میں اس کے شریک و سہیم نہیں؟ کیا ہمیں یقین نہیں کہ وُہ انبیاء نہیں؟ کیا یہ درست نہیں کہ ان کی عبادت کرنا جائز نہیں؟ کیا یہ غلط نہیں کہ خدا ان میں حلول کرتا ہے؟ کیا یہ باطل نہیں ہے کہ ان کی ارواح میں تناسخ ہوتا ہے؟ کیا ہمیں قطع حاصل نہیں کہ وُہ خالق نہیں مخلوق، رب نہیں مربوب، معبود نہیں عبد، رازق نہیں مرزوق، قدیم نہیں حادث، واجب نہیں بلکہ ممکن ہیں؟ یقیناً ان امور کا ہر مسلمان و مومن کو علم و یقین حاصل ہے"

(اصول الشریعہ ص ۳۵)

مؤلف صاحب نے اپنے اس انوکھے اور اچھوتے اجتہاد میں آئمہ طاہرین علیہم السلام کی حد بندی فرمائی ہے۔ اور پھر فرماتے ہیں کہ ہم ہی نہیں بلکہ ہر مسلمان و مومن اہلبیت کی حد بندی سے واقف ہے۔ لہٰذا ہم ان صاحب سے دریافت کرتے ہیں کہ امام رضا علیہ السلام کے اس ارشاد حق بنیاد کا کیا مطلب ہے کہ امامت کے مرتبے تک انسانوں کی عقلیں نہیں پہنچ سکتیں اور ان کی رائیں ان کو نہیں پا سکتیں۔ لوگوں کی

عقلیں گمراہ، فہم وادراک سرگرداں، حکماء وعلماء حیران، خطباء فصحاء سربگریبان ہیں۔ اور عالمین عاجز ہیں کہ امام کی کسی ایک شان کو بیان کر سکیں اور امام کے اس کمال کو سمجھ سکیں جو خداوند عالم نے انہیں عطا کیا ہے۔ عالمین میں تو طاقت نہیں، اہل ارض وسماء کی تو مجال نہیں کہ وہ اس کمال کو سمجھ سکیں اور امام کی حد بندی کر سکیں، مگر آپ نے حد بندی فرما کر اپنے زعم میں آئمہ معصومین علیہم السلام کے ارشادات کی تکذیب فرمائی ہے۔ تو کیا آپ عالمین کے علاوہ ہیں؟ اگر ایسا ہے تو پھر آپ (نعوذ باللہ) رب العالمین ہی ہو سکتے ہیں۔ اور صدر المعلمین کے حدود سے آپ خارج ہیں۔ اور حجۃ الاسلام والمسلمین کے القاب نے آپ اجل وارفع ہیں جیسا کہ آپ کے متکبرانہ اجتہاد سے واضح ہے۔

اور اگر آپ امام رضا علیہ السلام پر ایمان لاتے ہیں اور ان کے ارشاد کو واقعی صحیح و درست سمجھتے ہیں اور آپ بلاتقیہ آئمہ طاہرین علیہم السلام کے کمال کو ادراک سے بالاتر سمجھتے ہیں، تو پھر آپ کیوں اقرار نہیں کر لیتے کہ آپ کا علم عاجز ہے۔ آپ کا اجتہاد قاصر ہے۔ آپ کے ہم مشرب حیران ہیں۔ آپ کا درس پریشان ہے کہ امام کی ایک شان کو بھی بیان کر سکے۔ اور مدح وثنا کرنے والے جس قدر بھی فضائل ومناقب بیان کرتے ہیں وہ ان کی عقلوں کی حد ہوتی ہے، حضرات آئمہ طاہرینؑ کی ذوات مقدسہ کی حد نہیں ہوتی۔

مؤلف صاحب کو تحدید اور نفی واثبات کا علم نہیں!

مؤلف صاحب نے نفی واثبات کو حد بندی سمجھ کر یہ غلطی کی ہے کہ آئمہ طاہرین علیہم السلام کے ذوات مقدسہ کی حد بندی فرما رہے ہیں۔ حالانکہ نفی واثبات اور چیز ہے اور تحدید اور چیز ہے جس کو ہم کلام معصومؑ کی روشنی میں واضح کریں گے جس کے بعد مؤلف صاحب کے متکبرانہ اجتہاد کے پرخچے اڑتے نظر آئیں گے اور ہر خاص وعام پر ظاہر ہو جائے گا کہ آئمہ طاہرین علیہم السلام کے محل ومقام کی حد بندی کرنے والے کو کیا سزا ملتی ہے، اور ان کی توہین کیا رنگ لاتی ہے۔

پہلے ہم مؤلف صاحب کے بیان کی روشنی میں خدا کی حد بندی کر کے انہیں ان کی غلطی کے اعتراف پر مجبور کر دیں، پھر اصل حقیقت سے پردہ ہٹائیں گے۔

مؤلف صاحب کے اصول تحدید کو پیش نظر رکھ کر مندرجہ ذیل عبارت پڑھیئے:-

مؤلف صاحب اور خدا کی حد بندی

کیا ہمیں یہ علم نہیں کہ خدا مجبور نہیں؟ کیا ہمیں معلوم نہیں کہ خدا محتاج نہیں؟ کیا ہمیں معلوم نہیں کہ خدا جسم نہیں؟ کیا ہمیں علم نہیں کہ خدا محل حوادث نہیں؟ کیا ہمیں معلوم نہیں کہ خدا ممکن نہیں؟

یہ مذکورہ بالا مثالیں نفی کی ہیں۔ اب اس کے بعد اثبات کی مثالیں ملاحظہ فرمائیے:-

"کیا ہمیں علم نہیں کہ خدا قدیم ہے؟ کیا ہمیں علم نہیں کہ خدا واجب الوجود ہے؟ کیا ہمیں علم نہیں، کہ خدا قادر ہے؟ کیا ہمیں علم نہیں کہ خدا عالم ہے؟ کیا ہمیں علم نہیں کہ خدا حی ہے؟ یہ تمام مثالیں اثبات کی ہیں"

مؤلف صاحب کے لئے تازیانۂ عبرت

اب مؤلف صاحب فرمائیں کہ جس طرح آئمہ طاہرین علیہم السلام کی انہوں نے حد بندی فرمائی ہے، بالکل ان ہی اصول کے مطابق خدا کی حد بندی بھی ثابت ہے۔ پھر کیا اس نفی و اثبات کے ذریعہ خدا کی تحدید یعنی حد بندی ہو گئی؟ اگر یہ حد بندی درست ہے تو پھر فرمائیے کہ اس عقیدہ کا کیا مطلب ہے کہ نہ اس کی ذات کی حد ہے اور نہ اس کی صفات کی۔

آپ کے متکبرانہ اجتہاد اور قیاسی استدلال نے اس مسلمہ عقیدہ کی تکذیب کی ہے۔ اور اہلبیت طاہرین علیہم السلام کی حد بندی کا یہ خمیازہ بھگتنا پڑا ہے کہ خدا کی تحدید کر دی ہے۔ اور جو شخص خدا کی حد بندی کر دے وہ کافر ہے۔ اگر نہیں تو آپ خود فتویٰ صادر فرمائیے کہ وہ کیا ہے۔

اب آپ کو اختیار ہے کہ آلِ محمد علیہم السلام کے کمال کی حد بندی کے باطل عقیدہ سے توبہ کیجئے اور ہماری طرح ایمان لائیے کہ کمالِ امام کے ادراک سے عقولِ عالمین عاجز ہیں۔ اور ان کے کمال کی حد بندی نہیں کی جا سکتی۔ ورنہ ہم آپ کے اصول کے مطابق آپ کی حد بندی اسی طرح کرتے ہیں جس طرح آپ نے آئمۂ طاہرین علیہم السلام کی فرمائی ہے۔

مؤلف صاحب کی حد بندی

مؤلف صاحب خالق نہیں مخلوق، رب نہیں مربوب، معبود نہیں عبد، رازق نہیں مرزوق، قدیم نہیں بلکہ حادث، واجب نہیں بلکہ ممکن ہیں۔ یقیناً ان امور کا ہر مسلمان و مومن کو علم و یقین ہے۔

اب فرمائیے جو کچھ آپ نے اہلبیت طاہرین علیہم السلام کی حد بندی فرمائی تھی اس حد بندی میں آپ اور آئمہ طاہرینؑ بالکل یکساں ہیں۔ یعنی جو حد بندی آپ کے لئے بالکل فِٹ ہے آپ نے وہی حد بندی ان کے ذواتِ مقدسہ کے لئے بھی فرمائی ہے۔ تو کیا آپ اور اہلبیت طاہرینؑ کی حیثیت ایک ہے اور آپ کا باطل عقیدہ کہاں حضرات کی اور آپ کی ایک ہی نوع ہے، اسی اصول کا نتیجہ تو نہیں ہے؟ کیونکہ حضرات معصومین علیہم السلام اور آپ گستاخ و بے ادب اس تحدید میں بالکل متحد ہیں۔ کیا اسی کا نام حد بندی ہے؟

ایک تلخ اور حلق سے نہ اترنے والی مثال

آپ نے آئمہ طاہرینؑ کی جو حد بندی فرمائی ہے وُہی خدا کے لئے بھی ثابت ہے۔ اور ذرا نیچی نظر کی جائے اور موجوداتِ عالم کو آپ کے پیش کردہ اصُول پر جانچا جائے تو آپ کی حد بندی یعنی آپ اور آپ کے ہم مشرب افراد کی حدبندی کا ایک ناخوشگوار قہری طور پر یہ نتیجہ نکلے گا کہ آپ لوگوں پر جو کچھ فِٹ ہے وہی جانوروں اور نجس العین سگ و خوک پر بھی بالکل آپ کی طرح فِٹ ہے۔ ذرا غصہ ٹھنڈا کر کے مندرجہ ذیل عبارت پڑھیئے

"سگ و خوک خالق نہیں مخلوق، رب نہیں مربوب، رازق نہیں مرزوق، قدیم نہیں بلکہ حادث، واجب نہیں بلکہ ممکن ہیں۔ یقیناً ان امور کا ہر مسلمان و مومن کو علم و یقین ہے"۔

اب فرمائیے آپ کی حد بندی کا اصول ان نجس العین جانوروں پر فِٹ ہے یا نہیں۔ اگر فِٹ ہے اور یقیناً فِٹ ہے تو کیا حد بندی کی حیثیت۔ سے آپ میں اور ان میں کوئی فرق ہے۔ اگر مچھر کے بجائے آپ لوگوں کو ان جانوروں سے تشبیہہ دی جائے کہ تحدید مذکور میں یکسانیت ہے، تو آپ خفا تو نہ ہونگے اور اگر آپ حضرات اجازت دیں تو ذاکرین کرام اسی قسم کے قصیدے آپ کی شان والا شان میں تحریر کر کے آپ کی پیش کردہ حقیقت کو مجلس میں موالیانِ اہلبیت کے گوش گزار کریں! (یہ ہے سزا آئمہ طاہرینؑ کے ذواتِ مقدسہ کی حد بندی کی)

علماءِ اعلام کے کلامِ حقیقت ترجمان میں کیڑے

آپ نے اپنی ذات والاصفات کو اپنے زعم میں کسی بھی صحیح اعتراض سے اجل وارفع سمجھتے ہوئے عوام کو دھوکا دینے کے لئے کس سادگی سے تحریر فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو اصُول الشریعہ۔

"آج کل علمائے اعلام پر کیچڑ اُچھالنا، اُن کے کلامِ حقیقت ترجمان میں کیڑے نکالنا، ان کی گلہ گوئی اور عیب جوئی کرنا ایک وطیرہ اور محبوب مشغلہ بنتا جا رہا ہے۔۔۔ لیکن ایسا کرنے والوں کو یہ حقیقت اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ وُہ ان اوچھے ہتھیاروں اور ہتھکنڈوں کے ذریعہ اگر چاہیں کہ وُہ اہلِ حق کو خاموش کر دیں تو ع۔۔ ایں خیال است و محال است و جنوں۔ (اصول الشریعہ ص۶)۔۔۔ آپ آئمہ طاہرین علیہم السلام کے محل اور مقامِ بلند اور ان کے کمالِ ذاتی کی حد بندی فرمائیں۔ اور حضرات معصومین علیہم السلام اس مرتبہ عالیہ کو عقول و افہام کے ادراک سے اجل وارفع فرمائیں؛ تو آپ خود فیصلہ کیجئے کہ کیڑے علمائے کرام بقلم خود کے اجتہاد میں ہیں یا العیاذ اللہ۔۔۔۔۔۔

اگر آپ کے علم میں کچھ دم خم ہے تو ذرا کچھ روشنی اس کمال پر بھی ڈالئے جو عالمین کے عقول و افہام کے ادراک سے بالاتر ہے۔ اور جب۔ آپ اس کمالِ امام کے تصوّر ہی سے عاجز ہیں تو اس کی حد بندی نامعقول دعوے ہے۔ یہی وُہ کمال ہے جو انبیاء اور آئمہ طاہرین علیہم السلام کے لئے فصلِ ممیز ہے۔ اور بشریت صرف جنس ہے اور یہ کمال فصل ہے، اور ان دونوں کے مجموعہ کا نام حجۃ اللہ ہے۔

یہی مطلب ہے اس حدیث کا جس میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے :-

الحجة قبل الخلق ومع الخلق وبعد الخلق (بحار الانوار ج ۱۳)

یعنی حجت کا وجود قبل خلق ہے اور مع الخلق اور بعد الخلق ہے۔" اور چونکہ حجۃ اللہ کے لئے درجات ہیں اس لئے ان کے کمال کے بھی مراتب ہیں۔ اور یہی کمال ہر ایک نبی اور امام میں فصل ممیز ہے جس کی وجہ سے وُہ حجۃ اللہ ہوتا ہے اور صاحب الامر کا درجہ پاتا ہے۔ اور وحی والہام، خوارق عادات اور نزولِ ارواح اور ملائکہ وغیرہ اسی کمال کے آثار ہیں۔

بشریت حجتِ خدا کے لئے جنس ہے اور کمالِ ذاتی اس کی فصل ممیز ہے۔ اور اس فصل ممیز کے ادراک سے عقول وافہام عاجز و قاصر ہیں۔ یہی وُہ راز ہے کہ جس کو شیطان نہیں سمجھ سکا۔ جیسا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ابلیس نے آگ اور مٹی کا قیاس کیا کہ آدم مٹی سے مخلوق ہیں اور وُہ آگ سے۔ مگر وُہ بدبخت اگر آدم کے نور کا قیاس کرتا جو خدا نے انہیں عطا کیا تھا، اور اپنی نار یعنی آگ سے مقابلہ کرتا تو پھر اُسے دونوں کا فرق معلوم ہو جاتا۔ (احتجاج طبرسی ص ۱۸۶)

یہی حال مؤلف صاحب کا ہے کہ انبیاء و آئمہ طاہرینؑ کے کمال ذاتی کو نہیں دیکھتے۔ اگر اس کا مقابلہ اپنی نوع سے کریں تو ان کو معلوم ہو کہ ان کی نوع اور ہے، اور حضرات محمدؐ و آل محمدؐ علیہم السلام کی نوع اور ہے۔ مگر قیاس شیطان کی طرح بقول صادق آل محمدؐ کمالِ الٰہی و نورِ جلال کبریائی سے اندھے ہیں۔

آئندہ مباحث میں اس پر تفصیلی بحث ارشاداتِ آئمہ طاہرینؑ کی روشنی میں پیش کی جائے گی۔ فی الحال ایک حوالہ اصول الشریعہ سے پیش کرتے ہیں جس کے سمجھنے میں مؤلف صاحب سے غلطی ہوگئی ہے اور غلط ترجمہ کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے :-

حجت اللہ میں کمالِ ذاتی فصلِ ممیز ہے

سرکار علامہ مجلسیؒ فلسفۂ بشریتِ انبیاء بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

فاحب واقتضی حکمته البالغه ان یعرف خلقه بالتوحید ویخصوه به ولم یکن ذالك ممکنا الا بارسال الرسل لم قد تمهد من کمال علوه ونهایة سمره وانحطاط درجة المکلفین بجهلهم وعجزهم فلذا اجعل بینه وبین خلقه سفراء یفیض علیهم من جهة کمالهم ویفیضو اعلی الخلق من جهة بشریتهم ومجانستهم لهم۔ (بحار الانوار ج ۱۱)

خدا کی حکمتِ بالغہ نے تقاضا کیا اور خدا نے پسند فرمایا کہ اپنی مخلوق کو اپنی توحید کی معرفی کرائے اور خلق اس کی توحید کی قائل ہو۔ اور یہ امر بغیر رسولوں کے بھیجنے کے ممکن نہ تھا کیونکہ وُہ انتہائے مرتبہ کمال و

بلندی پر فائز ہے اور مکلفین عجز وقصور کے انتہائی پست درجہ پر تھے۔ لہٰذا اس نے اپنے اور اپنی مخلوق کے درمیان کچھ سفیر مقرر فرمائے جن پر ان کے کمال کی وجہ سے وُہ احکام نازل کرتا ہے، اور وُہ مخلوق تک پہنچاتے ہیں مخلوق کے ساتھ اپنی مجانست وبشریت کی وجہ سے۔" (اصول الشریعہ ص۴۹، ۵۰)

مؤلف صاحب نے "یفیض" کا ترجمہ غلط کیا ہے اور جہت کا مطلب بھی غلط سمجھا ہے۔

"یفیض" کا ترجمہ احکام نازل کرتا ہے، غلط ہے۔ کیونکہ افاضہ کا مطلب فیض عطا کرنا ہے۔ اور وُہ عام ہے۔ خواہ امور تکوینیہ میں ہو یا امور تشریعیہ میں "ان پر احکام نازل کرنا" اور ان کا مخلوق تک پہنچانا"۔ صرف شرعی احکام کو ظاہر کرتا ہے۔ حالانکہ اس کے افاضہ میں قوتِ خرقِ عادات ومعجزات وکرامات بھی شامل ہیں جو امورِ تکوینیہ میں داخل ہیں۔ یہ فیض بھی خدا ہی کی طرف سے ہوتا ہے، اور اسی فیض کی وجہ سے ان کی سفارت ثابت ہوتی ہے۔ اسی طرح جہت کا مطلب بھی غلط سمجھا گیا ہے۔ جہت کا مطلب عبارت مذکورہ میں جنبہ ہے۔ یعنی سفراء میں دو جنبے ہوتے ہیں۔ ایک جنبہ کمالِ ذاتی ہوتا ہے اور اس جنبہ کی وجہ سے وُہ خدا سے فیوض حاصل کرتے ہیں۔ اور دُوسرا جنبہ بشریت اور مجانست ہے جس کی وجہ سے وُہ خدائی مخلوق کو فیض عطا کرتے ہیں۔ یعنی خدا سے فیض لینے کا جنبہ وُہ کمال ہے جو مخلوق میں نہیں۔ اور اسی لئے مخلوق بذاتِ خود خدا سے فیوض حاصل نہیں کر سکتے۔ کیونکہ خدا انتہائی کمال وبلندی پر فائز ہے اور اس کی مخلوق جہالت وتصور اور عجز کے انتہائی پست درجہ پر ہے۔ اسی لئے ایک درمیانی مخلوق کو خدا نے پیدا کیا ہے اور ان کو ایک ایسا کمالِ ذاتی عطا کیا ہے کہ جس کے ذریعہ وُہ خدا سے فیوض حاصل کرتے ہیں اور بشری جنبہ کی وجہ سے خلقِ خدا کو فیوض عطا کرتے ہیں، عام مخلوق میں۔ یہ ذاتی کمال نہیں ہے۔ ورنہ سفراء کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔ اور یہی وُہ کمال ہے جو سفراء اور مخلوقِ خدا کے درمیان فصلِ ممیز ہے اور یہی وُہ کمال ہے کہ جس کی حقیقت تک عالمین کے عقول نہیں پہنچ سکتے۔

حجتِ خدا یعنی سفراء میں دو جنبے ہیں۔ ایک کا تعلق خدا سے ہے اور دُوسرے کا تعلق مخلوقِ خدا سے اگر ان میں کوئی ایک جنبہ نہ ہو تو وُہ سفیر نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا ان دونوں کے مجموعہ کا نام حجت اللہ ہے۔ اگر مؤلف صاحب کا ترجمہ صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تب بھی سفراء میں ایک کمال ذاتی تسلیم کرنا پڑے گا جس کو علامہ نے تحریر فرما کر یہ ثابت کیا ہے کہ یہ کمال بشر میں نہیں ہے۔ اور ان دونوں کے مجموعہ ہی کو حجتِ خدا کہتے ہیں۔

اس کو اوچھے ہتھیار اور ہتھکنڈے نہ کہیئے بلکہ اس کو احقاق حق اور ابطالِ باطل کہتے ہیں۔ آپ بقلم خود علمائے اعلام اور بقلم خود اہل حق ہو سکتے ہیں لیکن درحقیقت ان القاب کے مستحق نہیں بن سکتے

ع "این خیال تو محال است وجنوں"

نوع اور جنس کا فرق

آپ کو علم ہوگا اور یہ تو معمولی طالب علم بھی جانتا ہے کہ نوع کا اطلاق ان پر ہوتا ہے جن کی حقیقت ایک ہو۔ لہٰذا جب سُفراء اور خلق دونوں کی ایک حقیقت ہوگی تو یہ دونوں ایک نوع کے افراد کہلائیں گے لیکن جب یہ دونوں مختلف الحقائق ہیں تو ان کی جنس ایک ہوسکتی ہے نہ کہ نوع۔ اگر نوع ایک ہوتی تو سفرا کی طرح یہ بھی خدا سے براہِ راست فیوض حاصل کر سکتے۔ مگر ایسا ناممکن ہے۔ کیونکہ وُہ کمال جس کی وجہ سے سفراء فیوض حاصل کرتے ہیں وُہ عطیۂ خدا ہے نہ کہ اکتسابی۔

جیساکہ امام رضا علیہ السّلام نے شانِ امام بیان فرماتے ہُوئے ارشاد فرمایا ہے:

مخصوصٌ بالفضل کُلّہ من غیر طلب منہ لہ ولا اکتساب بل اختصاص من المفضل الوھاب

یعنی امام کُل فضل کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے اور یہ کل فضل نہ تو خدا سے دُعا مانگنے سے ملتا ہے اور نہ اکتساب اور ذاتی جدوجہد سے۔ بلکہ یہ کل فضل خدائے صاحبِ فضل وعطا کا مخصوص عطیہ ہوتا ہے"۔ اب فرمائیے اگر یہ کمال دعاؤں سے مِل جاتا تو انسان نبی یا امام بنائے جانے کی دُعا کرتا۔ اور اگر اکتسابی ہوتا تو مؤلف صاحب اپنی جدوجہد سے یہ کمال حاصل کرکے نبی و امام بن جاتے۔ مگر آج تک کسی شیعہ عالم نے کیا دیگر علمائے اسلام نے بھی اس مرتبہ کو اکتسابی نہیں کہا۔ شائد مؤلف صاحب اب حجتہ الاسلام والمسلمین بننے کے بعد اس کمالِ الٰہی کا اکتساب کرکے نبی و امام بننے کی کوشش کرنا چاہتے ہیں۔ تاکہ ان کی اور سفراء خدا کی نوع ایک ثابت ہوجائے۔ ابھی تک ان کی یہ کوشش ہے کہ پہلے انبیاء و آئمہ کو اپنی نوع ثابت کردیں۔ جب مؤلف صاحب اور حضرات انبیاء و آئمہ طاہرین کی نوع ایک ثابت ہوجائے گی تو پھر نبی یا امام بننے کے لئے صرف ایک ہی زینہ باقی رہ جائے گا۔ وُہ بھی رفتہ رفتہ منوالیا جائے گا۔

جیساکہ انبیاء و آئمہ طاہرین علیہم السلام کو صرف شرعی علوم وہدایت میں محدود کرکے اس نوع کے افرادِ کاملہ بتایا جارہا ہے یعنی ان کو بڑا عالمِ شریعت اور بڑا مجتہد و مفتی کا درجہ دیا جارہا ہے اور امورِ تخلیق و تکوین سے ان کو بالکل معرا ثابت کیا جارہا ہے اور خرقِ عادت کو صرف فعلِ خدا قرار دے کر ایک مجبر کو بھی ان کے مساوی قرار دیا جارہا ہے۔ حالانکہ یہ قطعاً غلط ہے۔ کیونکہ ان حضرات میں خرقِ عادت و معجزات و کرامات وغیرہ کی قوت کا خالق یقیناً خدا ہے۔ مگر اس قوت کا استعمال نبی و امام خود کرتا ہے اور وُہی متلبس بالفعل ہوتا ہے جیساکہ ہم آئندہ پیش کریں گے۔

نیز حضرت حجت عجل اللہ فرجہ کی توقیع مبارک سے بھی اس کمال ذاتی کی وضاحت ہوتی ہے جس کی وجہ سے محمد و آلِ محمد علیہم السلام کی نوع جداگانہ ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ صاحب الامر عجل اللہ فرجہ کا ارشاد ہے (احتجاج طبرسی) ان اللہ تعالٰی لم یخلق الخلق عبثا ولا اھملھم سدی .... ثم بعث الیھم

بالحواس مدرك به فمتحدة الحواس ممثلا فهو مخلوق ولابد من اثبات صانع الاشيا خارجاعن الجهتين المذموتين احدهما النفي اذكان النفي هو الابطال والعدم والجهة الثانية التشبيه بصفة المخلوق الظاهر التركيب والتاليف فلم يكن بد من اثبات الصانع لوجود المصنوعين والاضطرار منهم اليه انهم مصنوعون وان صانعهم غيرهم وليس مثلهم شبيها بهم في ظاهر التركيب والتاليف وفيما يجري عليهم من حدوثهم بعد ان لم يكونوا وتنقلهم من صغر الى كبر و سواد الى بياض وقوة الى ضعف واحوال موجودة لاحاجة بنا الى تفسيرها لثباتها ووجودها. قال السائل فانت قد حددته اذا اثبت وجوده قال ابوعبدالله لم احدده ولكني اثبته اذ لم يكن بين الاثبات والنفي منزلة. (احتجاج طبرسی ص۱۷)

ہشام بن حکم بیان کرتے ہیں کہ ایک زندیق ملحد یعنی منکر شریعت حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے حضرت سے کچھ سوالات کئے اس کا ایک سوال یہ تھا کہ صانع عالم کے وجود کی کیا دلیل ہے۔ امام علیہ السلام نے فرمایا یہ ہمارے "کام" جو تمہارے سامنے موجود ہیں دلالت کرتے ہیں کہ ان کاموں کا کرنے والا کوئی ضرور ہے۔ کیا تم اس بات کو نہیں سمجھتے ہو کہ تم جب ایک مکان تعمیر شدہ کو دیکھتے ہو تو تم یقین کر لیتے ہو کہ اس کا بنانے والا کوئی ضرور ہے، اگرچہ تم نے بنانے والے کو دیکھا نہیں ہے اور نہ یہ تمہارے سامنے اس نے بنایا ہے۔ زندیق نے عرض کی "وُہ ہے کیا؟" یعنی خدا کیا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ وُہ ایک شئے ہے جو تمام اشیاء کے خلاف اور اُن سے جدا ہے۔ اے زندیق جب میں نے یہ کہا کہ وُہ ایک شئے ہے تو اس سے میرا مطلب یہ ہے کہ میں نے ایک ہستی کا اثبات کیا ہے یعنی یہ بتایا ہے کہ ایک ہستی ہے جو حقیقت رکھتی ہے۔ اور جب میں نے یہ کہا کہ وُہ تمام اشیاء کے خلاف اور اُن سے جدا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ نہ وُہ جسم ہے اور نہ صورت۔ نہ محسوس ہے اور نہ ملموس۔ اور نہ وُہ حواس خمسہ کے ذریعہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ یعنی قوتِ لامسہ، قوتِ باصرہ، قوتِ سامعہ، قوتِ ذائقہ، قوتِ شامہ کے ذریعہ اس کو پایا نہیں جا سکتا بلکہ ہمارے اوہام اس کو نہیں حاصل کر سکتے۔ اور ماہ و سال اور صدیاں اس کو ناقص نہیں کر سکتے۔ اور گردش لیل و نہار سے اس میں تغیر نہیں ہو سکتا یعنی دَہر و زمانہ اس میں تبدیلی نہیں کر سکتا۔ یہ سُن کر سائل نے عرض کی تو پھر وُہ موہوم ہو گیا۔ اور جو موہوم ہوتا ہے وُہ مخلوق ہوتا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ اگر ایسا ہی ہو جیسا تم کہتے ہو یعنی ہر موہوم مخلوق ہو اور ہر متصور مصنوع ہو، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ توحید کا اعتقاد و تصور ہمارے لئے ناممکن و محال ہو جائے۔ کیونکہ ہمیں یہ تکلیف تو دی نہیں گئی کہ ہم ایسی چیز کا اعتقاد رکھیں کہ جو موہوم ہی نہ ہو سکے اور اس کا تصور ہی محال ہو۔ بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ ہر موہوم و متصور جس کو ہمارے حواس خمسہ پا سکیں اور ہمارے حواس کے ذریعہ محسوس ہو سکے اور اس کی حد بندی ہمارے حواس کر سکیں اور اس کو

مثال میں لاکر مشخص و معین کر سکیں تو وُہ یقیناً مخلوق ہوگا۔ اور یہ امر ضروری ہے کہ صانع عالم دو مذموم جہتوں سے خارج اور جدا ہو۔ اس میں یہ دُو عیب اور نقص نہ ہوں۔

ایک جہت نفی ہے یعنی ابطال، یعنی عدم، یعنی نہ ہونا۔ کیونکہ جس کا وجود ہی نہ ہو وُہ کسی چیز کو وجود میں نہیں لاسکتا۔ لہٰذا جو صانع اشیاء ہوگا اس کے لئے نفی و عدم یعنی ابطال نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا اس کا وجود ضروری ہے اور وُہ ابطال و عدم کی جہت سے خارج ہے۔ یعنی معدوم نہیں ہے۔

اور دُوسری جہت تشبیہہ ہے۔ یعنی مصنوع کے مثل اور مخلوق کی طرح نہ ہو۔ کیونکہ مخلوق میں ظاہر بظاہر ترکیب و تالیف موجود ہے۔ یعنی ایسے اجزاء موجود ہیں جن سے یہ مرکب ہوتا ہے۔ اور جن کے ملانے سے اس کا وجود ہوا ہے۔ جیسا کہ مشاہدہ ہے۔ اور مخلوق و مصنوع اشیاء کا وجود اور ان کا قہری طور پر یہ اظہار کہ ان کا کوئی بنانے والا ضرور ہے جو ان کا غیر اور اُن سے جدا ہے، اور وُہ ان جیسا نہیں ہے بلکہ اُن کے علاوہ ہے، لازمی طور پر یہ ثابت کرتا ہے کہ ان کا صانع موجود ہے جس نے ان کو بنایا ہے اور وُہ ان کے مثل نہیں ہے، کیونکہ اگر ان ہی کی طرح ہوگا۔ تو وُہ بھی ان ہی کی طرح اپنے بنانے والے کا محتاج ہوگا اور اسے ان ہی کی طرح اپنی تالیف و ترکیب میں صانع کی ضرورت ہوگی۔ اور جس طرح یہ پہلے نہ تھے پھر موجود ہوئے اور یہ بدلتے رہے کبھی چھوٹے سے بڑے ہوئے، کبھی سیاہ سے سفید ہوئے، کبھی قوت سے بدل کر کمزور ہوئے، اور اسی طرح ان پر مختلف اور متعدد حالات طاری ہوئے کبھی کس حال میں کبھی کس حال میں جیسا کہ مشاہدہ ہے۔ اور اس کے لئے مزید تشریح و توضیح کی ضرورت نہیں ہے۔ تو اگر ان ہی کی طرح صانع اشیاء بھی ہوگا۔ اور اس صفت تغیر و تبدل میں ان کے مشابہ ہوگا۔ تو وُہ بھی ان ہی کی طرح صانع کا محتاج ہوگا۔ لہٰذا دو امر تسلیم کرنے پڑیں گے۔ ایک تو یہ کہ صانع اشیاء موجود ہے معدوم نہیں ہے، یعنی ابطال و نفی سے خارج ہے۔ اور دوسرا امر یہ کہ صانع اشیاء ان مصنوعین و مخلوقین کے مشابہ نہیں ہے لہٰذا صانع عالم ابطال و تشبیہہ مخلوق دونوں جہتوں سے خارج ہے۔ یعنی نہ تو وُہ معدوم ہے اور نہ مخلوق کے مانند ہے۔

سائل نے عرض کی یا حضرت آپ نے تو خدا کی تحدید یعنی حد بندی کر دی۔ کیونکہ آپ نے اس کا وجود ثابت کیا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ اے زندیق میں نے اس کی تحدید یعنی حد بندی نہیں کی ہے۔ بلکہ اس کا اثبات کیا ہے یعنی اس کا وجود ثابت کیا ہے اور اس کے ابطال و نفی کی رد کی ہے۔ اور تو اتنا بھی نہیں جانتا، کہ نفی اور اثبات کے درمیان کوئی تیسری چیز نہیں ہے۔ کیونکہ عقلاً ہر شئے یا موجود ہوگی یا معدوم۔ اگر موجود ہے تو اس کے لئے لفظ اثبات ہے، اور اگر معدوم ہے تو اس کے لئے لفظ نفی ہے، اور ان دونوں کے درمیان کوئی تیسرا درجہ نہیں ہے۔ امام کی اس حدیث سے اب آپ سمجھے کہ تحدید کیا ہے اور نفی و اثبات کیا ہے؟ یعنی نفی و اثبات تحدید نہیں ہے۔ کیونکہ تحدید کسی شئے کی حقیقت کی حد بندی کا نام ہے نہ کہ اثبات و نفی کا۔!

ہم نے حضرت صادق آل محمد علیہم السلام کے حکیمانہ ارشاد حق بنیاد کو سمجھانے کے لئے ترجمہ میں تشریحات

النبیین علیھم السلام .... و بائن بینھم و بین من بعثھم الیھم بالفضل الذی لھم علیھم و ما اتاھم الدلائل الظاھرۃ .... فمنھم من جعل النار علیہ بردا و سلاما .... و منھم من احی الموتی باذن اللہ و ابرالاکمہ والابرص باذن اللہ ۔ الخ

خلاصہ ترجمہ :۔ خداوند عالم نے مخلوقات کو فضول اور عبث پیدا نہیں کیا اور نہ بے لگام چھوڑا ہے۔ پھر خدا نے انبیاء کو ان کی طرف بھیجا ہے اور جن کو مبعوث کیا ہے ان میں اور جن کی طرف بھیجا ہے ان کے درمیان میں اپنے ایک فضل کے ذریعہ فصل اور جُدائی کر دی ہے اور اُن کو معجزات عطا کئے ہیں۔

مؤلف صاحب کی حد بندی یا معنی تحدید سے لاعلمی

مؤلف صاحب نے اپنی شانِ علم اور اپنے اجتہاد کا رُعب بٹھانے کے لئے عوام کو دھوکا دیا ہے۔ اور آئمہ طاہرین علیہم السلام کے کمالِ ذاتی کو چھپانے کے لئے اور اپنی نوع کے افراد کاملہ ثابت کرنے کے لئے طالبعلموں کو مرعوب کیا ہے۔ ہم کلام معصومؑ سے اثبات و نفی اور تحدید میں فرق پیش کرتے ہیں جو ان صاحبان کے عقول سے بالاتر ہے۔ ان کی گردانیں اس حقیقت کو نہیں پاسکتیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے مسئلہ تحدید کو ایک زندیق سے گفتگو کے دوران واضح فرمایا ہے اور نفی و اثبات اور تحدید میں فرق سمجھایا ہے جس کے سمجھنے سے زندیق قاصر تھا، اور وہ وہی سمجھتا تھا جو آجکل کے یہ صاحبان سمجھ رہے ہیں اور زندیق کے خیالات کو اپنا رہے ہیں۔

صادق آلِ محمدؐ کی حدیثِ مبارک

(اثبات و نفی اور تحدید میں فرق)

عن هشام بن الحکم انه قال من سوال الزندیق الذی اتی اباعبداللہ قال ما الدلیل صانع العالم فقال ابو عبداللہ علیہ السلام وجود الافاعیل التی دلت علی ان صانعھا صنعھا الا تری انک اذا نظرت الی بناء مشید مبنی علمت ان له بانیاً و ان کنت لم ترالبانی ولم تشاھدہ قال و ما ھو قال شئ بخلاف الاشیاء ارجع بقولی شئ الی اثباته و انه شئ بحقیقة الشیئیة غیر انه لاجسم ولا صورۃ ولا یحس ولا یجس ولا یدرک بالحواس الخمس لاتدرکه الاوھام ولا تنقصه الدھور ولا یغیرہ الزمان۔ قال السائل فانا لم نجد موھوما الا مخلوقا، قال ابو عبداللہ علیہ السلام لو کان ذلک کما تقول لکان التوحید منا مرتفعا لانا لم نکلف ان نعتقد غیر موھوم لکنا نقول کل موھوم

وتوضیحات کر دیئے ہیں کیونکہ لفظی ترجمہ مؤلف صاحب کی بھی سمجھ میں نہ آتا۔ ہم نے مؤلف "اصُول الشریعۃ" کا ایک ترجمہ اصُولِ الشریعہ میں دیکھا ہے جو بالکل غلط اور لاعلمی کی دلیل ہے۔

چنانچہ موصوف نے حضرت شاہ عبدالعظیم رحمۃ اللہ کی مندرجہ ذیل عبارت کا جو ترجمہ لکھا ہے وُہ بالکل غلط ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مترجم صاحب اس کلام کو سمجھ ہی نہ سکے۔

حضرت شاہ عبدالعظیم رحمۃ اللہ علیہ نے عقیدۂ توحید کے سلسلہ میں فرمایا ہے، "خارج عن الحدین حدالابطال وحدالتشبیہ"۔ اس کا ترجمہ مؤلف صاحب یُوں فرماتے ہیں ملاحظہ کیجئے:

(غلط ترجمہ)

وُہ ابطال و تشبیہ کی دونوں حدوں سے خارج ہے۔ نہ تو بالکل معطل ہے اور نہ ہی مخلوق کی مانند ہے۔ (اصول الشریعہ ص۳۰)

مؤلف صاحب کا یہ مطلب خیز ترجمہ قطعاً غلط اور نافہمی کا ثبوت ہے۔ "ابطال" کا مطلب "بالکل معطل" بے خبری کی دلیل ہے اور متکبرانہ دعوائے اجتہاد کا کرشمہ ہے۔

مؤلف صاحب کو معلوم ہونا چاہئے کہ جناب شاہ عبدالعظیم رحمۃ اللہ علیہ نے یہ جملہ حضرت صادق آلِ محمدؐ علیہم السلام کے کلام حقیقت انضمام سے لیا ہے۔ حضرت نے فرمایا ہے "خدا دو حدوں سے خارج ہے۔ ایک حد ابطال یعنی نفی اور دوسری حد تشبیہ بالمخلوقین"۔ مگر مؤلف صاحب نے ابطال کا ترجمہ فرمایا ہے "خدا بالکل معطل نہیں ہے"۔ یعنی مطلب یہ ہوا کہ خدا کچھ معطل ہے، بالکل معطل نہیں ہے۔ لیکن قابلِ غور امر یہ ہے کہ ان دونوں میں ربط کیا ہوا۔ کہ خدا نہ تو "بالکل معطل" ہے اور نہ مخلوق کی مانند ہے۔ بحث تو وجودِ خدا کی ہے نہ کہ تفویض و تعطیل کی۔ اس کا واضح مقصد تو صرف یہ ہے کہ خدا موجود ہے۔ مگر مخلوق کی مانند نہیں ہے۔ یعنی خدا ابطال و نفی کی حد سے بھی خارج ہے، اور مخلوق کی تشبیہ کی حدود سے بھی خارج ہے۔ یعنی وُہ معدوم نہیں، موجود ہے۔ مگر مخلوق کے مانند نہیں ہے۔

مؤلف صاحب نے امام کے کلام کو سمجھا ہی نہیں، یا یہ ترجمہ علماء و خطباء اور واعظین و ذاکرین کی مخالفت میں کیا ہے۔ کیونکہ مدح خوانان اہلبیت طاہرین علیہم السلام ان حضرات کے فضائل و مناقب بیان کرتے ہیں اور ان کو مشکل کشا اور حاجت روا تسلیم کرتے ہیں؛ اور یہ فضائل مؤلف صاحب کو ناپسند ہیں۔ اس لئے انہوں نے فرمایا کہ خدا "بالکل معطل نہیں" ہے۔ یعنی خود کارساز ہے اور خود مشکل کشا اور حاجت روا ہے۔ لہٰذا آئمہ طاہرینؑ کو مشکل کشا اور حاجت روا ماننے کی ضرورت ہی نہیں۔

حالانکہ ہمارا عقیدہ ہرگز یہ نہیں ہے کہ خدا بالکل معطل یا کچھ معطل ہے۔ ہم تو خدا ہی کو قادرِ مطلق اور علیٰ کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر مانتے ہیں۔ اور آئمہ طاہرین علیہم السلام جو کچھ کرتے ہیں یہ قوت و طاقت ان کو خدا ہی نے عطا

کی ہے۔ یہ حضرات مظہرِ عجائب و غرائب خداوندی ہیں۔

ہمارے ان بیانات کو جو ناصبی ہوں گے وُہ کہاں برداشت کرسکتے ہیں۔ وُہ تو محمد و آلِ محمد علیہم السلام کو اپنی نوع میں داخل کریں گے؛ اور جیسے وُہ خود مجبور و مقہور ہیں ان کو بھی ویسا ہی ثابت کرنا چاہیں گے۔ اور حجت اللہ کی نیابت کے دعویدار ہو کر حجۃ الاسلام والمسلمین بننے کے لئے حجت خدا کو اپنی نوع میں داخل کرکے اپنی حجیت ثابت کریں گے۔ اور چونکہ ایسے لوگ نہ مشکل کشا ہیں اور نہ حاجت روا؛ اس لئے جن کی نیابت کا دعویٰ کرتے ہیں ان کو بھی اپنی طرح صرف عالم شریعت اور مفتیٔ دین کا ذرا بلند درجہ دے کر کہیں گے، کہ آئمہ طاہرین علیہم السلام ہماری ہی نوع کے افراد کاملہ ہیں۔ اور بس۔ ان کا تعلق تکوین و تخلیق سے نہیں ہے جیسے مؤلف صاحب نہ مشکل کشا ہیں نہ حاجت روا۔

حالانکہ حجت اللہ خدا کا نائب و خلیفہ ہے؛ اس کا قول و فعل خدا کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ تو کیا یہ لوگ حجۃ الاسلام بن کر اپنا قول و فعل اسلام کے سر تھوپنا چاہتے ہیں۔ اور حجت اللہ کی طرح منصوص من اللہ بننا چاہتے ہیں۔

دراصل یہ لوگ مدرسوں میں تعلیم و تعلم کے ذریعہ فنون حاصل کر لیتے ہیں اور علمِ حقیقی جو درس و تدریس اور تعلیم و تعلم سے حاصل نہیں ہوتا؛ اس سے محروم ہیں۔ کیونکہ وُہ ایک نُور ہے خدا جس کے لئے چاہتا ہے، اس کے دل میں خود داخل کر دیتا ہے۔ اور وُہ نور صرف حضرات معصومین علیہم السلام کے ذوات مقدسہ سے حاصل ہوتا ہے۔ مگر جو صَرف و نحو اور دیگر ایسے ہی فنون میں ید طولیٰ رکھتے ہیں وُہ چونکہ علم و معرفتِ حقیقی سے بہت دُور ہیں اور انہیں علوم انبیاء و اولیاء و آئمہ طاہرین علیہم السلام حاصل کرنے کا موقعہ ہی نصیب نہیں ہوتا اور نہ ان کو معاندین و مخالفینِ آئمہ معصومین علیہم السلام کے اعتراضات و الزامات کے دفاع کی نعمت ملتی ہے اور نہ ان حضرات کے فضائل و مناقب کے بیانات کی لذت نصیب ہوتی ہے، اور نہ ان کو مدح و ثنائے اہلبیت کا شرف حاصل ہوتا ہے۔

اس لئے یہ لوگ علومِ محمد و آلِ محمد علیہم السلام سے ناواقف ہیں اور علومِ اہلبیت علیہم السلام کی خوشبوؤں سے ان کے دماغ معطر نہیں ہوئے ہیں۔ یہ تو ایک کنوئیں کے مینڈک یا کسی تالاب کے کچھوے ہیں؛ ان کو حضرات محمد و آلِ محمد علیہم السلام کی معرفت کے بحرِ مواج کے کنارہ پر بھی جانا نصیب نہیں ہوا ہے۔ ورنہ انہیں معلوم ہوتا کہ حقیقی علماء محمد و آلِ محمد ہیں اور علم حقیقی وہی ہے جو خدا نے انہیں عطا فرمایا ہے۔ اور ہم نے جو کچھ ان حضرات سے حاصل کیا ہے وُہ ہدایت ہے۔ اس لئے یہ لوگ ہمارے بیانات کو کہاں برداشت کر سکتے ہیں۔ اور چونکہ محمد و آلِ محمد علیہم السلام کی شان میں براہِ راست تو قدح کر نہیں سکتے۔ اس لئے ان کے خطباء و علماء اور واعظین و ذاکرین پر غیظ و غضب اور اپنا غصہ اُتارتے ہیں اور ان مادحینِ اہلبیت علیہم السلام کی توہین و تذلیل کرتے ہیں، اور ایسی ایسی نُو تصنیف گالیاں دیتے ہیں کہ گویا ستاب کے پوتے ہیں۔

درحقیقت جو لوگ ایسی حرکتیں کرتے ہیں وہ اپنے آپ کو ناصبیوں کے زمرہ میں خود شامل و داخل کرتے ہیں کیونکہ دُنیا میں کوئی ایسا مُسلمان نہیں مل سکتا جو محمدؐ و آلِ محمدؐ علیہم السلام پر درُود و سلام بھی بھیجتا ہو اور پھر اُن سے بغض و عداوت کا اعلان و اظہار کرے۔

لہٰذا ناصبی کے معنی یہ نہیں ہیں کہ جو ان حضرات سے بغض و عناد اور دشمنی و عداوت کا اظہار کرے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اہلبیتؑ کے دوستوں اور موالیوں سے بغض و عناد اور دشمنی و نفرت کا اظہار کرے اور اہلبیت طاہرین علیہم السلام کو گالیاں دینے کی تو جسارت و جرأت نہیں کر سکتا، البتہ ان کے مدح خوانوں اور ذاکرین اور ان کے ثنا گویوں اور خطباء و واعظین کو اپنی دشنام کا نشانہ بنا کر اپنی آتش بغض و حسد کو ٹھنڈا کرے۔

چنانچہ ناصبی کے یہی معنی اہلبیت طاہرین علیہم السلام نے بتائے ہیں۔ ہم اس کے ثبوت میں حدیث معصومؑ پیش کرتے ہیں۔

تحقیق معنی ناصبی!

اختلف فی تحقیق الناصبی فزعم البعض ان المراد من نصب العداوۃ لاھل البیت و زعم اٰخرون انہ من نصب العداوۃ لشیعتھم وفی الاحادیث مایصرح بالثانی فعن الصادق علیہ السلام انہ لیس الناصب من نصب لنا اھل البیت لانہ لاتجد رجلا یقول انا ابغض محمدؐ و اٰل محمدؐ ولکن الناصب من نصب لکم وھو یعلم انکم تولونا وانتم من شیعتنا (مجمع البحرین)

ترجمہ:۔ ناصبی کے معنی کی تحقیق میں اختلاف پایا گیا ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ ناصبی اُس شخص کو کہتے ہیں جو اہلبیت علیہم السلام سے عداوت کا اظہار کرے۔ اور بعض دیگر حضرات کا یہ گمان ہے کہ ناصبی اس شخص کو کہتے ہیں جو اہلبیت علیہم السلام کے دوستوں اور موالیوں سے دشمنی و عداوت کرے۔ احادیث معصومین علیہم السلام میں دوسرے معنی کی تصریح ملتی ہے یعنی ناصبی وہ شخص ہے جو اہلبیت علیہم السلام کے دوستوں سے دشمنی کرے۔ چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ناصبی وہ نہیں ہے جو ہم اہلبیتؑ سے دشمنی کرے۔ کیونکہ تم کبھی ایسا مردِ مسلم نہیں پاؤ گے جو یہ کہتا ہو کہ میں محمدؐ و آلِ محمدؐ سے بغض رکھتا ہوں۔ بلکہ ناصبی وہ شخص ہے جو تم سے دشمنی کرتا ہے۔ اور وہ خوب جانتا ہے کہ تم لوگ ہم سے محبت رکھتے ہو اور تم ہمارے شیعہ شمار ہوتے ہو (مجمع البحرین)

اہلبیت طاہرین علیہم السلام کے ارشاد سے ثابت ہے کہ ناصبی وہ شخص ہے کہ جو اہلبیتؑ کے دوستوں

اور ان کے موالیوں، ان کے مدح خوانوں، ان کے خطیبوں، ان کے ذاکروں سے دشمنی رکھتا ہے۔ اور صرف اس لئے گالیاں دیتا ہے کہ مادحین و ذاکرین اور خطبا، و علما حضرات اہلبیت طاہرین علیہم السلام کے ایسے بلند فضائل اور مراتب بیان کرتے ہیں جن کو ناصبی پسند نہیں کرتا اور غلو غلو کہہ کر غلط ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے اور غالیوں کی مذمت میں جو روایات وارد ہوئے ہیں ان کو علما، وذاکرین اہلبیت علیہم السلام پر چسپاں کرتا ہے اور عوام کو دھوکا دینے کے لئے اپنے لئے بڑے بڑے القاب بقلم خود لکھ کر اپنے علم سے مرعوب کرتا ہے۔

درحقیقت اس کو اپنے علم پر غلط ناز ہے اور اسی تکبر میں مبہوت ہو کر خود کو وحید الدہر اور فرید العصر ثابت کرنے کا خواب دیکھتا ہے۔ مگر فوق کل ذی علم علیم کی روشنی میں اس کی جہالت کا پردہ چاک ہو جاتا ہے۔ ابھی تک اس کو غلو کے معنی کا پتہ نہیں ہے۔ لہٰذا ہم تحقیق معنیٔ غلو پیش کر کے اس کے اجتہاد کی دھجیاں اُڑاتے ہیں۔

تحقیق معنیٔ غلو قرآن وحدیث کی روشنی میں

پہلے لفظ غلو کا مطلب اور اس کے معنی سمجھیئے۔ مجمع البحرین میں مندرجہ ذیل تشریح درج ہے:۔

الغلاة هم الذين يغالون فى على ويجعلونه ربا۔ والغالى من يقول فى اهل البيت مالا يقولون فى انفسهم كمن يدعى فيهم النبوة والالهية۔!

ترجمہ:۔ غالی وُہ ہیں جو حضرت علی علیہ السّلام کی شان میں زیادتی کر کے رب کا درجہ دیتے ہیں۔ نیز غالی اس شخص کو کہا جاتا ہے جو اہلبیتؑ کی شان میں وُہ باتیں کہے جو انہوں نے اپنے لئے نہیں فرمائی ہیں۔ جیسے کوئی شخص یہ کہے کہ اہلبیت علیہم السلام نبی ہیں۔ یا یہ کہے کہ یہ حضرات خدا ہیں۔" اس تحقیق سے معلوم ہُوا کہ غالی وُہ شخص ہے جو اہلبیت کو خدا کہے، یا وُہ باتیں کہے جو انہوں نے اپنے لئے نہیں کہی ہیں۔ مثلاً انہوں نے اپنے لئے نبی کا استعمال نہیں کیا۔ لہٰذا جو انہیں نبی کہے وُہ غالی ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللّٰهِ إِلَّا الْحَقَّ۔ إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَىٰ مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِنْهُ۔ (سورۃ النسا،)

اے اہل کتاب! اپنے دین میں غلو نہ کرو۔ اور خدا پر حق کے سوا کوئی بات مت تھوپو۔ جنابِ مسیحؑ فرزند مریمؑ صرف اللہ کا رسول اور اس کا وُہ کلمہ تھے جس کو مریم کی طرف القا کیا تھا اور اللہ کی پیدا کردہ رُوح تھے۔" اس کی تفسیر میں آئمہ طاہرین علیہم السلام نے جو کچھ فرمایا ہے وُہ مندرجہ ذیل سطور میں پیش کیا جاتا ہے:۔

پہلی حدیث:۔ قال امیر المومنین لا تجاوزوا بنا العبودیۃ ثم قولوا ما شئتم ولن تبلغوا وایاکم والغلو کغلو النصاریٰ فانی برء من الغالین۔ (احتجاج طبرسی ص۲۲۴)۔

"حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ہمیں عبودیت کے درجہ سے نہ ہٹاؤ پھر جو چاہتے ہو ہماری شان میں بیان کرو۔ مگر پھر بھی تم ہماری شان کی حد تک نہیں پہنچ سکتے۔ اور دیکھو غلو سے بچو اور غلو نہ کرو جو نصاریٰ نے کیا ہے کہ عیسیٰ بن مریم کو خدا بنا لیا ہے۔ کیونکہ میں ایسا کرنے والوں سے بے تعلق ہوں۔"

دوسری حدیث:۔ قال اللہ تعالیٰ لا تغلوا فی دینکم ولا تقولوا علی اللہ الا الحق۔ وقال امیر المومنین علیہ السلام اللھم انی بری من الغلاۃ کبرائۃ عیسی بن مریم من النصاریٰ اللھم اخذ لھم ابداً ولا تنصر ھم احداً۔ (بحار الانوار ج۷، ص۳۴۴)

خداوند عالم نے فرمایا ہے کہ دین میں غلو نہ کرو۔ اور خدا کے ذمہ حق کے سوا کوئی بات نہ لگاؤ اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ میں غالیوں سے بری ہوں جس طرح عیسیٰ بن مریمؑ نے نصاریٰ سے برأت کی تھی۔ یا اللہ ایسے لوگوں کو ہمیشہ ذلیل کر اور ان میں سے کسی کی مدد نہ کر۔"

تیسری حدیث:۔ عن ابی خالد الکابلی قال سمعت علی بن الحسین صلوات اللہ علیھما یقول ان الیھود احبوا عزیرا حتی قالوا افلا عزیر منھم ولا ھم من عزیر۔ وان النصاریٰ احبوا عیسی بن مریم حتی قالوا فیہ ما قالوا فلا عیسیٰ منھم ولا ھم من عیسیٰ وانا علیٰ سنۃ من ذالک ان قوما من شیعتنا سیحبونا حتیٰ یقولوا فینا ما قالت الیھود فی عزیر وما قالت النصاریٰ فی عیسی بن مریم فلا ھم منا ولا نحن منھم۔ (بحار ج۷ ص۳۴۶)

ابو خالد کابلی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے یہ بات سنی ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہودیوں نے حضرت عزیر سے محبت کی اور اُن کے لئے وُہ درجہ بیان کیا جو بیان کیا۔ (یعنی خدا کہا) پس نہ عزیر اُن میں سے ہیں اور نہ وُہ عزیر سے ہیں یعنی بے تعلق ہیں۔ اور نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم سے محبت کی اور اُن کے لئے کہا جو کہا یعنی خدا۔ پس عیسےٰؑ اُن میں سے نہیں اور نہ وُہ عیسیٰ میں سے ہیں۔ اور میرا بھی یہی حال ہے کہ ایک گروہ ہمارے شیعوں میں سے ہم سے محبّت کرے گا اور میرے لئے وہی کہے گا جو یہودنے عزیر کے لئے اور نصاریٰ نے عیسےٰ کے لئے کہا۔ وُہ گروہ ہم میں سے نہیں اور نہ ہم ان میں سے ہیں۔"

چوتھی حدیث:۔ عن کامل التمار قال کنت عند ابی عبد اللہ علیہ السلام ذات یوم فقال لی یا کامل اجعل لنا ربا نؤب الیہ وقولوا فینا ما شئتم۔ (بحار ج۲۵ ص۳۴۷)
کامل تمار کا بیان ہے وہ کہتے ہیں کہ میں ایک دن حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا۔ حضرت نے فرمایا کہ اے کامل ہمارے لئے ایک رب تسلیم کرو جس کی طرف ہم رجوع کرتے ہیں۔ اس کے بعد جو تمہارا جو دل چاہے ہماری شان میں بیان کرو۔
اس حدیث سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ کچھ لوگ اہلبیت طاہرینؑ کو خدا مانتے تھے اور ان کے لئے کوئی خدا تسلیم نہیں کرتے تھے۔ ایسے ہی لوگوں کو غالی کہا گیا ہے۔ لہٰذا جو مومنین حضرات آئمۂ طاہرین علیہم السلام کو خدا نہیں کہتے بلکہ ان کے لئے بھی خدا تسلیم کرتے ہیں اور ان حضرات کو خدا کا عبد مانتے ہیں وہ ہرگز غالی نہیں ہیں۔ اور امام علیہ السلام نے صاف طور پر فرمایا ہے کہ ہمارے لئے خدا تسلیم کرو، اور پھر جو چاہو ہماری شان میں بیان کرو۔
پانچویں حدیث:۔ عن ابان بن عثمان سمعت ابا عبد اللہ علیہ السلام یقول لعن اللہ عبد اللہ بن سبا انہ ادعی الربوبیۃ فی امیر المؤمنین علیہ السلام وکان واللہ امیر المؤمنین علیہ السلام عبد اللہ طائعاً۔ الویل لمن کذب علینا و ان قوماً یقولون فینا ما لا نقولہ فی انفسنا نبرأ الی اللہ منہم نبرأ الی اللہ منہم۔ (بحار ج۲۵ ص۳۴۵)
ابان بن عثمان کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی زبان مبارک سے سُنا کہ آپ نے عبد اللہ بن سبا کو ملعون کہا اور فرمایا کہ یہ شخص امیر المومنین علیہ السلام کو خدا کہتا تھا حالانکہ خدا کی قسم امیر المومنین علیہ السلام خدا کے فرمانبردار بندہ تھے۔ اس شخص کے لئے ہلاکت ہے کہ جو ہم پر غلط بات تھوپے۔ اور کچھ لوگ ہمارے لئے وہ باتیں کہتے ہیں جو ہم اپنے لئے نہیں کہتے۔ ہم ایسے لوگوں سے بری ہیں، ہم ایسے لوگوں سے بری ہیں، ہم ایسے لوگوں سے بری ہیں۔ اور خدا ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔
چھٹی حدیث:۔ عن ابی جعفر علیہ السلام ان عبد اللہ بن سبا کان یدعی النبوۃ وزعم ان امیر المومنین علیہ السلام ھو اللہ تعالیٰ عن ذالک فبلغ ذالک امیر المومنین علیہ السلام فدعاہ وسئلہ فاقر بذالک وقال نعم انت ھو وقد کان القی فی روعی انک انت اللہ وانی نبی فقال امیر المومنین علیہ السلام ویلک قد سخر منک الشیطان فارجع عن ھذا ثکلتک امک وتب فابی مخبسہ واستتابہ ثلثۃ ایام فلم یتب فاحرقہ بالنار وقال ان

الشیطان استھواہ فکان یاتیہ ویلقی فی روعہ ذالک۔ (بحار الانوار جلد۲۵ ص۲۸۵)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ عبداللہ بن سبا اپنے لئے نبوت کا دعویٰ کرتا تھا اور امیر المومنین علیہ السلام کو خدا کہتا تھا۔ یہ خبر امیر المومنین علیہ السلام تک پہنچی تو آپ نے اس کو بلایا اور اس سے دریافت کیا۔ اس نے اقرار کیا کہ وُہ یہی کہتا ہے۔ اور اس نے صاف کہا کہ اے علی آپ وہی ہیں یعنی خدا ہیں۔ اور میرے دل میں یہ القاء ہُوا ہے کہ آپ ہی خدا ہیں اور میں خود نبی ہوں۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ تجھ پر ہلاکت ہو شیطان نے تجھ سے مذاق کیا ہے۔ یہ خیال چھوڑ دے تجھے تیری ماں روئے۔ توبہ کر۔ اس نے توبہ سے انکار کیا۔ آپ نے اسے تین دن حبس میں رکھا اور توبہ کے لئے حکم دیا۔ مگر اس نے توبہ نہیں کی۔ پس آپ نے اس کو آگ کے دھوئیں میں جلادیا۔ اور فرمایا کہ شیطان نے اس کو اپنی گرفت میں لے لیا تھا اور اس کے پاس آتا رہتا تھا اور یہ عقیدہ اس کو القاء کیا تھا۔

ساتویں حدیث:۔ عن ابی جعفر علیہ السلام قال ان علیاً علیہ السلام لما فرغ من قتال اہل البصرۃ اتاہ سبعون رجلا من الزط فلموا علیہ وکلموہ بلسانھم فرد علیھم بلسانھم وقال لھم انی لست کما قلتم انا عبد اللہ مخلوق قال فابوا علیہ وقالوا انت ھو فقال لھم لئن لم ترجعوا عما قلتم فی وتتوبوا الی اللہ تعالیٰ لاقتلنکم قال فابوا ان یرجعوا ویتوبوا فامر ان یحفر لھم اٰبار فحفرت ثم خرق بعضھا الی بعض ثم قذ فھم فیھا ثم الصب النار فی بئر منھا لیس فیھا احد فدخل الدخان علیھم فماتوا۔ (بحار ج۲۵ ص۲۸۵)

جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ جب حضرت علی علیہ السلام جنگ بصرہ سے فارغ ہوئے تو آپ کی خدمت میں ستر ۷۰ آدمی آئے جو قوم زط سے تھے۔ انہوں نے سلام کے بعد آپ کی خدمت میں اپنی زبان میں گفتگو کی۔ یعنی وُہ لوگ غیر عرب تھے اُن کی زبان عربی نہ تھی۔ حضرت علی علیہ السلام نے ان کو ان ہی کی زبان میں جواب دیا (کیونکہ امام تمام دنیا کی زبانوں کا عالم ہوتا ہے بلکہ پرندوں اور چرندوں کی زبان کو بھی جانتا ہے۔ جیسا کہ آئمہ معصومین علیہم السلام کی احادیث سے ثابت ہے)، اور حضرت علی علیہ السلام نے اُن سے فرمایا کہ میں وُہ نہیں ہوں جو تم سمجھتے ہو۔ مَیں تو خدا کا عبد ہوں اور اسی کا مخلوق ہوں۔ انہوں نے یہ ماننے سے انکار کر دیا اور کہنے لگے کہ نہیں نہیں۔ آپ ہی خدا ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ اگر تم لوگ اپنے اُس عقیدہ سے جو میرے بارہ میں رکھتے ہو علیحدگی نہ کرو گے اور توبہ نہیں کرو گے تو مَیں تمہیں قتل کر دوں گا۔ انہوں نے اس عقیدہ سے باز آنا قبول نہیں کیا اور توبہ

بھی نہیں کی۔ تو حضرت نے کچھ کنوئیں کھدوائے اور کنوؤں کے درمیان سرنگیں بنوائیں اور ایک کنوئیں میں آگ روشن کرائی، اور دوسرے کنوؤں میں اُن کو ڈلوادیا۔ سرنگوں کے ذریعہ دھواں ان کنوؤں میں بھرتا رہا اور اس دھوئیں کی وجہ سے مر گئے۔" (بحار ج ۷، ص ۳۴)

آٹھویں حدیث:۔ محمد بن النصیر النمیری زعم ان الله تعالیٰ لم یظھرہ الا فی ھذا العصر وانہ علیٌ وحدہ فالشرزمۃ النصیریۃ ینتمون الیہ وھم قوم اباحیۃ ترکوا العبادات والشرعیات واستحلوا المنھیات والمحرمات ومن مقالھم ان الیھود علی الحق ولسنا منھم وان النصاریٰ علی الحق ولسنا منھم، (بحار جلد ۷ ص ۳۴۵)

محمد بن نصیر نمیری بصری یہ اعتقاد رکھتا تھا کہ خدا ہر زمانہ میں کسی نہ کسی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اور آجکل خدا حضرت علی کی شکل میں ہے۔ اور صرف علی ہی خدا ہیں۔ نصیری لوگوں میں سے کچھ لوگ اسی محمد بن نصیر کی طرف اپنے کو منسوب کرتے ہیں۔ یہ لوگ اباحیۃ کہلاتے ہیں۔ یعنی سب کچھ مباح جانتے ہیں۔ ان لوگوں نے عبادت چھوڑ دی ہے اور تمام ممنوع اور حرام چیزوں کو حلال سمجھتے ہیں۔ اور یہ کہتے ہیں کہ یہودی حق پر تھے۔ مگر ہم ان میں سے نہیں ہیں۔ اور نصاریٰ بھی حق پر تھے۔ مگر ہم ان میں سے نہیں ہیں۔ (کیونکہ یہودیوں کے اعتقاد میں خدا حضرت عزیر کی شکل میں آیا تھا؛ اور عیسائیوں کے اعتقاد میں خدا حضرت عیسےٰ کی صورت میں آگیا تھا۔ وہ لوگ حق پر تھے۔ اور اب خدا حضرت علی کی صورت میں آگیا ہے لہٰذا ہم بھی حق پر ہیں۔) جو لوگ نصیری کہلاتے ہیں وہ اسی نصیر کی طرف منسوب ہیں جو حلول کا قائل تھا۔

نویں حدیث:۔ وجمیع الائمہ الاحد عشر بعد النبیؐ قتلوا انھم بالسیف و ھو امیر المؤمنین والحسین علیھما السلام والباقون علیھم السلام قتلوا بالسم قتل کل واحد منھم طاغیۃ زمانہ وجری ذالک علیھم علی الحقیقۃ والصحۃ لا کما تقولہ الغلاۃ والمفوضۃ لعنھم الله فانھم یقولون انھم لم یقتلوا علی الحقیقۃ وانہ شبہ للناس امرھم وکذبوا علیھم غضب الله فانہ ما شبہ امر احد من انبیاء الله وحججہ علیھم السلام للناس الا امر عیسیٰ بن مریم وحدہ۔ (بحار ج ۷ ص ۲۸۹)

حضرت رسولِ خدا کے بعد گیارہ امام قتل کئے گئے۔ ان میں دو امام تو تلوار سے شہید ہوئے ایک حضرت امیر المومنین علیہ السلام اور دوسرے امام حسین علیہ السلام اور باقی آئمہؑ

زہر سے شہید کیئے گئے۔ ان کو جابر بادشاہ وقت نے زہر دلوایا۔ اور ان کی یہ شہادت یقیناً اور بالتحقیق ثابت ہے۔ غالیوں نے اس کا انکار کیا ہے خدا ان پر لعنت کرے۔ وہ لوگ کہتے ہیں کہ آئمہ طاہرین ہرگز قتل نہیں ہوئے بلکہ یہ لوگوں کو شبہ میں ڈالا گیا تھا جس طرح حضرت عیسےٰ قتل نہیں ہوئے اور یہودیوں کو شبہ میں ڈال دیا گیا تھا۔ ان غالیوں نے یہ بات قطعاً غلط کی ہے، جھوٹ بولا ہے۔ خدا کا ان پر غضب ہو۔ کیونکہ تمام انبیاء اور آئمہ علیہم السلام میں سے صرف حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے لئے ایسا ہوا ہے کہ ان کو زندہ اٹھایا گیا تھا، اور یہودیوں کو شبہ میں ڈال دیا گیا تھا۔ یہی اعتقاد مفوضہ کا بھی ہے۔"

خواجہ ابوصلت سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ کوفہ میں کچھ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام شہید نہیں ہوئے، عیسیٰؑ کی طرح آسمان پر اٹھا لیئے گئے۔ حضرت نے ان پر لعنت فرمائی اور ان کا تفصیلی جواب ارشاد فرمایا۔ (عیون اخبار رضا ص ۵۳)

دسویں حدیث:۔ قال امیر المومنین علیہ السلام ایاکم والغلو فینا قولوا انا عبید مربوبون وقولوا فی فضلنا ما شئتم۔ (بحار الانوار ج ص ۳۴۰)

حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ غلو سے بچو اور ہمارے بارہ میں یہ کہو کہ ہم بندے ہیں اور خدا کے مربوب ہیں۔ خدا ہمارا رب ہے۔ اس کے بعد جو چاہو ہماری فضیلت بیان کرو۔ غلو کی حدیث کی شرح میں حضرت علامہ مجلسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔ تبیین قولہ علیہ السلام ولن تبلغوا ای بعد ما اثبتم لنا العبودیۃ کل ما قلتم فی وصفنا کنتم مقصرین فی حقنا ولن تبلغوا ما نستحقہ من التوصیف (بحار ج ص ۳۴۲)

حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے جو ارشاد فرمایا ہے کہ ہمیں عبد تسلیم کرتے ہوئے جو چاہو ہماری فضیلت بیان کرو اور تم ہرگز ہماری فضیلت کی حد تک نہیں پہنچ سکتے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس قدر بھی تم ہمارے فضائل اپنی بساط بھر بیان کرو گے اس میں تم مقصر ہی ہو گے۔ یعنی ہماری فضیلت کا حق تم ادا نہیں کر سکو گے جس کے ہم حقدار ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ ان ذوات مقدسہ کی حد بندی قطعاً جہالت ہے، اور عدم معرفت کا ثبوت ہے بلکہ ناصبیت کے آثار میں سے ہے جیسا کہ علامہ کے بیان سے ثابت ہے۔

مؤلف صاحب کی حق پوشی

ہم نے مسئلہ غلو کو ارشادات آئمہ طاہرین علیہم السلام کی روشنی میں بالکل واضح کر دیا ہے اور اب

کسی شک کی گنجائش نہیں ہے اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ ان کو عبد مانتے ہوئے ان کی فضیلت جس قدر بھی بیان کی جائے پھر بھی ان کی فضیلت کا حق نہیں ادا ہو سکتا۔ اور ان کے فضائل و مراتب کی حد مقرر نہیں کی جا سکتی۔ کوئی کتنا ہی بڑا علامہ اور مجتہد ہو، وہ اُن کے فضائل و مراتب کی حد بندی سے عاجز ہی رہے گا۔ اب کس کی مجال ہے کہ ان ذوات مقدسہ کی حد بندی کر سکے۔

مؤلف صاحب نے حضرت علامہ مجلسی رحمتہ اللہ علیہ کی تحقیق معنیٔ غلو کو اپنی کتاب اصول الشریعہ ص۲۶ پر درج کیا ہے مگر اقسام غلو درج کرنے کے بعد علامہ رحمتہ اللہ علیہ نے جو مضمون مراتب اہلبیت سے جاہلوں اور فضائل اہلبیت سے قاصروں کے لئے درج فرمایا ہے اس بیان کو مؤلف صاحب ہضم فرما گئے ہیں۔ کیونکہ اس بیان میں خود مؤلف صاحب کے عقائد کی رد اور ان کے نظریہ کا ابطال ہوتا ہے اور مراتب و مناقبتِ اہلبیت کی عظمت و شان ظاہر ہوتی ہے جس کو یہ لوگ گوارا نہیں کر سکتے۔

ہم اقسام غلو بیان کردہ علامہ مجلسی پیش کرتے ہیں اور اس کے بعد جناب علامہؒ نے اہلبیت کی عظمت و شان بیان کرکے ان لوگوں کے خیالاتِ فاسدہ کی جو رد فرمائی ہے وہ بھی درج کریں گے۔

اقسامِ غلو اور مؤلف صاحب کی بد دیانتی

جناب علامہ مجلسی علیہ الرحمتہ نے غلو کے ممنوعہ اقسام کی فہرست مندرجہ ذیل عبارت میں تحریر فرمائی ہے جس سے نبی یا امام کی شان میں غلو ممکن ہو سکتا ہے۔

اعلم ان الغلو فی النبیؐ والائمۃ علیہم الصلوٰۃ والسلام بالقول بالوہیتہم اویکونہم شرکاء فی المعبودیۃ او فی الخلق والرزق وان اللہ تعالیٰ حل فیہم او اتحد بہم او انہم یعلمون الغیب بغیر وحی والہام عن اللہ تعالیٰ او بالقول فی الائمۃ علیہم السلام انہم کانوا انبیاء او تیسنا سخ ار واح بعضہم الی البعض او القول بان معرفتہم تغنی عن جمیع الطاعات ولا تکلیف معہا بترک المعاصی والقول بکل منہا الحاد و کفر و خروج عن الدین کما دلت علیہ الادلۃ العقلیۃ والآیات والاخبار السالفۃ وغیرہا وقد عرفت ان الائمۃ علیہم السلام تبرؤا منہم وحکموا بکفرہم والقتلہم وان قرع سمعک من الاخبار الموہمۃ لشئ من ذالک فہی اما ماولۃ اوہی من مفتریات الغلاۃ۔ (بحار الانوار ج۔ ص۳۴۵)

جاننا چاہئے کہ نبی اور آئمہ علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شان میں غلو کے مندرجہ ذیل اقسام ہیں:۔ (۱) ان کو خدا کہنا۔ (۲) خدا کی معبودیت یا خلق و رزقِ خدا میں شریک قرار دینا یعنی جس طرح خدا معبود ہے اسی طرح یہ بھی معبود ہیں اور جس طرح خدا خالق و رازق ہے۔ اسی طرح یہ بھی خالق رازق ہیں

(۳) اُن کے اندر خدا کا حلول ماننا۔ (۴) خدا اور ان کو متحد ماننا یعنی خدا اور یہ حضرات مل کر ایک ہو گئے ہیں)۔ (۵) بغیر وحی یا الہام اُن کو عالم الغیب ماننا (۶) آئمہ کو نبی ماننا (۷) ان کے ارواح کا تناسخ ماننا جیسے آریہ لوگ کہتے ہیں کہ روح جسم سے نکل کر دوسرے جسم میں بغرض جزاء داخل ہو جاتی ہے)۔ (۸) ان کی معرفت کو کافی سمجھنا یعنی اُن کی معرفت کے بعد نہ خدا کی عبادت کی ضرورت ہے اور نہ گناہوں کو ترک کرنے کی تکلیف ہے صرف معرفت کافی ہے۔ ان عقائد میں کا ہر عقیدہ کفر و الحاد اور دین سے خروج کا باعث ہے۔ جیسا کہ دلائلِ عقلیہ اور آیات و اخبار مذکورہ سے ثابت ہے۔ اور تم سمجھ چکے ہو کہ آئمہ علیہم السلام نے ایسا عقیدہ رکھنے والوں سے بیزاری فرمائی ہے اور اُن کے کفر کا فیصلہ فرمایا ہے اور اُن کے قتل کا حکم دیا ہے۔ اگر تم کوئی ایسی حدیث سُنو جو ان عقائد مذکورہ میں سے کسی عقیدہ کا وہم پیدا کرنے والی ہو تو اس کی تاویل کر لی جائے گی۔ یا ناقابلِ تاویل کی صورت میں غالیوں کی افترا پردازی قرار دی جائے گی؛

سرکار علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ نے غلو کے مذکورہ بالا اقسام نہایت صراحت و وضاحت کے ساتھ تحریر فرما دیئے ہیں تاکہ ناصبیوں کو اُن ممنوعہ اقسام کے بغیر لحاظ کسی پر فتوئے غلو لگانے کی جسارت نہ ہو۔

ہم ببانگ دہل کہتے ہیں کہ ان اقسامِ غلو میں سے کوئی ایک قسم بھی ہم پر عائد نہیں ہو سکتی کیونکہ ہم اِن ذواتِ مقدسہ کو بغیر وحی یا الہام عالم الغیب نہیں کہتے ہیں، بلکہ ہم قرآن و حدیث کی روشنی میں بتعلیمِ خدا عالم الغیب تسلیم کرتے ہیں۔ اور یہ عقیدہ ہرگز غلو نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یہ "اعتقاد" آیاتِ قرآن و حدیث صحیحہ پر ایمان رکھنے کا نتیجہ ہے۔ اور جو شخص اس کا انکار کرے گا اور ان حضرات مقدسہ کو بتعلیمِ خدا عالم الغیب تسلیم نہیں کرے گا، وہ منکرِ قرآن و حدیث ہے اور اس کے ناصبی ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔

البتہ وہ اپنے ضعفِ ایمان یا لوگوں کے ضعفِ ایمان کی وجہ سے یہ خطرہ محسوس کرے گا کہ اس صفتِ "علم غیب" کی وجہ سے لوگ ان حضرات کو خدا نہ سمجھ لیں، تو ایسا شخص اور ایسے لوگ عالم الغیب نہیں کہیں گے۔ مگر بحمد اللہ کوئی خطرہ نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن ہمارا حامی ہے اور احادیث ہمارے مؤید ہیں۔ اور ایمان و اعتقاد میں ہم کسی بڑے سے بڑے عالم و مجتہد کے بھی مقلد نہیں ہیں۔ ہم خود اپنے قلوب اور اپنی نیتوں کو جانتے ہیں کہ ہم ا[illegible]ذواتِ مقدسہ کو بتعلیمِ خدا عالم الغیب تسلیم کرتے ہیں، اور ہمارا خدا بھی ہمارے نیات کا خوب واقف ہے۔ اسی طرح ہم ان ذواتِ مقدسہ کو خالق و رازق اور محیّ و ممیت اور حاضر و ناظر تسلیم کرتے ہیں مگر اس شرط کے ساتھ کہ خداوندِ عالم نے ان حضرات کو یہ کمالات عطا فرمائے ہیں۔ وہ وحدہٗ لا شریک ہے۔ اور یہ حضرات ان کمالات میں باہم شریک ہیں جیسا کہ آئندہ دلائل و براہین کے ساتھ ہم اس کتاب میں تحریر کریں گے۔ انشاء اللہ

ثم شاء محمدؐ ثم شاء علیؑ۔ ! خدا کے لئے حاضر و ناظر کی صفت کسی حدیث میں نہیں ہے۔

اس کے بعد سرکار علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ نے بالکل متصل بغیر فاصلہ مندرجہ ذیل عبارت تحریر فرمائی ہے جس کو مؤلف صاحب شیر مادر سمجھ کر پی گئے ہیں، اور اپنی نیّت کا خود ہی ثبوت دے دیا ہے۔ اقسامِ غلو کے بعد علامہ علیہ الرحمہ نے نہایت ضروری ہدایات تحریر فرمائے ہیں۔ مگر "اصول الشریعہ" میں پہلا حصہ تو درج کر دیا ہے لیکن دوسرا حصہ اسی مضمون کا اپنی عادت مستمرہ کی وجہ سے نگل گئے ہیں۔ جس کو ہم موالیانِ اہلبیت طاہرین علیہم السلام کی ایمانی جلا کے لئے اور ناصبین کا دل جلانے کے لئے لکھتے ہیں تاکہ ہم دوہرے ثواب کے مستحق ہو جائیں۔ ملاحظہ فرمائیے:۔

ولكن أفرط بعض المتكلمين والمحدثين في الغلو لقصورهم عن معرفة الأئمة عليهم السلام وعجزهم عن ادراك غرائب احوالهم وعجائب شئونهم فقدحوا في كثير من الرواة الثقات لنقلهم بعض غرائب المعجزات حتى قال بعضهم من الغلو نفي السهو عنهم او القول بأنهم يعلمون ما كان وما يكون وغير ذالك مع انه قد ورد ان امرنا صعب مستصعب لا يحتمله الا ملك مقرب او نبي مرسل أو عبد مومن امتحن الله قلبه للايمان وورد لو علم ابو ذر ما في قلب سلمان لقتله وغير ذالك مما مر وسياتي فلا بد للمومن المتدين ان لا يبادر برد ما ورد عنهم من فضائلهم ومعجزاتهم ومعالي امورهم الا اذا ثبت خلافه بضرورة الدين وبقواطع البراهين او الآيات المحكمة او بالاخبار المتواترة كما مر في باب التسليم وغيره۔ (بحار الانوار جلد ۷ ص ۳۶۵)

بعض متکلم اور محدث لوگوں نے غلو کے معنی بیان کرنے میں غلو سے کام لیا ہے کیونکہ آئمہ طاہرین علیہم السلام کی معرفت سے قاصر اور ان کے حیرت انگیز حالات کو سمجھنے اور ان کی تعجب خیز شان کو برداشت کرنے سے عاجز تھے۔ انہوں نے اپنی کم معرفتی کی وجہ سے ان معتبر با وثوق راویوں میں بھی قدح کی ہے جنہوں نے آئمہ طاہرین علیہم السلام کے لئے تعجب انگیز حالات اور حیرت انگیز واقعات و معجزات تحریر کئے ہیں۔ اور ان عاجزوں اور قاصروں اور عاجزوں نے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ آئمہ طاہرین علیہم السلام کے لئے بھول چوک نہ ماننا بھی غلو ہے۔ اور ان قاصروں اور عاجزوں نے یہ بھی کہہ دیا کہ آئمہ طاہرینؑ کو ماکان و مایکون کا عالم ماننا بھی غلو ہے اسی طرح دیگر فضائل و کمالات کو بھی ان قاصروں اور عاجزوں نے غلو کہہ دیا ہے۔

حالانکہ احادیث کثیرہ میں بالتحقیق یہ مضمون موجود ہے کہ خود آئمہ طاہرین علیہم السلام نے فرمایا ہے کہ "تم لوگ ہمیں خدا نہ کہو اور اس کے سوا جو چاہو کہو۔ اور ہماری فضیلت بیان کرو۔ مگر پھر بھی تم لوگ ہرگز ہماری فضیلت کا حق نہیں ادا کر سکتے ہو"۔

اور بالتحقیق ان حضرات کا یہ ارشاد بھی موجود ہے کہ ہماری شان بذاتِ خود مشکل ہے اور اس کا سمجھنا بھی بہت مشکل ہے۔ اس کا بار اٹھانا یا ملک مقرب یا نبی مرسل یا اس عبد مومن کا کام ہے کہ جس کا ایمانی امتحان خدا لے چکا ہو۔ اور بالتحقیق یہ حدیث بھی موجود ہے کہ اگر ابوذرؓ کو اگر معلوم ہو جائے وہ اعتقاد جو سلمان کے دل میں آئمہ طاہرین کی شان کے بارہ میں موجود ہے، تو ابوذر سلمان کو قتل کر دیں۔

اور اسی طرح دیگر احادیث بھی موجود ہیں جن میں سے کچھ ہم تحریر کر چکے ہیں اور کچھ باقی ہیں جو آئندہ تحریر کریں گے۔ لہذا مومن متدین پر واجب ہے کہ وہ جلد بازی سے کام لے کر آئمہ طاہرین علیہم السلام کے فضائل و معجزات اور اُن کی شان بلند کا انکار نہ کرے جب تک براہین قاطعہ سے کوئی چیز اُن کے خلاف ثابت نہ ہو اور یا قرآن مجید کے آیات محکمہ سے کوئی چیز ثابت نہ ہو، یا ضرورتِ دین نہ ہو، یا اخبار متواترہ سے کوئی چیز ثابت نہ ہو" (بحار الانوار)

سرکار علامہ مجلسی جیسی شخصیت نے بعض متکلمین و محدثین کو قاصرین و عاجزین اس لئے فرمایا ہے کہ ان کو معرفتِ محمدؐ و آلِ محمدؐ نہیں ہے۔ اور وہ ان کے مراتب عالیہ اور اُن کے محیر العقول کمالات و معجزات کو سمجھنے سے قاصر و عاجز ہیں۔ لہذا ایسے متکلم و محدث غیر متدین مومن ہیں۔ کیونکہ انہوں نے جلد بازی سے کام لیا ہے۔ حالانکہ ابوذر جیسی شخصیت بھی ان حضرات کے مراتب سمجھنے سے قاصر ہے۔ ان کی شان اس قدر بلند ہے کہ اس کا سمجھنا انتہائی مشکل ہے۔ اس کے بعد علامہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ ان کی فضیلت و مرتبت کا انکار ہرگز نہ کیا جائے جب تک قرآن کی آیہ محکم یا دلیل قطعی یا اخبار متواترہ یا ضرورت دین کے خلاف نہ ہو۔ لہٰذا جب تک کوئی متکلم یا محدث انکار حدیثِ فضیلت کے ثبوت میں یہ چار چیزیں پیش نہ کرے گا ان حضرات کی فضیلت کا انکار یا رد نہیں کر سکتا۔ مؤلف صاحب کو چاہئے کہ یہ چار چیزیں وقت رد و انکار یاد رکھیں، اس کے سوا کسی کا قول قبول نہیں ہو سکتا۔ اس معیار کو فراموش نہ کریں اور ہر فضیلت اہلبیت میں خبر احاد کا بہانہ نہ تراشیں۔

ناظرین کرام بنظرِ انصاف ملاحظہ فرمائیں کہ حضرت علامہ مجلسیؒ نے غلو کے اقسام بیان فرمانے کے بعد کس قدر وضاحت کے ساتھ آئمہ طاہرین علیہم السلام کے مراتب و فضائل کا تحفظ لازم و واجب قرار دیا ہے کیونکہ اس غواص بحار اخبار کی نظر عمیق قاصرین و عاجزین کا مطالعہ کر رہی تھی کہ یہ لوگ اپنے عجز و قصور کو تسلیم کرتے ہوئے شرمائیں گے۔ اور اپنی ناسمجھی اور نافہمی سے مراتب و کمالاتِ آئمہ کا انکار کر دیں گے۔ اس لئے اقسامِ غلو بتانے کے بعد ہدایت فرمادی کہ ان حضرات کو خدا نہ کہو، اور پھر دل کھول کر ان کے معجزات و کمالات و فضائل اپنی اپنی بساطِ علم و معرفت کے مطابق خوب خوب بیان کرو۔ مگر کتنے ہی بڑے مجتہد اور معلم بن جاؤ تب بھی آئمہ طاہرین کی شان اور ان کی فضیلت کا حق ادا نہیں کر سکتے ہو۔ اعلم العلماء اور افضل المجتہدین بھی بن جاؤ تب بھی سلمان فارسیؓ کے ایمانی درجہ تک نہیں پہنچ سکتے۔ وہ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ جو اُوتوا العلم میں شامل ہیں، یوں فرماتے ہیں کہ اگر میں

حضرت علی علیہ السلام کی اُس شان میں سے جو میں جانتا ہوں کچھ تھوڑا سا بھی بیان کر دوں تو تم لوگ مجھے مجنون کہہ دو گے یا میرے قاتل کے لئے مغفرت کی دُعا کرو گے۔ (احتجاج طبرسی صفحہ)

اور علامہ مجلسی نے یہ حدیث بیان فرمائی ہے کہ اگر ابو ذر کو اس ایمان کا پتہ لگ جائے جو سلمان کے دل میں موجود ہے تو ابو ذر جیسی بلند پایہ ہستی ان کو قتل کر دے۔

علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے جس تحقیقی حدیث کا حوالہ دیا ہے اس میں مراتب آئمہ طاہرین کے بار کو برداشت کرنے والوں کے ذکر میں ملک مقرب و نبی مرسل اور عبد مومن ممتحن کا ذکر ہے اور اس میں حصر ہے کہ ان تین کے سوا ان کے مراتب کا تحمل کوئی نہیں کر سکتا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ مؤلف صاحب اس سے خارج ہیں یہ علمائے اعلام اور یہ مجتہدین کرام خارج ہیں۔ اُمتِ محمدیہ میں سے صرف وہ مومنین اس بار کے متحمل ہو سکتے ہیں جن کے ایمان کا امتحان خدا نے لیا ہو مثلاً زبانیں کٹوائی گئی ہوں، سُولی پر چڑھائے گئے ہوں، اور محبتِ اہلبیت کے ولولہ اور جذبہ میں اُف تک نہ کی ہو، ممکن ہے کہ ایسے ہی امتحانوں کی طرف اشارہ ہو، بہر حال مؤلف صاحب کو خارج کر دیا گیا ہے خواہ اب یہ حجۃ الاسلام والمسلمین بنیں، یا صدر المدرسین والمحققین بنیں، کسی صورت میں بھی یہ بارِ معرفتِ امام برداشت نہیں کر سکتے جب تک کہ یہ لوگ ان مومنین کے زمرہ میں شامل نہ ہو جائیں جو اپنے ایمانی امتحان میں پاس ہو چکے ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ نہ ملک مقرب کے افراد ہیں اور نہ نبی مرسل کی فہرست میں ہیں۔ صرف مومن ممتحن ہی میں گنجائش ہے۔ مگر یہ لوگ مراتب آئمہ طاہرین اور اُن کے فضائل کی حد بندی کر کے خود ہی اپنے ذوات ممدوحہ بقلم خود کو خارج کر چکے ہیں اور اب ان کے لئے کوئی صورت اور موقعہ نہیں ہے کہ شیعیانِ حیدر کرار اور موالیانِ اہلبیت اطہار میں شامل ہو کر محبت و معرفت اہلبیت کا جنون پیدا کریں بلکہ یہ لوگ تو ایسے موالیوں کو مجنون کہتے ہیں جس طرح سلمان فارسیؓ کو محبت و معرفتِ اہلبیت کی وجہ سے کچھ لوگ مجنون کہتے تھے۔ بس اسی صنف اور اسی فہرست میں یہ لوگ داخل ہو سکتے ہیں۔ اور ایسے سلطان المتکلمین بقلم خود کو علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ نے قاصرین و عاجزین میں شمار کیا ہے اور علامہ کی شہادت کو رد کرنے کی جرأت سوائے جاہل مطلق کے کوئی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ خود صدر المحققین بقلم خود کی مجال اس لئے نہیں کہ اصول الشریعہ صفحہ ۲ میں خود ان کے قلم سے یہ عبارت خدائے قہار نے لکھوالی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

"سرکار علامہ قدس سرہٗ کی علمی شخصیت اس قدر عظیم المرتبت ہے کہ کوئی بھی شیعہ آپ کی فرمائش کا انکار کرنے کی جرأت و جسارت نہیں کر سکتا۔ اور ان سے بہتر ان حقائق کو اور کوئی سمجھ بھی کیوں کر سکتا ہے؟"

(اگر اپنے اس اقرار نامہ سے پھرو گے تو خدا کی لعنت اور اس کے غضب سے ڈرنا)

علمائے سوء کی شناخت بکلام معصومؑ

ہم ناظرین کرام کی خدمت میں دلائل و براہین کے ذریعہ عرض کر چکے ہیں کہ ناصبی وہ لوگ ہیں جو آئمہ طاہرینؑ

کے موالیوں سے دشمنی رکھیں اور اُن کے مادحین کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنائیں۔ کیونکہ کوئی مردِ مُسلم کبھی یہ جرأت نہیں کر سکتا کہ وُہ اپنی زبان سے کہے کہ میں محمدؐ و آلِ محمدؑ علیہم السلام سے بغض و عناد رکھتا ہوں۔ جیسا کہ ہم ارشاداتِ آئمہ معصومین علیہم السلام سے ثابت کر چکے ہیں۔

اب ہم کلامِ معصومین سے ثابت کرتے ہیں کہ جو لوگ اہلبیت طاہرین علیہم السلام کے کچھ علوم یاد کر کے اور علمائے کرام اور حجۃ الاسلام کا ٹائیٹل لگا کر عوام کو دھوکہ دیتے ہیں اور آئمہ معصومین علیہم السلام کے ذواتِ مقدسہ میں نقص و عیب دکھا کر ان کو اپنی نوع میں داخل کرتے ہیں، یہی علماء "علماء سوء" ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے لئے حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ یہ لوگ لشکرِ یزید سے بھی زیادہ شیعوں کے لئے ضرر رساں ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ ہم سے محبت کا اظہار کرتے ہیں اور ہمارے فضائل بھی اس لئے بیان کرتے ہیں کہ ہمارے کم علم سادہ لوح شیعوں کو اپنے دام میں پھنسا کر خوب لوٹیں کھسوٹیں۔ مربعے خریدیں، بنگلے بنوائیں، قیمتی دکانیں خریدیں، بڑی بڑی تجارتیں کریں اور مومنین کے مال سے موٹی موٹی کتابیں اہلبیت کے خلاف چھپوائیں۔ اور اگر کوئی ان کو روکے ٹوکے، تو بس پھر کیا ہے سباب کے پوتے بن کر وُہ وُہ تو تصنیف گالیاں سنائیں کہ خدا کی پناہ اور الٰہی توبہ۔

چنانچہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے ان لوگوں کی شناخت ایسے نمایاں طریقہ پر فرمائی ہے کہ ان لوگوں کا فوٹو بالکل سامنے آجاتا ہے اور معصومؑ کا ایک ایک جملہ بالکل فِٹ بیٹھتا ہے:۔

ومنہم قوم نصاب لایقدرون علی القدح فینا یتعلمون بعض علومنا الصحیحۃ فیتوجھون عند شیعتنا و ینتقصون بنا عند نصابنا ثم یضیفون الیہ اضعافہ و اضعاف اضعافہ من الاکاذیب علینا التی نحن براء منھا فیتقبلہ المسلمون من شیعتنا علی انہ من علومنا فضلوا و اضلوا وھم اضر علی ضعفاء شیعتنا من جیش یزید علی حسین بن علی علیہما السلام و اصحابہ بانھم یسلبون الارواح و الاموال وھؤلاء علماء السوء الناصبون المتشبھون بانھم لنا موالون ولاعدائنا معادون یدخلون الشک والشبھۃ علی ضعفاء شیعتنا فیضلونھم و یمنعونھم عن قصد الحق المصیب۔ (احتجاج طبرسی ص ۲۳۶)

ترجمۂ حدیث مبارک: علماء میں سے ایک ایسا ٹولہ بھی ہے جو ہمارے دوستوں اور موالیوں سے بغض و عناد رکھتا ہے۔ اور یہ ٹولہ اس پر تو قادر نہیں کہ کھلم کھلا ہمارا نام لے کر ہمارا قدح کرے اور ہماری برائی بیان کر سکے (کیونکہ یہ ٹولہ ڈرتا ہے کہ کہیں موالائی واصلِ جہنم نہ کر دے)، یہ ٹولہ ہمارے کچھ علوم پڑھ لیتا ہے اور ان ہی علوم کی وجہ سے ہمارے شیعوں

اور موالیوں کے نزدیک قابلِ توجہ بن جاتا ہے۔ اور جب دیکھتا ہے کہ ہمارے کم علم سادہ لوح شیعہ اس ٹولہ کی عزت کرنے لگے ہیں تو پھر یہ ٹولہ ہماری ذواتِ مقدسہ میں عیب و نقص دکھاتا ہے اور ہمارے دوستوں کے دشمنوں کے سامنے ہمارے عیوب بیان کرتا ہے اور پھر اپنے قیاس و اجتہاد سے ان جھوٹے نقائص اور عیوب کو بڑھا کر بیان کرتا ہے حالانکہ ہم ان نقائص و عیوب سے مبرّا ہیں۔ ہمارے سادہ لوح کم علم شیعہ یہ سمجھ کر کہ یہ ٹولہ ہمارے علوم بیان کرتا ہے، اس کی باتوں میں پھنس جاتے ہیں اور گمراہ ہو جاتے ہیں اور یہ ٹولہ ان بیچاروں کو گمراہ کر لیتا ہے۔ یہ ٹولہ ہمارے کم علم سادہ لوح شیعوں کے لئے لشکرِ یزید سے بھی زیادہ ضرر رساں ہے۔ جس نے حسین بن علی علیہم السلام اور ان کے اصحاب پر ظلم کیا تھا۔ کیونکہ یہ ٹولہ سادہ لوح کم علم شیعوں کی روحِ ایمان بھی سلب کر لیتا ہے اور ان کا مال بھی لوٹ کھسوٹ لیتا ہے۔ یہی ٹولہ "علماء سوء" ہے۔ یہی ٹولہ ہمارے موالیوں سے بغض و عناد رکھتا ہے اور انہیں اپنے دام میں پھنسانے کے لئے یہ کہتا ہے کہ ہم تو اہلبیت سے محبت رکھتے ہیں اور ان کے دشمنوں سے عداوت رکھتے ہیں۔ یہی ٹولہ بھیس بدل کر (یعنی ہمارا دوست بن کر) کم علم شیعوں کے دلوں میں شک و شبہ داخل کر دیتا ہے (کہ جس کے بعد وہ بیچارے پیچ و تاب میں پھنس کر ہماری عظمتِ شان پر ایمان و یقین سے محروم ہو جاتے ہیں) اور یہی ٹولہ انہیں گمراہ کر لیتا ہے۔ اور حق صریح و خالص سے ان بے چاروں کو روک دیتا ہے۔

(احتجاج طبرسی ص ۲۳۶)

(علماء سوء پر خدا کی لعنت اور پھٹکار ہے)

سُبْحَانَ اللّٰہ! میرے امام میرے مولا میرے آقا نے اس لٹیرے ٹولہ کی کیسی صاف تصویر کشی فرمائی ہے کہ اس کے بعد ان بہروپیوں کا خد و خال بالکل نمایاں ہو گیا ہے اور ایک ایک کی شکل و صورت صاف نظر آ رہی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میرا مولا ہزار سال پہلے اس ٹولہ کو دیکھ رہا تھا۔ اس بیانِ معصوم سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ علمائے سوء سے گنہگار علماء مراد نہیں ہیں۔ کیونکہ علماء معصوم نہیں ہوتے ہیں۔ بلکہ علماء سوء سے مراد وہ علماء ہیں جو اہلبیت طاہرین کی ذواتِ مقدسہ میں عیوب و نقص نکالتے ہیں اور اہلبیت کی محبت کا اظہار کر کے اور کچھ اُن کے فضائل بیان کر کے بہروپیئے بن کر کم علم شیعوں کو گمراہ کرتے ہیں اور اہلبیت طاہرین کے مدح خوانوں، خطیبوں، ذاکروں سے بغض و عناد رکھتے ہیں۔ یہ لوگ یزید کے لشکر سے بھی زیادہ مضر ہیں کیونکہ یہ مال کے ساتھ رُوحِ ایمان بھی سلب کر رہے ہیں۔

جناب امیر المومنین علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ بدترین اور شریر ترین لوگ کون ہیں؟ تو آپ نے فرمایا

کہ وُہ علماء جو فساد کا بیج بوتے ہیں اور حق و حقیقت کو چھپاتے ہیں، اور باطل اور جھوٹی باتوں کی اشاعت کرتے ہیں۔ ان ہی کے لئے خدا نے فرمایا ہے کہ ان پر خدا کی لعنت ہے اور لعنت کرنے والوں کی بھی لعنت ہے۔ (احتجاج طبرسی)

ان لوگوں کی ایک پہچان یہ بھی ہے کہ جب انہیں کسی کتاب میں کوئی روایت ایسی مل جاتی ہے کہ جس میں امام کی شان پر کوئی حرف آتا ہو یا کچھ کمزوری ظاہر ہوتی ہو تو اس کو خوب بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں اور خوب بغلیں بجاتے ہیں۔ اور اگر کوئی ایسی حدیث مل جاتی ہے کہ جس میں امام کی عظمتِ شان اور بلندی مرتبہ کا ذکر ہو تو اس کی قیاسی تاویلیں کرتے ہیں۔ چنانچہ ہم اصول الشریعہ سے ایسی مثالیں پیش کر کے مومنین کرام کو باخبر کرتے ہیں کہ ہماری قوم کے اندر ایسے جواسیس شیطانیہ داخل ہو چکے ہیں جو نوامیس الٰہیہ کی توہین کو اپنا کمال اجتہاد سمجھتے ہیں۔

ناصبیت کی ایک اور شناخت

علمِ غیب کا ناقابلِ انکار ثبوت!

ہم پہلے آئمہ طاہرین علیہم السلام کے وُہ ارشادات پیش کرتے ہیں جن سے علومِ الٰہیہ پر ان کے اقتدار کا پتہ لگتا ہے:۔

(۱) قال امیر المومنین علیہ السلام و عرف الخلق اقتدارھم علیٰ علم الغیب بقولہ عالم الغیب فلا یظھر علیٰ غیبہ احداً الا من ارتضیٰ من رسول۔ (احتجاج طبرسی ص ۱۲۷)

حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ خدا نے اپنی مخلوقات کو اپنے اولیاء اور اپنے سفراء و اصفیاء علیہم السلام کی اس صفت کے ساتھ معرفی کرائی ہے کہ ان حضرات کو علمِ غیب پر اقتدار حاصل ہے جو خدا کا عطیہ ہے۔ ارشادِ قرآنی سے ثابت ہے کہ خدا عالم الغیب ہے وُہ اپنا غیب کسی پر ظاہر نہیں کرتا مگر اپنے رسُول میں سے جس کو پسند کرتا ہے اُسے علمِ غیب عطا کر دیتا ہے۔ (احتجاج طبرسی)

اس حدیث سے معلوم ہُوا کہ خدا کے پسندیدہ اولیاء اللہ علمِ غیب پر اقتدار رکھتے ہیں اور حضرت نے اس کے ثبوت میں قرآن کریم سے استدلال فرمایا ہے۔

اگر موالیانِ اہلبیت طاہرین علیہم السلام علمِ غیب کا عقیدہ رکھتے ہیں تو وُہ قرآن و حدیثِ معصوم سے ثابت ہے۔ لہٰذا محمد و آلِ محمد علیہم السلام کو عالم الغیب تسلیم کرنا اعتقادِ حق ہے جس سے مؤلف صاحب محروم ہیں۔ کیونکہ وُہ ان حضرات کو اپنی نوع سے سمجھتے ہیں، اور خود علم غیب نہیں رکھتے۔ اس لئے ان حضرات کے

لئے بھی انکار کرتے ہیں تاکہ ایک نوع کا زعم باطل صحیح ہو جائے۔

سورۂ جن میں ارشادِ خدا ہے: عالم الغیب فلا یظہر علیٰ غیبہ احداً الا من ارتضیٰ من رسول فانہ یسلک من بین یدیہ و من خلفہ رصداً لیعلم ان قد ابلغوا رسالات ربھم واحاط بما لدیھم واحصیٰ کل شئ عدداً ہ

ترجمہ: خدا عالم الغیب ہے اور وہ اپنے علم کو کسی پر ظاہر نہیں کرتا مگر رسول میں سے جس کو پسند کرے اس کو علمِ غیب عطا کر دیتا ہے۔ پس اس کو سلکِ علم میں پرو دیتا ہے کہ اس کے پیش پیش علم ہوتا ہے اور اس کے پیچھے رصد علم پرو دیتا ہے تاکہ معلوم ہو کہ انہوں نے اپنے رب کے پیغامات بخوبی پہنچا دیئے ہیں اور جس کو علم غیب عطا کیا ہے وہ تمام ان علوم پر حاوی ہو جاتا ہے جو رسول کے پاس تھے اور ہر ایک شئے کے شمار پر بھی حاوی ہو جاتا ہے۔"

اس آیت کی تفسیر میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا یہ ارشاد ہے:۔

(۲) عن جعفر بن محمد عن ابیہ علیہم السلام عالم الغیب فلا یظہر علیٰ غیبہ احداً الا من ارتضیٰ من رسول یعنی علیاً المرتضیٰ من الرسول وھو منہ قال اللہ فانہ یسلکہ من بین یدیہ ومن خلفہ رصداً قال فی قلبہ العلم ومن خلفہ الرصد یعلمہ علمہ یزقہ العلم زقاً ویعلمہ اللہ العلم الھاماً، والرصد التعلیم من النبی لیعلم النبی ان قد ابلغوا رسالات ربھم واحاط بما لدیہ الرسول من الرسول العلم واحصیٰ کل شئ عدداً وما کان او یکون منذ یوم خلق اللہ آدم الیٰ ان تقوم الساعۃ من فتنۃ او زلزلۃ او خسف او قذف او امۃ ھلکت فیما مضیٰ او یھلک فیما بقی وکم امام جائر او عادل یعرف باسمہ ونسبہ ومن یموت موتاً او یقتل قتلاً وکم من امام مخذول لا یضرہ خذلان من خذلہ وکم من امام منصور لا ینفعہ نصر من نصرہ۔ (تفسیر البرہان ج ۴ ص ۳۹۵)

حضرتؑ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد علی بن ابی طالبؑ ہیں کہ جن کو خدا نے پسند کیا ہے اور وہ اس لئے مرتضیٰ ہیں کہ وہ رسولؐ سے ہیں (جیسا کہ حدیث میں ہے کہ "علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں") اور خدا نے ان کے دل میں علم پرو دیا ہے اور اس کے بعد رسولؐ نے بھی ان کو علم بھرا دیا ہے جو بھرا دینے کا حق ہے (جیسے پرندہ اپنے بچہ کو بھراتا ہے)، خدا کی طرف سے بھی علم بطور الہام حاصل ہے، اور رسولؐ نے بھی ان کو تمام علوم دے دیئے ہیں۔ پیش سے مراد خدا کا عطا کردہ علم اور پیچھے رصد سے مراد رسولؐ کا عطا کردہ علم ہے تاکہ معلوم ہو کہ انہوں نے بخوبی اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیئے ہیں اور جو علوم رسولِ کریمؐ اور دیگر انبیاء علیہم السلام

کو حاصل تھے وُہ مکمل طور پر اپنے احاطہ میں لے لئے ہیں اور ہر ایک شئے کا احصاء کر لیا ہے، یعنی ماکان اور مایکون کا علم حاصل ہے یعنی آدم علیہ السلام کی پیدائش سے لے کر تا قیامِ قیامت تمام علوم حاصل ہیں۔ یعنی کیا کیا فتنے ہوں گے، اور کیا کیا زلزلے آئیں گے، اور کیا کیا گہن لگیں گے، اور کیا کیا عذاب کی چیزیں نازل ہوں گی، اور کتنی امتیں زمانہ گزشتہ میں ہلاک ہوئیں، اور کتنی آئندہ ہوں گی، اور کتنے پیشوا ظالم یا عادل ہوں گے معہ نام و نسب ان کا علم حاصل ہے۔ اور کون اپنی موت سے مرے گا اور کون قتل کیا جائے گا۔ اور کتنے رہنما چھوڑ دیئے جائیں گے کہ ان کو چھوڑ دیئے جانے سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا بلکہ چھوڑنے والے کا نقصان ہوگا اور کتنے رہنماؤں کی مدد کی جائے گی کہ ان کی امداد سے ان رہنماؤں کو فائدہ نہیں ہے بلکہ مددگاروں کو فائدہ پہنچے گا)۔ (تفسیر برہان)

یہ تفسیر قرآن بزبانِ امام ہے۔ لہٰذا اس کے مقابلہ میں کسی بھی عالم کا قول قبول نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ امام سے بہتر قرآن کو کوئی عالم نہیں سمجھ سکتا۔ بلکہ وُہ اپنی قیاس آرائی کرے گا۔ کیونکہ نہ اس کو وحی ہوتی ہے اور نہ الہام۔ لہٰذا اُس کے قول کو امام کے مقابلہ میں ہرگز قبول نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس کا قول مردُود ہوگا۔ اس تفسیر معصوم میں تمام علوم کا ذکر ہے اور کچھ تفصیل بھی بتا دی گئی ہے۔ جس سے ثابت ہے کہ آئمہ طاہرین علیہم السلام کے لئے علومِ شریعت ہی کا علم نہیں ہوتا ہے، بلکہ یہ حضرات من جانب اللہ تمام اُن علوم پر حاوی ہیں جو ممکن الوجود کے لئے ممکن ہیں۔ ہاں ان کا مقابلہ خدا کے علوم سے ہرگز نہیں کیا جا سکتا۔ اور نہ خدا کی طرح ان کو عالم بالذات کہا جا سکتا ہے۔ مگر یہ یقیناً ہمارے مقابلہ میں عالم الغیب ہیں۔ اور اگر ان ذواتِ مقدسہ کو ہم عالم الغیب تسلیم نہ کریں تو ہم نے ان کی امامت کا انکار کر دیا بلکہ قرآن کا انکار کیا۔

(۳) عن الرضا فیھا فرسول اللہ عند اللہ مرتضیٰ ونحن ورثۃ ذالک الرسول الذی اطلعہ اللہ علیٰ مایشاء من غیبہ فعلمنا ماکان وما یکون الیٰ یوم القیٰمۃ فانہ یسلک من بین یدیہ بین یدی المرتضیٰ ومن خلفہ رصدا۔ (تفسیر صافی)

حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ خدا جس کو پسند فرما لیتا ہے اس کو علمِ غیب عطا کر دیتا ہے۔ اور چونکہ رسُولِ خدا اللہ کے پسندیدہ ہیں لہٰذا اُن کو علمِ غیب عطا کیا گیا ہے۔ اور ہم اُن کے وارث ہیں، لہٰذا ہم بھی علمِ غیب رکھتے ہیں۔ رسُولِ خدا کو خدا نے اپنے علمِ غیب سے جو چاہتا تھا عطا کر دیا ہے۔ پس ہم عالم ہیں روزِ قیامت تک کے ماکان و مایکون کے۔ کیونکہ خدا جس کو پسند کر لیتا ہے اس کے آگے اور پیچھے بھی رصد علم پرد دیتا ہے۔"

اس تفسیر قرآن بزبانِ امام میں بھی گزشتہ اور آئندہ تا روزِ قیامت کے علوم کا ثبوت موجود ہے۔

(مؤلفِ اصول الشریعہ کے انتباہ کے لئے ایک مناظرہ)

علومِ اہلبیت ہی حقیقی علوم ہیں

مؤلف صاحب کو چاہیے کہ وہ علماء کے اقوال و آراء کے بجائے آئمہ طاہرین علیہم السلام کے ارشادات پیش کریں۔ کیونکہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک متکلم شامی صاحب فقہ و فرائض سے جبکہ وہ اپنے علم پر ناز کرتا تھا اور مناظرہ کے لئے آیا، ارشاد فرمایا کہ:

"اے شخص جو باتیں تو بیان کرتا ہے کیا یہ کلامِ رسول ہے؟ اس نے کہا کہ کچھ کلامِ رسول ہے اور کچھ میری اپنی تحقیق و رائے ہے

حضرت نے فرمایا تو کیا رسولِ خدا کا شریکِ رسالت ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں

حضرت نے فرمایا کہ کیا تو نے اللہ تعالیٰ سے خود وحی سماعت کی ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں

حضرت نے فرمایا کہ کیا تیری بات پر اس طرح عمل کرنا واجب ہے جس طرح رسول کی اطاعت واجب ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں

حضرت کے صحابی یونس کہتے ہیں کہ پھر حضرت میری طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ اے یونس! یہ شخص تو مناظرہ کرنے سے پہلے اپنا ہی دشمن ہے۔ یعنی یہ تو خود ہی اقرار کر رہا ہے کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں۔ اس نے خود ہی اپنے کو شکست دے لی ہے۔" (احتجاج طبرسی ص۱۸۸)

یہی سوالات جو امام نے اس متکبر خود ستا اور خود ناز عالم سے فرمائے ہیں، دوستدارانِ اہلبیت یہی سوالات مؤلف صاحب سے کریں کہ حجۃ الاسلام جو کچھ آپ فرما رہے ہیں اور اپنے لئے دعوائے "لن ترانی" کر رہے ہیں یہ آپ کی باتیں اپنی ہیں، یا رسول اللہ کا کلام ہے؟ وہ کہیں گے کہ کچھ رسول کا ہے اور کچھ میرا اپنا اجتہاد ہے۔ تو آپ حضرات ان سے دریافت کیجئے کہ آپ کیا رسول اللہ کے شریکِ رسالت ہیں؟ تو وہ کہیں گے نہیں۔ پھر آپ سوال کیجئے کہ کیا آپ پر وحی آتی ہے؟ تو وہ کہیں گے نہیں۔ تو پھر پوچھئے کہ کیا آپ کی اطاعت ہم پر واجب ہے اسی طرح جس طرح رسول اللہ اور اہلبیت کی اطاعت واجب ہے؟ وہ کہیں گے کہ نہیں۔ تو پھر آپ اُن سے کہئے کہ ہم تو کلامِ معصوم پر ایمان لا چکے ہیں جن کا علم من اللہ ہے، اور ان ہی کی اطاعت ہم پر واجب ہے۔ آپ اپنا بوریا بسترہ اٹھائیے اور کسی شاگرد کو اپنے قیاس میں پھنسائیے۔ موالیانِ اہلبیت آپ کے ہتھکنڈوں میں نہیں آسکتے۔

مسئلہ علمِ غیب کا آخری فیصلہ

(۲) عالم الغیب فلا یظھر علٰی غیبہ احداً الا من ارتضٰی من رسول :-

علی ابی جعفر علیہ السّلام واما قولہ عالم الغیب فان اللہ عزوجل عالم بما غاب من خلقہ فیما یقدر من شیء ویقضیہ فی علمہ قبل ان یخلقہ وقبل ان یقضیہ الی الملٰئکۃ فذالک یا حمران علم موقوف عندہ الیہ فیہ المشیۃ فیقضیہ اذا اراد ویبدو لہ فیہ فلا یمضیہ واما العلم الذی یقدرہ اللہ عزوجل ویقضیہ ویمضیہ فھو العلم الذی انتھٰی الٰی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ثم الینا۔ (کافی ص۱۵۱)

حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام نے آیۂ مذکورہ کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ خداوند عالم نے جو یہ فرمایا ہے کہ وُہ عالم ہے غیب کا۔ اس غیب سے مُراد وُہ غیب ہے جو اس کی مخلوقات سے پوشیدہ اور ان کے لئے غیب ہے خدا اس کو جانتا ہے۔ اور اس غیب کا مطلب یہ ہے کہ خداوند عالم جب بھی کسی شئے کو پیدا کرتا ہے تو اس کے پیدا کرنے سے پہلے اس کی تخلیق کا فیصلہ اپنے علم میں کرتا ہے کہ اس کو کس معیار و مقدار پر پیدا کرتا ہے اور اس قضا و قدر کا علم صرف اسی کو ہوتا ہے، فرشتوں کو بھی اس کا علم نہیں ہوتا۔ یہ علم وُہ ہے جو خدا کے لئے مخصوص اور اسی کی ذات میں منحصر ہے۔ قطعاً اور یقیناً بس وہی ان مقدرات کو جانتا ہے اور اس میں جو بھی اس کی مشیّت ہوتی ہے وُہ خود ہی اس کو جانتا ہے۔ اور اس فیصلہ کا اجراء بھی اس کے ارادہ سے ہوتا ہے۔ جو فیصلہ چاہے جاری کرے اور حسب علم بالمصلحت چاہے جاری نہ کرے۔ یہ ہے وُہ علمِ غیب جو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ لیکن جب خدا اس فیصلہ کو نافذ کرتا ہے اور مطابق قضا و قدر تخلیق کرتا ہے اور علم سے نکل کر وجود خارجی یعنی عالمِ واقع میں جاری ہوتا ہے تو ان تمام فیصلوں کا علم اپنے رسُول کو عطا کر دیتا ہے اور اُن کے بعد ہمیں عطا کر دیتا ہے اور اس کے تمام فیصلے خلائق سے پوشیدہ اور اُن کے لئے غیب ہوتے ہیں۔ مگر اس غیب کو اس کا رسُول اور ہم اہلبیت جانتے ہیں۔

(مؤلف صاحب کے لئے درس علم و معرفت)

اس حدیث نے تمام اُلجھنوں کو رفع کر دیا ہے۔ تمام بحثیں علمِ غیب کی قطع ہوگئیں۔ مطلع صاف ہوگیا کہ جو علمِ غیب صرف خدا کے لئے مخصوص ہے اور اسی کی ذات میں منحصر ہے۔ وُہ علمِ غیب تخلیق اشیاء سے

قبل ان کی کیفیت تخلیق کا اپنے علم میں مقدر کرنا ہے جو تمام غیر خدا کے لئے غیب ہے۔ نہ اس کو نبی جانتا ہے اور نہ امام اور نہ فرشتوں کو کوئی خبر ہوتی ہے۔

لیکن جب امور مقدرہ کے اجراء کا وقت آتا ہے تو ان تمام مقدرات کا علم محمدؐ و آل محمد علیہم السلام کو عطا ہوتا ہے اور ان کے ذریعہ فیصلہ شدہ امور کا اجراء ہوتا ہے اور یہ حضرات اپنے خدام یعنی فرشتوں کو مامور کر دیتے ہیں۔ لہٰذا فرشتوں کا فعل ان حضرات کا فعل ہوتا ہے۔ اور ان کا فعل خدا کا فعل کہلاتا ہے چنانچہ حضرت امام رضا علیہ السلام نے اس مسئلہ کو یوں حل فرمایا ہے:۔

(۵) ولکنه عزوجل لم یخلق شیئاً لحاجة ولم یزل ثابتاً لافی شیئ الاان الخلق یمسك بعضه بعضاً ویدخل بعضه فی بعض ویخرج والله تعالیٰ جل وتقدس بقدرته یمسك ذٰلك كله ولیس یدخل فی شیئ ولا یخرج منه ولا یوده حفظه ولا یعجز عن امساكه ولا یعرف احد من الخلق كیف ذالك الا الله ومن اطلعه علیه من رسله واهل سره والمستحفظین لامره وخزانه القائمین بشریعته۔ (احتجاج طبرسی ص۲۱۶)

امام رضا علیہ السلام نے عمران صابی سے فرمایا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے جن چیزوں کو پیدا کیا ہے کسی اپنی حاجت کے لئے پیدا نہیں کیا ہے۔ وہ ہمیشہ ثابت ہے مگر کسی چیز میں نہیں۔ یاد رکھو کہ مخلوقات ایک دوسرے کو تھام لیتے ہیں اور ایک دوسرے میں داخل ہوتے ہیں اور ایک دوسرے سے خارج ہوتے ہیں۔ اور اللہ جو بلند و بالا اور منزّہ ہے وہ اپنی قدرت کاملہ سے ان سب کو تھامے ہوئے ہے۔ وہ خود نہ کسی چیز میں داخل ہوتا ہے اور نہ کسی چیز سے خارج ہوتا ہے۔ اور ان امورِ تخلیق کو کوئی مخلوق بھی نہیں جانتا کہ یہ امور مقدرہ کس طرح عالم وجود میں آتے ہیں۔ مگر صرف اللہ جانتا ہے؛ اور وہ ہستیاں جانتی ہیں جن کو خدا نے اس غیب پر مطلع کیا ہے اور وہ اس کے رسول اور اہل راز ہیں اور وہ اس کے امر کے محافظ ہیں، اور وہ اُس کے خزانے ہیں جو اس کی شریعت کے نگران ہیں۔"

اس حدیث سے علم غیب کا مطلب بالکل واضح ہو جاتا ہے اور اب کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی ہے کہ کون سا علمِ غیب خدا کے ساتھ مخصوص ہے اور کونسا علمِ غیب محمدؐ و آل محمدؐ کے لئے مخصوص ہے جس کو تمام عالمین نہیں جانتے۔

حضرت علی بن موسیٰ الرضا علیہ السلام کے جدامجد حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام نے اس مضمون کو ذرا اور وضاحت کے ساتھ ارشاد فرمایا ہے:۔

امناء اللہ کا فعل و امر خدا کا فعل و امر ہے

(۶) واما ما کان من الخطاب بالانفراد مرّة وبالجمع مرّة من صفة الباری جل ذکرہٗ فان اللہ تبارک وتعالیٰ اسمہ علیٰ ما وصف بہ نفسہ بالانفراد والواحد نیة هو النور الازلی القدیم الذی لیس کمثلہ شئ لا یتغیر ویحکم مایشاء ویختار ولا معقب لحکمہ ولا راد لقضائہ ولا ما خلق زاد فی ملکہ وعزہ ولا نقص منہ ما لا یخلقہ وانما اراد بالخلق اظہار قدرتہ وابداء سلطانہ وتبیین براهین حکمتہ فخلق ما شاء کما شاء واجری فعل بعض الاشیاء علیٰ ایدی من اصطفاہ من امنائہ وکان فعلھم فعلہ وامرھم امرہ۔ (احتجاج طبرسی ص۱۳۶)

حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ نے اپنا ذکر کبھی واحد کے صیغہ سے کیا ہے (یعنی میں)، اور کبھی جمع کے صیغہ سے (یعنی ہم)۔ جب اللہ تعالیٰ اپنی وحدانیت اور اپنی انفرادیت کا ذکر کرتا ہے اور واحد کے صیغہ سے اپنی معرفی کراتا ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ وُہ ایک ایسا نور قدیم ازلی ہے کہ جس کے مثل کوئی چیز نہیں ہے۔ وُہ متغیر نہیں ہوتا۔ اور جو چاہتا ہے فیصلہ کرتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے چُن لیتا ہے۔ اس کے فیصلوں کو نہ کوئی روک سکتا ہے اور نہ کوئی رد کر سکتا ہے۔ اور اس نے جو کچھ پیدا کیا ہے اس سے نہ اس کے اقتدار میں کوئی اضافہ ہوتا ہے اور نہ اس کی عزت میں زیادتی ہوتی ہے اور خلق کو نہ پیدا کرنے سے کوئی کمی اس کی ذات میں ہوتی ہے۔ اس نے تو دُنیا کو اپنی قدرت کے اظہار اور اپنی سلطنت و قوت کے اعلان اور اپنی حکمت کے دلائل کے ایضاح کے لئے پیدا کیا ہے اور جو چاہا اور جس طرح چاہا پیدا کیا ہے۔ اُس نے امور تخلیق کے بعض فیصلوں کا اجراء اپنے منتخب اور مصطفےٰ حضرات (محمدؐ و آل محمد علیہم السلام) اپنے اُمناء کے ہاتھوں سے کیا ہے۔ یہ وُہ حضرات ہیں کہ جن کا فعل خدا کا فعل ہے اور جن کا امر خدا کا امر ہے۔

حضرت مولائے کائنات علیہ افضل التحیات والصلوٰت کے ارشاد حق بنیاد سے واضح ہو گیا کہ خدا نے امورِ تخلیق کے کاموں کے لئے ان کو چُن لیا ہے۔ اور چونکہ ان کا فعل خدا کا فعل ہے اس لئے خدا نے صیغۂ جمع سے اپنی ذات واحد و یکتا کو موصُوف کیا ہے۔ یعنی جہاں "ہم" کے لفظ سے اپنی معرفی کراتا ہے وہاں ان حضرات سے کام لیتا ہے اور ان کے فعل کو اپنا فعل بتا کر اپنی توحید کو برقرار رکھتا ہے کیونکہ ان حضرات کی تخلیق اور ان حضرات کا اصطفاء اسی کی قدرت کاملہ کا کرشمہ ہے۔

مؤلف صاحب یہ نہ کہیں کہ بعض افعال کی تدابیر ان کے حوالہ کی ہے۔ کل امور تخلیق و تکوین ان کے حوالہ نہیں کئے گئے ہیں کیونکہ کُل کا خالق و مالک صرف خدا ہے" اور خود ان کا بھی خالق خدا ہے۔ اسی مقصد کو

میرے مولائے مشکل کشانے آیاتِ قرآنی کی تفسیر بیان کرتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا ہے:۔

(ارشاد حضرت امیر المومنین علیہ السلام: محمد و آلِ محمد علیہم السلام جداگانہ نوع ہیں)

وقوله وهو الذي في السماء اله وفي الارض اله وقوله وهو معكم اينما كنتم وقوله ما يكون من نجوى ثلثة الا هو رابعهم فانما اراد بذلك استيلاء امنائه بالقدرة التي ركبها فيهم على جميع خلقه وان فعله فعلهم فانهم عنى ما اقول لك فاني اريدك في الشرح لا ثلج في صدرك وصدر من لعله بعد اليوم يشك في مثل ما شككت فيه فلا يجد مجيباً عما يسئل منه۔ (احتجاج طبرسی ص۱۲۶)

حضرت سید الموحدین امیر المومنین علیہ السلام نے قرآن مجید کی تین آیتوں کی تفسیر بیان فرمائی ہے۔ پہلی آیت کے معنی یہ ہیں وہ خدا وہ ہے کہ آسمان میں بھی معبود ہے اور زمین میں بھی معبود ہے۔ اور دوسری آیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ خدا وہ ہے جو تمہارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں بھی ہو۔ اور تیسری آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ جب بھی تین آدمی مل کر سرگوشی کرتے ہیں تو وہ وہاں چوتھا ہوتا ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ تم خدا کے لئے جگہ اور مکان مقرر کر دو بلکہ اس کی مراد یہ ہے کہ اس نے اپنے امور کے لئے اپنے امین پیدا کئے ہیں اور ان کی تخلیق میں ایک ایسی قدرت پیدا کر دی ہے جس کو ان کی ترکیب تخلیقی کا جزو قرار دے دیا ہے کہ جس کے ذریعہ وہ تمام کائنات پر غالب ہیں۔ اور یقیناً خدا کا فعل ان کا فعل ہے۔ پس اے سائل میری بات کو اچھی طرح سمجھ۔ کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ یہ مطلب تیرے دل میں اچھی طرح بٹھا دوں اور لوگوں کے دلوں میں بھی بٹھا دوں جو آج کے بعد تیری طرح وہ بھی شک کریں گے اور انہیں پھر کوئی جواب بتانے والا نہ ملے گا جس سے یہ مسائل حل کرا سکیں۔

سبحان اللہ! میرے مولا میرے مشکل کشا میرے حاجت روا نے کیسی وضاحت سے فرما دیا کہ خدائے واحد و یکتا نے اپنے امور محمد و آل محمد علیہم السلام کے ذریعہ جاری کئے ہیں اور ان کو اسی غرض کے لئے خود پیدا کیا ہے۔ جیسا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ "ہمیں خدا نے بذاتِ خود پیدا کیا ہے کسی غیر کو ذریعہ یا آلہ نہیں بنایا ہے۔" (بحار الانوار جلد ۷، ص۲۹۹)

کیونکہ اول مخلوق ہیں اور لاشئے سے پیدا کئے گئے ہیں۔ لہٰذا بذاتِ خود خدا اُن کا خالق ہے، اور بغیر آلہ یا ذریعہ کے خالق ہے۔ کیونکہ اول مخلوق ہیں جبکہ نہ کوئی آلہ ہے نہ ذریعہ۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے یہ بھی واضح فرمادیا کہ ہماری ترکیب تخلیقی میں ایک قدرت یعنی ایسا کمالِ ذاتی پیدا کر دیا ہے کہ جس کے ذریعہ ہم تمام کائنات پر غالب و مستولی ہیں۔ لہٰذا خدا کے لئے کُل امورِ تخلیق و تکوین مخصوص ہیں اور ان حضرات کے لئے بعض امورِ تخلیق و تکوین ثابت ہیں۔ مؤلف صاحب نوٹ کر لیں تاکہ کُل اور بعض کے پھیر میں نہ پھنس جائیں۔ اب مؤلف صاحب کو اپنی اس رائے پر نظرِ ثانی کرنی چاہیئے کہ "یہ حضرات ان کی نوع کے افراد کاملہ ہیں" ہرگز ایسا نہیں ہے۔ بلکہ ان کی ترکیبِ ذات میں ایک جزو ایسا ہے کہ جو نوعِ انسان بلکہ کائنات کی کسی نوع میں بھی نہیں ہے جس کی وجہ سے یہ حضرات جُداگانہ نوع ہیں۔ اور یہ وہبی کمال ہے جس کے سمجھنے سے عقول عاجز ہیں۔ لہٰذا مؤلف صاحب کو اپنے اس اعتقاد سے توبہ کرنا ہی بہتر ہے۔ ورنہ ردِ قولِ امام کی سزا کے لئے تیار رہیں جو انہیں اچھی طرح معلوم ہے اور توبہ تنہا نہ کریں بلکہ اپنے ہم مشرب ٹولہ کو بھی توبہ کے لئے مجبور کریں۔ اور اپنے شکوک و شبہات اس کلامِ امام کے ذریعہ رفع کریں کیونکہ ان حضرات کے سوا پھر کوئی مشکل کشا نہیں ملے گا۔

مولائے کائنات نے صاف صاف یہ بھی فرمادیا ہے کہ ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ لوگ تین قسم کے ہو جائیں گے۔ اس وقت ولی اللہ کی طرف ہی رجوع کرنا ذریعہ نجات ہوگا۔

ولی اللہ کی طرف رجوع کرنا نجات کا ضامن ہے

کثرتِ مساجد و نمازِ جماعت سے دھوکہ نہ کھاؤ!

قال امیر المؤمنین علیہ السلام ایہا السائل لا تغترن بکثرۃ المساجد وجماعۃ اقوام اجسادھم مجتمعۃ وقلوبھم متفرقۃ فانما الناس ثلث زاھد وراغب وصابر اما الزاھد فلا یفرح بالدنیا اذا اتتہ ولا یحزن اذا فاتتہ واما الصابر فیتمناھا بقلبہ فان ادرک منھا شیئا صرف عنھا نفسہ بعلمہ بسوء العاقبۃ واما الراغب فلا یبالی من حل اصابھا ام من حرام ثم قال یا امیر المؤمنین فلا علامۃ المومن فی ذالک الزمان قال ینظر الی ولی اللہ فیتولاہ والی عدو اللہ فیتبرأ منہ۔ (احتجاج ص131)

حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے ایک سائل نے دریافت کیا تھا کہ مولا مجھے ایسا عمل بتائیے جو مجھے جہنم کی آگ سے بچالے۔ آپ نے فرمایا سُن اور سمجھ اور یقین حاصل کر۔ دنیا تین قسم کے حضرات کی وجہ سے قائم ہے۔ ایک وہ عالم جو حق کہتا ہے اور اُس پر

عمل کرتا ہے۔ اور دُوسرا وُہ دولتمند جو بخل نہیں کرتا ہے۔ اور تیسرا وُہ فقیر جو صبر کرتا ہے پس جب عالم علم کو چھپائے گا اور دولت مند بخل کرنے لگے گا، اور فقیر صبر چھوڑ دے گا، تو ہلاکت اور عذاب ہے۔ اور دنیا اس وقت ایمان چھوڑ کر کفر کی طرف پلٹنے کے قریب ہو جائے گی۔

اے سائل مسجدوں کی کثرت اور قوموں کی جماعت سے دھوکہ نہ کھانا۔ ان کے جسم ایک جگہ جمع ہیں مگر ان کے دِل جُدا جُدا ہیں۔ کیونکہ تین قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ زاہد، صابر، راغب زاہد وُہ ہے جس کو دنیا مل جائے تو خوش نہیں ہوتا اور چلی جائے تو رنج نہیں کرتا۔ اور صابر وُہ ہے کہ دنیا کی تمنا تو دل میں ہوتی ہے مگر جب کچھ مل جاتی ہے تو یہ سمجھ کر اس سے منہ پھیر لیتا ہے کہ اس کا انجام خراب ہوگا۔ اور راغب وُہ ہے کہ وُہ دُنیا حاصل کرنے پر تلا ہُوا ہے اور اس کو حلال و حرام کی پرواہ نہیں ہوتی۔ سائل نے عرض کی کہ مولا ایسے زمانہ میں مومن کی علامت کیا ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ مومن کی علامت یہ ہے کہ ولی اللہ کی طرف نظر جمائے رکھے اور اس سے محبت اور اس کے دشمن سے نفرت کرتا رہے۔"

یعنی ایسے زمانہ میں مسجدیں اور جماعتیں اور ان کی ریل پیل مومنین کی شناخت کا ذریعہ نہیں ہوگی۔ کیونکہ ان کے جسم تو ایک جگہ نظر آئیں گے، مگر ان کے دلوں میں جدائی ہوگی، اور خدا جانے کیا کیا خیالات ہوں گے۔ لہٰذا اس زمانہ میں ولی اللہ ہی کی طرف نظر اور رجوع کرنا اور اس سے محبت یعنی تولا اور دشمن سے نفرت یعنی تبرا ہی علامت مومن ہوگی۔

انکارِ علمِ غیب انکارِ قرآن و سُنت ہے

ہم پھر علمِ غیب کے متعلق اپنی بحث کا رُخ موڑتے ہیں۔

(۸) ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین کی تفسیر میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:۔

قال ابو عبد اللہ علیہ السلام، ما یقول الناس فی اولی العزم وصاحبکم امیر المومنین علیہ السلام، قال قلت ما یقدمون علےٰ اولی العزم احدا قال فقال ابو عبد اللہؑ۔ ان اللہ تبارک وتعالیٰ، قال لموسیٰ وکتبنا لہ فی الالواح من کل شئ موعظۃ ولم یقل کلّ شئ موعظۃ ولم یقل کلّ شئ موعظۃ۔ وقال لعیسیٰ ولیبین لکم بعض الذی تختلفون فیہ و لم یقل کل شئ وقال لصاحبکم امیر المومنین علیہ السلام قل کفیٰ

باللہ شھیداً بینی و بینکم ومن عندہ علم الکتاب وقال عزوجل
ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین وعلم ھذا الکتاب عندہٗ
(احتجاج طبرسی ص۱۹۳)

قرآن مجید کی دو آیتوں کی تفسیر حضرت صادق آل محمد علیہم السلام نے بیان فرمائی ہے:۔
حضرت نے فرمایا کہ لوگ کیا کہتے ہیں اُولوالعزم پیغمبروں اور تمہارے مولا امیرالمومنین علیہ السلام کے بارہ میں۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے عرض کی یا ابن رسول اللہ اولی العزم پیغمبروں پر کسی کو فضیلت نہیں دیتے۔ آپ نے فرمایا کہ خداوند عالم نے حضرت موسٰے کے بارہ میں فرمایا ہے کہ ہم نے موسٰی کے لئے ہر چیز میں سے کچھ حصہ اُن کے الواح میں لکھ دیا تھا مگر یہ نہیں فرمایا کہ کل چیزوں کا علم اُن کو عطا کیا تھا۔ اسی طرح حضرت عیسےٰ کے لئے فرمایا کہ خدا نے بعض اختلافی چیزوں کا علم اُن کو دیا۔ مگر کل چیزوں کا علم نہیں دیا۔ اور تمہارے مولا امیرالمومنین علیہ السلام کے لئے فرمایا کہ کہہ دے اے رسول کہ میری گواہی کے لئے میرے اور تمہارے درمیان ایک خدا کافی ہے اور دوسرا وہ کہ جس کو کل کتاب کا علم حاصل ہے۔ اور خدا نے اس کتاب میں ہر خشک و تر کا علم جمع کر دیا ہے اور اس کتاب کا علم تمہارے مولا کے پاس موجود ہے۔"

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہُوا کہ ان کو کل کائنات کا علم حاصل ہے۔ لہٰذا مؤلف صاحب اپنے اعتقاد میں تبدیلی کریں اور اپنے اس اجتہاد پر نظر ثانی فرمائیں کہ آئمہ طاہرین کو شریعت کا علم ہی مکمل طور پر حاصل تھا اور بس۔ لیکن اس آیت سے تو کائنات کا علم ثابت ہوتا ہے۔ اور قرآن اور حدیث معصوم کے مقابلہ میں کسی عالم کا قول قابلِ قبول نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ لوگ قاصرین و عاجزین ہیں جیسا کہ علامہ مجلسیؒ نے فرمایا ہے۔

آئمہ طاہرین کی کائنات پر حکمرانی اور علم غیب

(۹) وما من غائبۃ فی السماء والارض الا فی کتاب مبین ۝
اس آیت کی تفسیر میں حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا ارشاد آنکھیں کھول کر ملاحظہ فرمائیے

قال علیہ السلام ما بعث اللہ نبیاً الا ومحمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اعلم منہ قال قلت ان عیسی بن مریم کان یحیی الموتی باذن اللہ قال صدقت وکان سلیمان بن داؤد یفھم منطق الطیر وکان رسول اللہ یقدر علےٰ ھذہ المنازل قال فقال ان سلیمان بن داؤد قال للھدھد

حین فقدہ و شك فی امرہ فقال مالی لا امری الھدھد ام کان من الغائبین حین فقدہ و غضب علیه فقال لاعذبنه عذابا شدیدا او لاذبحنه او لیاتینی بسلطان مبین و انما غضب لانه کان یدله علی الماء فھذا و ھو طائر قد اعطی ما لم یعط سلیمان و کانت الریح و النمل و الجن و الانس و الشیاطین و المردة له طائعین و لم یکن یعرف الماء تحت الھواء و کان الطیر یعرفه و ان الله یقول فی کتابه و لو ان قرانا سیرت به الجبال او قطعت به الارض او کلم به الموتی و قد ورثنا نحن ھذا القران الذی فیه ما تسیر به الجبال و تقطع به البلدان و یحیی به الموتی و نحن نعرف الماء تحت الھواء ان فی کتاب الله لایات ما یراد بھا امرا الا ان یاذن الله به مع ما قد یاذن الله مما کتبه الماضون و جعله الله لنا فی ام الکتاب ان الله یقول و ما من غائبة فی السماء و الارض الا فی کتاب مبین۔ ثم قال ثم اورثنا الکتاب الذین اصطفینا من عبادنا فنحن الذین اصطفانا الله عزوجل و اورثنا ھذا الذی فیه تبیان کل شئ۔

(تفسیر البرہان۔ ص ۷۶۹)

ایک سائل کے جواب میں حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا کہ جتنے نبی خدا نے مبعوث فرمائے ہیں ان سب سے جناب رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم علم میں افضل و اعلےٰ ہیں۔ راوی کہتا ہے میں نے عرض کی کہ حضرت عیسیٰؑ خدا کے اذن سے مُردے زندہ کرتے تھے۔ حضور نے فرمایا بے شک درُست ہے۔ اور سلیمان بن داؤدؑ پرندوں کی زبانیں سمجھتے تھے، کیا رسُول اللہ کو بھی یہ مراتب حاصل تھے؟ حضرت نے فرمایا کہ سلیمان بن داؤدؑ نے ہُدہُد کے بارہ میں کہا جبکہ اس کو نہ پایا اور اس کے معاملہ میں تردّد ہُوا کہ کیا بات ہے کہ مجھے ہُدہُد نظر نہیں آرہا ہے، کیا کہیں غائب ہوگیا ہے؟ اور اس پر غضب ناک ہوئے اور فرمایا کہ میں اس کو سزا دوں گا یا اس کو ذبح کر دوں گا۔ یا پھر وُہ میرے سامنے کوئی مکمل ثبوت پیش کرے کہ کیوں غائب ہُوا ہے۔ اور یہ غضب اس لئے تھا کہ وُہ پانی کی نشاندہی کرتا تھا۔ (کیونکہ خدا نے اس کی نظر میں یہ طاقت عطا کی تھی۔) یہ تو نبی تھے اور وُہ پرندہ تھا۔ اس کو خدا نے وُہ طاقتِ نظر عطا کی تھی جو سلیمانؑ کو عطا نہیں ہوئی تھی۔ (اور یہ کمزوری انبیاءؑ میں اس لئے ضروری ہوتی ہے کہ ہر حیثیت سے کمال ہی کمال ہو اور کچھ بھی کمی نہ ہو، تو ان کو لوگ خدا نہ کہہ دیں) حالانکہ سلیمان کے قبضہ میں ہوا، چیونٹیاں، انسان،

جنّات، شیاطین سرکش تک تھے۔ مگر انہیں یہ طاقت حاصل نہیں تھی جو پرندہ کو عطا ہوئی تھی کہ وُہ پانی کو زیرِ ہوا پہچان لیتا تھا جس کو سلیمانؑ نہیں پہچانتے تھے۔ اور بالتحقیق خداوند عالم اپنی کتاب میں ارشاد فرماتا ہے کہ اگر اس قرآن کے ذریعہ پہاڑوں کو چلا دیا جائے، یا زمین کی مسافت (آناً فاناً) طے کر لی جائے یا مُردوں سے باتیں کر لی جائیں تو یہ کمال قرآن میں موجود ہے۔ اور ہم اس قرآن کے بالتحقیق وارث ہیں کہ جس کے ذریعہ سے پہاڑ چلائے جا سکتے ہیں۔ اور شہروں کی آمد و رفت (چشم زدن میں)، کی جا سکتی ہے اور مُردے زندہ کئے جا سکتے ہیں۔ اور ہم زیرِ ہوا پانی کو بھی جانتے ہیں اور اللہ کی کتاب میں ایسی آیات موجود ہیں کہ جس کام کا بھی ارادہ کیا جائے وُہ باذنِ خدا ہو جاتا ہے۔ اور ایسے کام باذنِ خدا ہو بھی چکے ہیں جن کو گزشتہ حضرات ضبطِ تحریر میں لا چکے ہیں، اور وُہ سب کام خدا نے ہمیں اس اُمّ الکتاب میں عطا کر دیئے ہیں۔ بالتحقیق خدا فرماتا ہے کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں انتہائی غیب ہے وُہ سب اس قرآن مبین میں موجود ہے۔ پھر اس نے یہ بھی فرما دیا ہے کہ ہم نے اس کتاب کا وارث اپنے بندوں کو بنا دیا ہے جن کو ہم نے منتخب کر لیا ہے۔ وُہ خدا کے منتخب بندے ہم ہیں۔ ہمیں خدا نے مصطفےٰ یعنی برگزیدہ بنایا ہے۔ اور ہمیں ایسی کتاب کا وارث بنا دیا ہے کہ جس میں کل شئی کی وضاحت موجود ہے"۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے قرآن مجید کی تین آیتیں ارشاد فرما کر ان کی تفسیر فرما دی ہے۔ پہلی آیت سے آپ نے استدلال فرمایا ہے کہ چونکہ ہم قرآن کے وارث ہیں۔ اور قرآن کے ذریعہ ہم پہاڑ بھی چلائے جا سکتے ہیں اور دُور و دراز مسافت بھی چشم زدن میں طے کر لی جاتی ہے، اور مُردوں کو زندہ کر کے اُن سے باتیں بھی کی جا سکتی ہیں۔ اور حضرت عیسےٰؑ سے زیادہ احیاء موتیٰ کی قدرت حاصل ہے بلکہ قرآن میں ایسے اسماء موجود ہیں کہ جن کے ذریعہ جو کام بھی لیا جائے وُہ باذنِ خدا ہو جاتا ہے۔ تو اب ان حضرات کے اقتدار میں امورِ تخلیقیہ کا انکار کرنے والے منکرِ قرآن و سُنّت قرار پائیں گے۔ لہٰذا مؤلف صاحب کو حضرات محمدؐ و آلِ محمدؐ علیہم السلام کا اقتدار امورِ تکوین میں تسلیم کر لینا چاہئے جس طرح ہم اُن کے اقتدار پر ایمان لائے ہیں اور نصرت و مدد حاصل کرتے ہیں۔

حضرات محمدؐ و آلِ محمدؐ علیہم السلام مشکل کشائے عالم ہیں

قرآن و حدیثِ معصوم سے جبکہ محمدؐ و آلِ محمدؐ علیہم السلام کا یہ اقتدار ثابت ہے اور خدا نے ان کو یہ کمال عطا فرما دیا ہے۔ پس اگر آپ کو قرآن و حدیث پر یقین ہے تو آپ ان حضرات کو صرف علمِ شریعت

تک کیوں محدود فرماتے ہیں اور ان کو ایک بلند عالم شریعت فرما کر اپنی نوع کے افراد کاملہ میں کیوں شمار کرتے ہیں جبکہ خدا نے پہاڑوں کو دھکیل دینے، اور چشم زدن میں ہر جگہ پہنچ جانے، اور مُردوں کو زندہ کر دینے، اور ہر مشکل سے مشکل کام بآسانی کر لینے کی قدرت اُن کو عطا کی ہے تو آپ ان حضرات کی اُن طاقتوں کا کیوں انکار کرتے ہیں۔ کیا یہ قرآن وحدیث کا انکار نہیں ہے؟ جن موالیانِ اہلبیت نے ان کی معرفت اپنی بساط بھر حاصل کر لی ہے اور ان خدائی طاقتوں اور الٰہی قوتوں کی وجہ سے وہ ان حضرات کو مشکل کشا اور حاجت روا مانتے ہیں۔ اور ان کا اقتدار تسلیم کر کے ان سے بوقتِ مشکل امداد طلب کرتے ہیں اور وہ چشم زدن میں پہنچنے پر قادر ہیں اور ہر مشکل کو حل کرنے کی طاقت رکھتے ہیں تو آپ ایسے موالیوں کو جن کا قرآن وحدیث پر ایمان ہے غالی کیوں کہتے ہیں اور امور تکوینیہ میں ان کا اقتدار کیوں نہیں تسلیم کرتے۔ ہم نے اُن کو خدا سمجھ کر کبھی نہیں پکارا۔ بلکہ خدا کے پیارے بندے سمجھ کر ان سے مشکلیں حل کراتے ہیں اور وہ حل کرتے ہیں ہزاروں بلکہ لاکھوں واقعات اور مثالیں موجود ہیں۔ تین مثالیں تو میرے ہی گھر میں موجود ہیں۔

واقعاتِ مشکل کشائی

(۱) میرا لڑکا ذوالفقار علی گنٹھیا کا مریض ہوگیا اور ہر قسم کا علاج کیا مگر اس کی دونوں ٹانگیں بالکل خشک ہوگئیں۔ وہ چلنے پھرنے سے معذور ہوگیا۔ بائیس سال کا جوان بیٹا بالکل حرکت کرنے سے مایوس ہو چکا تھا۔ ایک دن اپنے گھر کے عزاخانہ میں جہاں شبیہہ ضریح امام حسین علیہ السلام اور علم ابوالفضل العباس علیہ السلام موجود ہیں اُس کو اندر داخل کر دیا گیا اور علم اس کے ہاتھ میں دے کر دروازہ بند کر دیا۔ وہ اندر روتا رہا اور مولا سے مدد مانگتا رہا۔ اور سب اہل خانہ باہر ماتم اور نوحہ خوانی اور گریہ و بکا کر کے اپنے آقاؤں کو پکارتے رہے یکایک دروازہ کھلا اور خود آہستہ آہستہ اندر سے باہر آیا۔ عزاخانہ میں ایسی خوشبو مہکنے لگی جو کبھی سونگھی نہیں سونگھی تھی۔ رفتہ رفتہ چند ہی روز میں وہ چلنے پھرنے لگا اور اب وہ بالکل تندرست ہے۔

(۲) میرے دو لڑکے مظفر عباس اور غالب علی ایک ٹرک لے کر بجری لینے کے لئے ٹیکسلا سے پانچ چھ میل کے فاصلہ پر گئے۔ شب کا وقت تھا۔ ٹرک خالی جا رہا تھا کہ آگے سے ایک سامان سے لدا ہوا ٹرک آیا اور دونوں میں ٹکر ہوگئی۔ یہ خالی ٹرک پہاڑ کی بلندی سے ایک بہت گہرے غار میں گر گیا۔ دونوں لڑکوں نے یا علیؑ یا علیؑ کے نعرے بلند کئے اور بے ہوش ہو گئے۔ ٹیکسلا اور اطراف و جوانب کے لوگ جائے حادثہ پر پہنچے تو یہ دیکھا کہ ٹرک بل کھاتا ہوا بلندی سے غار میں ٹکڑے ٹکڑے پڑا ہے۔ ڈرائیور اندر پھنسا زخمی د

بے ہوش پڑا ہے۔ اور یہ دونوں بچے ٹرک سے کافی دُور باہر بے ہوش پڑے ہیں۔ ٹرک کی حالت یہ ہے کہ اس کی باڈی ایک دُوسرے میں دھنس گئی ہے۔ یہ دونوں بچے ڈرائیور کے پاس ہی اگلی سیٹ پر بیٹھے تھے۔ وُہ اس طرح مل چکی ہے کہ اندر سے باہر ایک بلّی بھی نہیں نکل سکتی، مگر یہ دونوں کس طرح نکلے۔ عقل و قیاس میں نہیں آتا۔ جب ان کو دُوسرے دن ہوش آیا تو انہوں نے بتایا کہ ہم نے یا علی یا علی کہا اور پھر ہم بیہوش ہو گئے۔ ہم نہیں بتا سکتے کہ ہمیں کونسی طاقت نکال کر ٹرک سے باہر کافی فاصلہ پر لے گئی۔ الحمد للہ کہ ان کے خراش تک نہ تھی۔ اور دونوں صحیح و سالم نکلے۔ ڈرائیور کو ہسپتال داخل کر دیا اور وُہ کافی عرصہ بعد صحت یاب ہُوا۔

(۳) میں خود بیمار ہو گیا۔ میرے گلے میں سرطان ہو گیا اور کھانا پینا، سانس لینا بھی مشکل ہو گیا۔ اور وُہ اتنا بڑھ گیا کہ چار انچ طول میں اور تین انچ عرض میں تھا۔ تمام ہسپتالوں کے چکر لگائے، کوئی افاقہ نہ ہُوا۔ حیدر آباد سندھ میں اس کے ایک معالج کا پتہ لگا چنانچہ وہاں گیا۔ وُہ جرمنی اور امریکہ اور انگلینڈ کے اسپیشل اسی مرضِ سرطان کے ڈاکٹر تھے انہوں نے دیکھا اور فوراً مجھے ہسپتال میں داخلہ کے لئے فرمایا کہ اس کا آپریشن ہوگا۔ میں نے عرض کی کہ خطرناک مرض ہے اور آپریشن بھی خطرناک ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اپنے بچوں کو اطلاع دوں اور سب کو ٹیکسلا جا کر مل آؤں اور کوئی لڑکا اپنے ہمراہ لے آؤں۔ چنانچہ ان کی رائے کے خلاف میں واپس لوٹا۔ وُہ ڈاکٹر صاحب مومن اور سید جعفری ہیں انہوں نے اپنے رشتہ داروں کو بھی بتایا اور کراچی بھی اطلاع ہو گئی اور مساجد میں میرے لئے دُعائیں ہونے لگیں جیسا کہ مجھے جناب سید مسیب علی صاحب زیدی؟ بتایا۔ میں گھر پہنچا اور تمام حال اہلِ خانہ کو بتایا۔ ہم نے پھر یہی فیصلہ کیا کہ عزاخانہ میں مولا کو پکارا جائے۔ سب چھوٹے اور بڑوں نے نوحہ و ماتم شروع کیا۔ اور دُعائیں ہونے لگیں۔ اور ہم سب روتے روتے سو گئے۔ شب کو میری اہلیہ نے خواب میں دیکھا کہ ایک معظمہ نے فرمایا ہے کہ سرطان پر حسین بن علی کی مصیبت میں جو آنسو نکلیں وُہ ملو اور نماز کے بعد سجدہ گاہ و خاک شفا، ملو۔ چنانچہ صبح ہی سے میں نے یہ عمل شروع کر دیا۔ مختصر سی مجلس اور ماتم کیا اور گریہ و بُکا کے آنسو ملنے شروع کر دیئے اور حسب الحکم خاکِ شفا ملی۔ دوسرے دن دیکھا کہ سرطان نرم ہو گیا ہے؛ تیسرے دن ورم بھی کم ہو گیا ہے۔ غرض بارہویں روز نہ ورم تھا نہ سرطان تھا، نہ کوئی تکلیف تھی۔ چنانچہ میں حیدر آباد گیا اور سول سرجن جعفری صاحب کو دکھایا۔ انہوں نے فرمایا کہ تم تو بالکل تندرست ہو قطعاً کوئی نام و نشان سرطان کا نہیں ہے

میں نے انہیں تمام ماجرا سُنایا۔ انہوں نے بار بار الحمد للہ پڑھا، اور مولا کے اس نسخہ سے بے حد متاثر ہُوئے۔ اب مؤلف صاحب اور اُن کے ہمنوا فرمائیں کہ یہ کیا نسخہ ہے اور اس میں کیا تاثیر ہے؟ یہ نسخہ آج تک نہ کسی ڈاکٹری کتاب میں درج ہوا ہے اور نہ کسی ہسپتال میں استعمال ہوتا ہے۔ اب ایمان لے آئیے کہ "الاجابۃ تحت قبتہ والشفاء فی تربتہ"۔ یہ جملے کربلائے معلّیٰ میں حضرت سید الشہداء علیہ السلام کے تحت قبہ دعا میں پڑھے جاتے ہیں اگر ایمانی جذبہ کے ساتھ لو لگا کر عزاخانہ میں بھی ان کو حاضر و ناظر سمجھ کر پڑھا جائے، تو دُعا بھی قبول ہوتی ہے اور اُن کی تربت سے شفا بھی حاصل ہوتی ہے"۔

ہم پھر اپنے اصل موضوعِ علمِ غیب کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ مگر پہلے یہ سمجھا دیں کہ قرآن مجید تین قسم پر ہے جیسا کہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کا ارشاد ہے۔

(۱۰) (قال امیرالمومنین علیہ السلام ان اللّٰہ) قسم کلامہ ثلثۃ اقسام فجعل قسماً منہ یعرفہ العالم والجاھل وقسماً لا یعرفہ الامن صفی ذھنہ ولطف حسہ وتمییزہ ممن شرح اللّٰہ صدرہ للاسلام وقسماً لا یعرفہ الا اللّٰہ وامنائہ الراسخون فی العلم وانما فعل اللّٰہ ذالك لئلا یدعی اھل الباطل من المستولین علیٰ میراث رسول اللّٰہ من علم الکتاب مالم یجعلہ اللّٰہ لھم ولیقودھم الاضطرار الی الائتمار لمن ولاہ امرھم۔ (احتجاج طبرسی ص۱۳۷)

"حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ خدا نے اپنے کلام کو تین قسم پر منقسم فرمایا ہے چنانچہ ایک قسم اس نے ایسی قرار دی ہے کہ جس کو عالم و جاہل سب سمجھ لیتے ہیں۔ اور ایک قسم ایسی قرار دی ہے کہ جس کو صرف وُہ لوگ سمجھتے ہیں جن کا ذہن صاف اور حس لطیف اور قوت تمیز صحیح ہے۔ اور یہ بھی اُن لوگوں میں سے جن کے سینہ کو خدا نے اسلام کے لئے کشادہ کر دیا ہے۔ اور ایک قسم وُہ ہے کہ خدا کے سوا اور اس کے امانت دار اور راسخ فی العلم حضرات کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور یہ تیسری قسم اس لئے قرار دی ہے کہ اہلِ باطل جو میراث رسولؐ پر ناجائز قبضہ جمانے والے ہیں وُہ علمِ کتاب کا دعویٰ نہ کر سکیں جو خدا نے ان کو عطا ہی نہیں کیا ہے۔ اور اس لئے بھی یہ تیسری قسم قرار دی ہے کہ انہیں قہری طور پر اس کے معنی سمجھنے کے لئے اور مسائل دریافت کرنے کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہونا پڑے جن کو خدا نے ان کا ولی مقرر کیا ہے (اور مسائل دریافت کر کے شکریہ ادا کریں کہ اگر آپ نہ ہوتے تو ہم ہلاک ہو جاتے۔ یعنی آپ ہمیں ہلاکت سے بچانے والے ہیں)۔"

موئف صاحب معلوم نہیں کس قسم میں داخل ہیں۔ اگر پہلی قسم میں ہیں تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ اور اگر دُوسری قسم میں ہیں تو پھر تقسیمِ خدا کے خلاف تیسری قسم کو اپنی نوع میں کیوں داخل کرتے ہیں حالانکہ یہ تیسری قسم وُہ ہے جس کے لئے حضرت نے اپنے اسی بیان کے ساتھ فرمایا ہے۔

محمد و آلِ محمد علیہم السلام اور خلقِ خدا میں فصل

الا تری انہٗ قال کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ وَّ یَبْقیٰ وَجْہُ رَبِّکَ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِکْرَام نفصل بین خلقہ ووجھہ۔

یعنی تم نہیں دیکھتے ہو کہ خدا نے فرمایا ہے تمام وُہ لوگ جو زمین پہ بسنے والے ہیں فنا ہو جائیں گے مگر تمہارے صاحب الجلال والاکرام رب کا وجہ ربانی باقی رہ جائے گا۔ یعنی فنا فنا نہ ہوگا پس خداوند عالم نے فصل اور جدائی کر دی ہے اپنی خلق اور اپنے وجہ میں۔ یعنی خلقِ خدا جُدا ہے، اور وجہ اللہ جُدا ہیں۔

خدا نے تو اپنی خلق اور وجہ اللہ یعنی محمد و آلِ محمد علیہم السلام میں فصل اور جدائی قرار دی ہے۔ جس کی وجہ سے محمد و آلِ محمد علیہم السلام اور دیگر مخلوق میں میز ثابت ہے۔ اگر یہ بھی اسی نوع کے افراد ہوتے تو تمام اہلِ زمین کے ساتھ خصوصاً موئف کے ساتھ ان کو بھی فنا ہو جانا چاہیے تھا۔ مگر ان میں ایک ایسا کمال ذاتی ہے کہ جس کی وجہ سے یہ حضرات فنا سے متاثر نہیں ہو سکتے۔ اب رہی یہ بات کہ وجہ اللہ سے یہی حضرات مراد ہیں؟ تو اس کے لئے اس قدر احادیث کثیرہ موجود ہیں کہ جن کا انکار کسی موئف کے لئے ممکن ہی نہیں ہے۔

محمد و آلِ محمد علیہم السلام وجہ اللہ ہیں!

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ نحن وجہ اللہ، ہم ہی وجہ اللہ ہیں۔ (تفسیر صافی)

اور حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا ہے: "جو شخص اللہ تعالےٰ کے لئے وجہ یعنی چہرہ مانتا ہے کہ جیسے لوگوں کے چہرے ہیں، تو وُہ کافر ہے۔ اس کے لئے وجہ اللہ انبیاء و رسل اور آئمہ طاہرین علیہم السلام ہی ہیں۔ یہی وُہ حضرات ہیں کہ جن کے ذریعہ سے خدا کی طرف توجہ کی جاتی ہے اور ان ہی کے ذریعہ دینِ خدا اور معرفت کا حصول ہوتا ہے۔ خدا نے فرمایا ہے کہ سب اہلِ ارض فنا ہو جائیں گے مگر وجہ اللہ فنا نہ ہوں گے۔ اور خدا نے یہ بھی فرمایا ہے کہ "کُلُّ شَیْءٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجْھَہٗ" ہر شے ہلاک ہوگی مگر وجہ اللہ ہلاک نہیں ہوگا۔" (تفسیر

اہلبیت علیہم السلام کو نہ پہچاننا ہی جہالت ہے

جناب امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ہم وجہ اللہ ہیں۔ ہم عین اللہ ہیں۔ ہم ید اللہ ہیں۔ جو ہمیں جانتا ہے وُہ عارف ہے جو نہیں جانتا وُہ جاہل ہے۔ (تفسیر البرہان ص۸۰، ج۲)

اور امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ہم عین اللہ ہیں۔ ہم لسان اللہ ہیں ہم ید اللہ ہیں ہم وجہ اللہ، ہم باب اللہ، ہم خزان اللہ ہیں۔ زمین میں بھی اور آسمان میں بھی ہماری عبادت سے خدا کی عبادت کا ظہور ہُوا ہے۔ اور ہمارے ہی ذریعہ اس کی معرفت و عبادت ہوئی۔ اگر ہم نہ ہوتے تو اس کی عبادت نہ ہوتی۔ اور ہم ہی والیانِ امرِ خدا ہیں اور ہم ہی حجۃ اللہ ہیں۔ (تفسیر البرہان ص۱۰۱ جلد دوم)

اب تو مؤلف صاحب محمد و آل محمد علیہم السلام کی نوع کا کچھ لحاظ فرمائیں گے اور اپنی نوع میں داخل کرکے اپنی طرح ان حضرات کو فنا کے گھاٹ نہیں اُتاریں گے۔ اور عالم و جاہل میں فرق کتابوں سے نہیں، معرفتِ اہلبیت سے کریں گے۔ دراصل یہ لوگ غالیوں کی مذمت و تکفیر کے روایات سے خوف زدہ ہو گئے ہیں اور اپنے اجتہاد کے ذریعہ عمل بر احتیاط کو اپنے لئے پسند کیا ہے کیونکہ ان میں قوتِ ایمان اور طاقتِ تحمل نہیں ہے کہ آئمہ طاہرین علیہم السلام کے کمالات برداشت کر سکیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے تصورِ توحید محدُود کر دیا ہے۔ حالانکہ کمالاتِ آئمہؑ خداداد ہیں اور خدا کی عظمت و جلالت کی واضح دلیل ہیں۔ کیونکہ جب اس کے عباد میں یہ کمال ہے تو ان کا معبوُد کس قدر اجل و ارفع ہو گا۔ اور ان کی جلالت جس قدر بلند ہو گی اسی قدر جلالتِ توحید بلند ہو گی۔ مگر غالیوں کے قلوب کمزور تھے۔ وُہ اس لئے گمراہ ہو گئے کہ انہوں نے خدا اپنے خیال میں بس اتنا ہی سمجھا تھا جتنے آئمہ طاہرینؑ ہیں۔ یعنی خدا کا تصور و امتیاز اتنا محدُود اور پست تجویز کر لیا کہ آئمہ طاہرینؑ کے مراتب کو شرک سمجھنے لگے۔ اسی لئے امام رضا علیہ السلام نے فرمایا ہے:۔

فنظروا الی عبد قد اختصه الله بقدرة ليبسين بها فضله عنده واثره بكرامته ليوجب بها حجته علیٰ خلقه (احتجاج ص۲۲۳)

یہ غالی لوگ اس لئے دھوکا کھا گئے کہ انہوں نے ایک ایسا عبد دیکھا کہ جس کو خداوند عالم نے ایک ایسی قدرت عطا کی ہے کہ جس کے ذریعہ اپنی بارگاہ میں اس کی افضلیت کا اظہار کرے اور اس کو اپنی کرامت سے اس لئے نوازا ہے کہ اس کے ذریعہ اپنی مخلوق پر اپنی حجت قائم کرے۔ مگر غالیوں نے اس کو نہ سمجھا کہ خدا وُہ ہے جس نے انہیں قدرت عطا کی ہے اور کرامت بخشی ہے۔ وُہ اس قدرت و کرامت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ خدا کہہ دیا۔ حالانکہ قدرت و اقتدار حاصل ہونے کے باوجود بھی یہ حضرات اپنے معبوُد کے سامنے اپنی

عاجزی کا اظہار کر رہے ہیں، اپنے سجدوں سے اس کی عظمت وجلالت بتا رہے ہیں۔"

آئمہ طاہرین کو اپنی نوع میں داخل کرنے کی وجہ

یہ راز مؤلف صاحب بھی نہیں سمجھ سکتے تھے۔ اس لئے غلو سے بچنے کا یہی راستہ نکالا کہ ان حضرات کو اپنی نوع میں داخل کر لو تاکہ غلو کی بیخ ہی ختم ہو جائے۔ مگر جب آئمہ طاہرین خود فرما رہے ہیں کہ یہ قدرت ہمیں خدا نے عطا کی ہے، تو پھر ان کو خدا کہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور جب یہ کمالِ قدرت منجانب اللہ ان کی تخصیص اور تمیز کا سبب ہے تو پھر اس فصل ممیز کو علیحدہ کرنے سے تو وہ حجتِ خدا ہی نہیں رہیں گے اور خدا کا منشاء اور مقصد بالکل فوت ہو جائے گا۔ کیونکہ ان کو تو اپنی معرفت کی دلیل بنا کر پیدا کیا تھا، اور ایک نوع ہو جانے سے فصل ممیز ختم ہو جائے گی۔ مؤلف صاحب نے غلو سے بچنے کے لئے انہیں اپنی نوع بنایا تھا مگر ان کے حجۃ اللہ ہونے کا انکار کر بیٹھے۔ ایسے اجتہاد پر خدا کی مار اور بے شمار۔

محمدؐ وآلِ محمد علیہم السلام کی فصل جداگانہ ہے

جس صفت وکمال کی وجہ سے یہ حضرات حجت اللہ ہیں اگر یہ صفت بالفرض عارضی ہوگی، تو اس کے لئے مبدء ومنشاء ضروری ماننا پڑے گا جس کے ذریعہ یہ عارضی صفت قائم ہوگی۔ یعنی ما قام بہ۔ یعنی جوہر کی ضرورت ہوگی جو ذاتی ہوگا کیونکہ عوارض بذاتہ قائم نہیں ہو سکتے، بلکہ قائم بالغیر ہوں گے۔

اور اگر وہ غیر بھی جوہر ذات نہیں ہے تو پھر اس کے لئے بھی ما قام بہ تسلیم کرنا پڑے گا جس سے تسلسل لازم آئے گا جو عقلاً باطل ہے۔ لہٰذا ایک جوہر ذاتی ماننا پڑے گا جو ان عوارض کا مبدء ومنشا قرار پائے گا جس کی وجہ سے یہ عوارض ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ اور وہ نہیں ہو سکتا مگر جوہر ذاتی۔ اور اسی کو اصطلاح میں فصلِ ممیز کہتے ہیں۔ لہٰذا بشریت ان کی جنس ہوگی، اور یہ کمالِ ذاتی ان کی فصل قرار پائے گا، اور دونوں کا مجموعہ حجت اللہ بنے گا۔ اور یہ نوع جداگانہ نوع کہلائے گی، اور یہ حضرات اسی نوعِ خاص کے افراد ہوں گے جو بجہت تعدد کمالات راجح ومرجوح فاضل ومفضول ہوں گے جیسا کہ خداوند عالم فرماتا ہے:۔

تلك الرسل فضلنا بعضهم على بعض

"ہم نے بعض رسولوں کو بعض پر فضیلت دی ہے۔"

یہ فضیلت اسی کمالِ ذاتی کی وجہ سے ہوگی۔ اور یہ کمال ذاتی تقرب مبدء فیض کی وجہ سے متصور ہوگا یعنی خدائے مفیض الکمال سے جس کو جتنا تقرب ہوگا اس کو اتنا ہی کمال عطا ہوگا۔

اور چونکہ کمال مطلق خدا ہے اور وہی علۃ العلل اور معطی کمال ہے لہٰذا جو اول مخلوق ہوگا اس کا تقرب مبدء فیض سے یعنی خدا سے بلا واسطہ اور بلا فصل ہوگا" اور یہی اولیت انتہائے تقرب کی آخری حد ہوگی۔ لہٰذا یہ اوّل مخلوق انتہائے تقرب کی وجہ سے کمال میں سب سے افضل و اعلےٰ ہوگا اور اس کے مساوی کوئی مخلوق نہ ہوسکے گا۔ یہ اپنے رب کی اوّلین صنعت ہوگا۔ کیونکہ یہ لاشیٔ سے پیدا ہوا ہے۔ اور اس کے بعد جو بھی پیدا ہوگا وُہ شے سے پیدا ہوگا جیسا کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک زندیق کے جواب میں ارشاد فرمایا ہے:۔

اوّل مخلوق کی شانِ یکتائی و خلقت من لاشیٔ

ثم قال الزندیق من ای شیٔ خلق الاشیاء قال من لا شیٔ قال کیف یجیٔ من لاشیٔ شیٔ قال ان الاشیاء لا تخلوا اما ان تکون خلقت من شیٔ او من غیر شیٔ فان کانت خلقت من شیٔ کان معہ فکان ذالک الشیٔ قدیما والقدیم لا یکون حدیثاً ولا یفنی ولا یتغیر ولا یخلو ذالک الشیٔ من ان یکون جوھرا واحدا ولونا واحدا فمن این جاءت ھٰذہ الالوان المختلفۃ والجواھر الکثیرۃ الموجودۃ فی ھٰذا العالم من ضروب شیٔ ومن این جاءت الموت ان کان الشیٔ الذی انشئت منہ الاشیاء حیا ومن این جاءت الحیٰوۃ ان کان ذالک الشیٔ میتا ولا یجوز ان یکون من حی و میت قدیمین لم یزالا لان الحی لا یجیٔ منہ المیت وھو لم یزل حیا ولا یجوز ایضا ان یکون المیت قدیما لم یزل لما ھو بہ من الموت لان المیت لا قدرۃ لہ ولا بقاء۔ (احتجاج طبرسی صـ۱۷۴)

پھر زندیق نے عرض کی کہ یہ اشیاء کس شے سے بنی ہیں؟ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا یہ لاشئے سے بنی ہیں۔ زندیق نے عرض کی کہ کس طرح لاشئے سے شئے بن سکتی ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ خلقتِ اشیاء دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو شئے سے بنی ہے یا لاشئے سے۔ پس اگر یہ اشیاء کسی شئے سے بنی ہیں تو وہ شئے خالقِ اشیاء کے ساتھ موجود ہوگی تو پھر یہ شئے بھی بنانے والے کی طرح قدیم ہوگی۔ اور جو شئے قدیم ہو وُہ حادث نہیں ہوسکتی اور نہ وُہ فنا ہوسکتی ہے اور نہ متغیر ہوسکتی ہے۔ اور پھر یہ شئے جوہرِ واحد ہوگی اور ایک رنگ ہی ہوگی۔ کیونکہ یہ قدیم ہے لہٰذا جوہر اور رنگ میں وحدت

ہوگی تو پھر اس عالم میں یہ الوانِ مختلفہ یعنی قسم قسم کے رنگ اور جواہر کثیرہ یعنی جُدا جُدا ذاتیں اور جُدا جُدا جنسیں اور نوعیں کہاں سے آگئیں۔ اور اگر وہ شئے زندہ ہے جس سے یہ اشیاء بنائی گئیں، تو یہ موت کہاں سے آگئی۔ اور اگر وہ شئے میت تھی تو حیات کہاں سے آگئی۔ اور یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ ایک حی اور ایک میت دو قدیم ہمیشہ سے ہوں کیونکہ ایسے حی سے میت کا نکلنا ممکن ہی نہیں ہے جو ہمیشہ حی ہو۔ اور یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ میت قدیم لم یزلی ہو۔ کیونکہ اس کے ساتھ موت وابستہ ہے۔ لہٰذا میت کے لئے نہ قدرت ہے اور نہ بقاء۔" الخ

مخلوق من لاشئ جُداگانہ نوع ہے

حضرت کے اس بیان حق بنیان سے ثابت ہُوا کہ اول مخلوق لاشے سے بنا ہے۔ اور جب وہ بن چکا تو اب وہ شے ہے۔ اور اب اس کے بعد جو کچھ بنے گا وہ شے سے بنے گا۔ لہٰذا اول مخلوق کو لاشے سے ماننا پڑے گا؛ اور وہ نورِ محمدؐ و آلِ محمدؐ علیہم السلام ہے۔ لہٰذا جو لاشے سے بنا وہ اپنی نوعیت کا بالکل جُداگانہ مخلوق ہوگا اور جو اس کے بعد اس سے بنے گا وہ ایک نوع نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ احادیث کثیرہ متواترہ سے ثابت ہے کہ ہمارا نور اول مخلوق ہے اور باقی تمام مخلوقات ہمارے نور سے بنے ہیں۔ اس کی مفصل بحث آئندہ ایک باب النور کی صورت میں آئے گی۔

جب تمام کائنات اس نُور کے فروع اور اسی کی شعاع ہیں تو اصل وظل اور کل وجزو اور نور اور شعاع کس طرح ایک نوع ہو سکتے ہیں۔ اور جب فرشتے بھی اس نورِ اول سے بنے ہیں کیونکہ وہ بھی مخلوق اول اور نورِ اکمل کے بعد بنے ہیں لہٰذا فرشتے بھی الگ نوع ہوں گے پھر وہ کس طرح اُن سے افضل اور ان کے معلّم ہو سکتے ہیں۔ وہ ہمیشہ خادموں کی ہی فہرست میں رہیں گے۔ اور خادم کا فرض ہے کہ وہ آقا کی اطاعت کرے لہٰذا وہ محمدؐ و آل محمدؐ علیہم کے مطیع و فرمانبردار کارندہ ہوں گے۔ جب ملائکہ ان کے نُور سے پیدا ہوئے اور اس عالم خاکی کثیف سے پہلے بنے جس کی مکمل نشاندہی احادیث کثیرہ سے ثابت ہے۔ وہ بے چارے باوجود اس قرب کے اپنے کو ان کی نوع کے افراد نہ کہہ سکے۔ مگر جو لوگ خدا جانے کتنے مادیات کثیفہ سے فرع در فرع معلول در معلول ہوتے ہوئے آج اس زمانہ میں پیدا ہوئے ہیں وہ ایسی جسارت کس طرح کر رہے ہیں کہ محمدؐ و آل محمدؐ علیہم السلام کو اپنی نوع میں شامل کر رہے ہیں۔ حضرت علامہ بہاؤالدین علیہ الرحمۃ نے کیا خوب ارشاد فرمایا ہے:۔

ایھا القوم الذی فی المدرسہ　　　کلما حصلتموہ وسوسہ

"اے مدرسہ والی قوم جو کچھ تم نے حاصل کیا ہے یہ سب وسوسہ ہے" اگر علم لینا ہے تو آؤ آلِ محمدؐ

علیہم السلام کی بارگاہ میں حاضر ہو جاؤ۔ اور حضرت علامہ مجلسی علیہ الرحمہ کی طرح سر تسلیم خم کر لو کہ اگر ان ذوات مقدسہ کی کوئی حدیث سمجھ میں نہ آئے تو منہ نہ بناؤ بلکہ اس حدیث کے حقائق کا علم ان ہی کی ذوات مقدسہ کے حوالے کر دو۔ انکار نہ کرو کیونکہ انکار میں ہلاکت ہے۔

غلو سے بچنے کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ ان کے کمالات محیر العقول کا انکار کر دو۔ تمہیں غلو کے معنی علامہ علیہ الرحمہ نے بتلا دیئے ہیں اس کو پیش نظر رکھو اور جس قدر چاہو ان کے فضائل بیان کرو مگر تم پھر بھی حق ادا نہ کر سکو گے۔

کیا غیر خدا کو خالق کہنا صحیح ہے

اس نصیحت کے بعد مضمون سابق یعنی خلقت اُولٰے کے متعلق ہم ایک ضروری تنبیہہ کرنا چاہتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ لا شے سے شے پیدا کرنا یہ مخصوص خدا کی صفت ہے اس میں کوئی مخلوق شامل نہیں ہو سکتا اور اس معنی سے خدا کے سوا کسی کو خالق نہیں کہا جا سکتا۔

لیکن لفظ خلق جس طرح لا شے سے شے پیدا کرنے والے کے لئے استعمال ہوتا ہے اسی طرح شے سے شے بنانے والے کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ جس طرح حضرت عیسےٰؑ علیہ السلام کے لئے استعمال ہوا ہے۔

بقول حضرت عیسےٰؑ :- انی اخلق من الطین کھیئۃ الطیر۔

میں تمہارے سامنے مٹی سے پرندہ کی شکل خلق کرتا ہوں۔ اور خدا نے حضرت عیسےٰؑ کی تصدیق فرمائی ہے "واذ تخلق من الطین"۔

یعنی اے عیسےٰؑ "جب تم مٹی سے پرندہ خلق کرتے تھے"۔ اس سے صاف ثابت ہے کہ لفظ خلق حضرت عیسٰیؑ علیہ السلام کے لئے قرآن مجید میں استعمال ہوا ہے جس کا انکار کوئی اندھا جاہل عنید ہی کر سکتا ہے۔ اور آپ اپنی کتاب اصول الشریعہ کے ص۳۸ پر خود رقمطراز ہیں ملاحظہ فرمائیے:۔

"جو لوگ علوم عربیہ سے معمولی سی واقفیت بھی رکھتے ہیں کہ "التبادر علامۃ الحقیقۃ"۔ کسی لفظ کو سُنکر کسی معنی کا متبادر (الی الذہن) ہونا (جلدی ذہن میں آنا) اس کے حقیقی معنی کی قطعی دلیل ہوا کرتا ہے (معالم الاصول اور کفایہ وغیرہ کتب اصول ملاحظہ ہوں)"۔ (اصول الشریعہ ص۳۸)

اب آپ خود ہی فرمائیے کہ لفظ خالق سُنکر آپ کے ذہن میں جلدی کیا معنی آتے ہیں بس وہی معنی اس کے حقیقی معنی ہوں گے یعنی "ایجاد کرنے والا"۔ اور یہی معنی درست بھی ہیں۔ کیونکہ حضرت عیسٰیؑ نے مٹی سے پرندہ ایجاد کیا ہے۔ لہٰذا خالق کے معنی "ایجاد کرنے والا" حقیقی معنی ہیں۔ اب اس کو جگہ جگہ مجازاً

اور "من باب المجاز" نہ کہئے گا۔ کیونکہ بندوں کے لئے لفظ خالق الافعال موجود ہے۔ یعنی بندے اپنے افعال کے خالق یعنی موجد ہیں۔ اور اگر یہ معنی آپ نے تسلیم نہیں کئے۔

اور بندوں کو "مجازاً" اور "من باب المجاز" کہا تو آپ کو مجبرہ کا یہ اعتقاد رکھنا پڑے گا کہ ہمارے افعال کا حقیقی خالق خدا ہے اور ہم مجازی خالق ہیں) لہٰذا پھر بندوں کے افعال معاذاللہ خدا کے سر تھوپو گے اور بندوں کو ان کے افعال میں مجبور قرار دو گے۔ ایسا عقیدہ رکھنے والے کا تو ذبیحہ بھی حرام ہے، گواہی بھی مردود ہے، زکوٰۃ دینا بھی حرام ہے اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا بھی باطل ہے۔ جیسا کہ آئندہ آئے گا۔

اب آپ فرمائیے کہ بندوں کے افعال کا خالق کون ہے اگر درحقیقت اپنے افعال کے موجد یہی بندے ہیں تو پھر بندے خود اپنے افعال کے خالق ہیں۔ ورنہ جس معنی سے مجبرہ کہتے ہیں کہ خدا ہی خالق کل شئی ہے آپ بھی ان ہی کے ساتھ شامل ہو کر ان کی نوع کے افراد کاملہ ہوں گے اور شرعی فتووں کی زد میں آئیں گے؛ اور آپ کی اقتداء میں نماز جائز نہ ہوگی۔ اور اگر اس کی رد علماء متکلمین نے قرآن کی اس آیت سے کی ہے کہ خدا "اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ" ہے۔ یعنی غیر خدا بھی خالق ہیں اور خدا ان سب سے احسن و افضل ہے۔ تو پھر آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ غیر خدا کے لئے لفظ خالق کا استعمال صحیح و درست ہے۔ اور حقیقی معنی میں ہے نہ کہ "من باب المجاز"۔ فرمائیے مجبرہ بننا پسند کرتے ہیں یا متکبرانہ اجتہاد والے لفظ "من باب المجاز" سے توبہ کر کے "من باب الحقیقۃ" کا مسلک اختیار کرتے ہیں۔

حدیث کے مقابلہ میں قیاس شیطانی قیاس ہے

مؤلف صاحب کے اجتہاد نے ایک نیا راستہ بھی تجویز کر لیا ہے جو احسن الفوائد کے ص۲۴۳ پر درج ہے کہ خالق سے مراد صانع ہے۔ اور آپ نے مثالیں بھی تحریر فرمائی ہیں چنانچہ ہم مفصل عبارت پیش کرتے ہیں ملاحظہ کیجئے:۔

"خلق بمعنی صنع بھی آیا ہے۔ بنابریں ممکن ہے کہ مفہوم آیت واللہ اعلم یہ ہو: "واللہ احسن الصانعین"۔

یعنی اگرچہ صانع (بنانے والے) بہت ہیں۔ کوئی حداد ہے، کوئی نجار ہے، کوئی دباغ و صباغ ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ان میں سے بعض اپنی اپنی صنعت میں بہت ماہر ہوتے ہیں۔ مگر خلاق عالم ان سب صانعین میں سے بہتر صانع ہے"۔

مؤلف صاحب نے اپنے پیش کردہ معیار معنی حقیقی "التبادر علامۃ الحقیقۃ" یعنی

جلدی جو ذہن میں معنی آئے وہ حقیقی معنی ہوتے ہیں؟ کو لات مار کر ایک نئی قیاسی اجتہادی رائے پیش کی ہے۔ یعنی خالقین کے معنی "صانعین" ہیں۔ اور خدا "احسن الصانعین" ہے۔ اور مثال یہ دی ہے حداد، نجار، دباغ، صباغ، یعنی لوہار، بڑھئی، موچی اور دھوبی صانع ہیں۔ اور بہت بڑے بڑے ماہر ہوتے ہیں۔ مگر خدا ان سب صانعین میں بہترین صانع ہے۔

مؤلف صاحب کا اجتہاد یہ ہوا کہ خدا بہترین لوہار اور بہترین بڑھئی اور بہترین موچی اور بہترین دھوبی ہے۔ لہٰذا مؤلف صاحب کو یہ تمام کام خدا سے کرانے چاہئیں کیونکہ ہر انسان قابل کاریگر اور ماہر صنعت تلاش کرتا ہے۔ (العیاذ باللہ العظیم، خدا ایسے اعتقاد پر لعنت کرے۔

یہ بھی ذرا غور کیجئے کہ قرآن میں جب حضرت عیسٰے علیہ السلام کے لئے اخلق اور تخلق کے کلمات استعمال ہوئے ہیں۔ تو کیا انہوں نے لوہار، موچی کا کام کیا تھا کہ وہ لفظ خلق کے مصداق قرار پائے۔ یہ انتہائے ناصبیت ہے کہ خدا کو معاذ اللہ ان کافرانہ کلمات سے یاد کرنا منظور ہے۔ مگر محمدؐ وآل محمد علیہم السلام کو خالق نہیں کہہ سکتے۔ ناصبیت مردہ باد۔

یہ تو آپ کا اجتہاد بے بنیاد تھا مگر ہم موالیان اہلبیت طاہرین علیہم السلام کی جلائے قلوب کے لئے اس آیت کے صحیح معنی وارثان قرآن حضرات آئمہ معصومین علیہم السلام کی تفسیر سے پیش کرتے ہیں

احسن الخالقین کے صحیح معنی

عن الرضا علیہ السلام انہ سئل اغیر الخالق الجلیل خالق قال ان اللہ تبارک وتعالیٰ قال تبارک اللہ احسن الخالقین وقد اخبران فی عبادہ خالقین وغیر خالقین منھم عیسیٰ بن مریم خلق من الطین کھیئۃ الطیر باذن اللہ والسامری خلق لھم عجلا جسدا لہ خوار۔ (تفسیر صافی ص۳۲۳)

حضرت امام رضا علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ یا ابن رسول اللہ خالق جلیل کے سوا کوئی خالق ہو سکتا ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ خداوند عالم نے خود فرمایا ہے کہ وہ احسن الخالقین ہے یعنی خالقوں میں وہ بہتر خالق ہے۔ بالتحقیق اُس نے خود خبر دی ہے کہ اس کے بندوں میں خالقین بھی ہیں اور غیر خالقین بھی۔ اور خالقین میں سے عیسٰی بن مریم بھی ہیں جنہوں نے باذن خدا مٹی سے پرندہ کی شکل خلق کی تھی۔ اور سامری نے بنی اسرائیل کے لئے ایک گائے خلق کی تھی۔ اس کا جسم بھی تھا اور آواز بھی۔"

اس حدیث رضوی نے مسئلہ کو بالکل واضح کر دیا کہ اس آیت میں خالقین سے مراد نہ لوہار ہیں

نہ سوچی بلکہ خالق اپنے اصلی معنی "موجد" میں استعمال ہوا ہے اور امام نے مثال بھی دے دی ہے کہ خدا نے حضرت عیسٰیؑ کو خالق فرمایا ہے۔ لہٰذا مؤلف صاحب کی قیاسی تاویلیں بالکل غلط و باطل ہیں، اور شیطانی قیاس کی غمازی کر رہی ہیں۔ بلکہ یہ تمام تاویلیں صرف اس لئے کی جا رہی ہیں کہ اہلبیت طاہرین علیہم السلام کو خالق نہ کہا جائے۔ "بر ناصبیت لعنت باد"۔ مؤلف صاحب نے پھر ایک اور نیا پینترا بدلا ہے کیونکہ حدیثِ رضویؑ پر نظر پڑ چکی تھی۔ لہٰذا فرماتے ہیں۔ ملاحظہ ہو احسن الفوائد ص۴۴۳:۔

"اسی آیت کے ذیل میں تفسیر صافی نیز اصُولِ کافی وغیرہ میں بعض روایات آئمہ طاہرین سے مروی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض مخلوقین پر بھی "من باب المجاز" خالق کا اطلاق کیا گیا ہے۔ احادیث میں ان کی تعداد چار تک شمار کی گئی ہے۔ ایک حضرت عیسٰیؑ اور دُوسرے اور تیسرے وُہ فرشتے جو باذنِ خدا بطنِ مادر میں بچّہ کی تصویر کشی کرتے ہیں چوتھا سامری جس نے گوسالہ بنایا تھا۔ بنابریں آیت اپنے ظاہری معنی پر رہے گی۔ لیکن پھر بھی آئمہ طاہرین کا اس سے خالق ہونا ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس امر کی نفی ہوتی ہے۔ کیونکہ اگر یہ معصومین علیہم السلام بھی خالق ہوتے تو جہاں ان مذکورہ بالا چار افراد کا احادیث میں ذکر کیا گیا تھا وہاں یہ بھی مذکور ہوتا کہ ہم آئمہ اہلبیت بھی خالق ہیں لیکن جب یہ وارد نہیں تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وُہ خالق نہیں ہیں۔ اب محض قیاس آرائی سے کام نہیں لیا جا سکتا۔ "فان اول الناس من قاس ابلیس"۔

مؤلف صاحب نے پھر اپنی نیت ظاہر کر دی ہے کہ چاہے جس کو خالق کہہ لو مگر آئمہ اہلبیتؑ کو خالق نہیں کہہ سکتے۔ اس عبارت میں پہلے تو آپ یہ فرماتے ہیں کہ خالق کا لفظ "من باب المجاز" ہے۔ ان کا یہ لفظ جگہ جگہ ان کی کتاب میں آیا ہے۔ جہاں اہلبیت کی فضیلت ثابت ہوتی ہے اور یہ صاحب رد نہیں کر سکتے تو فوراً کہہ دیتے ہیں کہ "من باب المجاز" ہے۔ مگر یہ خود ان کا قیاس ہوتا ہے جو ان کے بقول "اول من قاس ابلیس" ہے۔ کیونکہ پہلے انہوں نے خالقین کا لفظ بالکل بے معنی اور مہمل قرار دیا ہے یعنی بالکل فرضی۔ چنانچہ خود لکھتے ہیں:۔

"کہ جب صنعت کے ماہروں کا کمال ظاہر کرنا ہوتا ہے تو عرب کے دستور کے مطابق ایک فرضی جمع کا صیغہ لا کر اس ماہر کو احسن اور خیر کے لفظ سے تفضیل دے دیتے ہیں۔ جیسے احسن التاجرین، احسن النجارین، احسن الحدادین، خیر الخبازین، خیر البقالین۔ یہ ضروری نہیں ہوتا کہ دُوسرے صنعت کار ضرور موجود ہیں"۔ (احسن الفوائد ص۴۴۳)

مؤلف صاحب کی اس عبارت کا مطلب یہ ہوا کہ بہترین تاجر اور بہترین بڑھئی اور بہترین

لوہار اور بہترین نان بائی اور بہترین کونجڑا کا لفظ اس وقت بھی بولا جاتا ہے جبکہ کوئی تاجر، بڑھئی، لوہار اور کونجڑا موجود نہ ہو۔ اسی طرح خالقین کا وجود نہیں ہے بلکہ صرف فرضی وجود مان کر "احسن الخالقین" کہا گیا ہے۔ یعنی خدا نے فرضی طور پر اپنی مہارت کا کمال دکھانے کے لئے یہ لفظ بولا ہے کہ میں خالقین میں بہترین خالق ہوں جیسے نانبائیوں میں بہترین نانبائی اور کونجڑوں میں بہترین کونجڑا۔ چاہے نانبائی اور کونجڑے موجود نہ بھی ہوں تب بھی یہ کہا جاسکتا ہے۔

اب آپ یہ فرمائیے کہ یہ معنی کس امام علیہ السلام کی حدیث میں ہیں جو آپ نے تحریر فرمائے ہیں۔ اور اگر نہیں ہیں اور ہرگز نہیں ہیں کیونکہ امام علیہ السلام ایسی کمینہ حرکت خداوند عالم کے باب میں کبھی نہیں کرسکتے تھے۔ لہٰذا آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ تفسیر بالرائے ہے اور شیطانی قیاس ہے اور جہنم میں اپنی جگہ بنائی گئی ہے۔

جب آپ کا دل اہلبیت کی توہین میں اس قیاس سے بھی مطمئن نہیں ہوا تو آپ نے "خالقین" کے معنی "صانعین" بتائے ہیں اور صنعت کے معنی لوہار، بڑھئی، موچی، دھوبی کی مثالیں دے کر سمجھاتے ہیں اور فرمایا ہے کہ خدا "احسن الصانعین" ہے جیسا کہ ہم نے پیشتر تحریر کیا ہے۔

اور جب اس سے بھی دل ٹھنڈا نہ ہوا تو ناصبیت کی ادا میں آکر فرماتے ہیں کہ اگر ظاہری معنی خالق کے مراد ہیں۔ یعنی معنی (متبادر الی الذہن)، یعنی حقیقی معنی اور کسی کو خالق کہا جاسکتا ہے تو صرف چار افراد ہی کو خالق کہا جاسکتا ہے۔ آئمہ طاہرین کو پھر بھی خالق کہنا ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ انہوں نے اپنے لئے خالق نہیں کہا لہٰذا خالق نہیں ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت عیسےٰؑ خالق ہیں، سامری خالق ہے، فرشتے خالق ہیں، مگر آئمہ طاہرین علیہم السلام خالق نہیں ہیں۔ کیونکہ انہوں نے اپنے لئے یہ نہیں کہا ہے کہ ہم اہلبیت بھی خالق ہیں۔ لہٰذا وہ خالق نہیں ہیں۔

مؤلف صاحب کیا آپ آل محمد علیہم السلام کو اپنی طرح کم ظرف خود ستا سمجھتے ہیں جس طرح آپ اپنے لئے بقلم خود سرکار حجۃ الاسلام والمسلمین وغیرہ کا اظہار کرتے ہیں یہ حضرات بھی آپ کے قماش کے ہیں؟ (العیاذ باللہ)

محمد و آل محمد علیہم السلام جامع کمالاتِ انبیاء ہیں

مگر یہ فرمائیے کہ دیگر انبیاء علیہم السلام میں جتنے کمالات ہیں وہ تمام کمالات ان ذوات مقدسہ میں موجود ہیں یا نہیں۔ اگر یہ حضرات ہر کمال اور ہر صفت میں تمام انبیاء سے افضل ہیں تو پھر حضرت عیسیٰؑ اگر خلق کرسکتے ہیں، مادرزاد اندھے کو بینا بنا سکتے ہیں، اور یہ بتا سکتے ہیں کہ تم نے کیا کھایا ہے، اور

تمہارے گھر میں کیا کیا ذخیرہ ہے تو کیا یہ کمالات محمد و آل محمد علیہم السلام میں نہیں ہیں؟ اگر نہیں ہیں تو ان حضرات کو تمام کائنات سے ہر کمال ذاتی میں کیوں افضل تسلیم کرتے ہو۔؟ اگر یہ کمالات موجود ہیں تو پھر ان ذوات مقدسہ کے لئے انکار کیوں ہے؟

لیجئے آپ کی تسلی کے لئے ایک حدیث امیر المومنین علیہ السلام پیش کرتے ہیں:۔

قال امیر المومنین علیہ السلام والذی بعثہ بالحق نبیا ما من اٰیۃ کانت لاحد من الانبیاء من لدن اٰدم الیٰ ان انتھیٰ الیٰ محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم الا وقد کان لمحمد مثلھا او افضل منھا (احتجاج طبرسی ص۱۵)

حضرت امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اس ذات واحد و یکتا کی قسم کہ جس نے محمد عربی کو نبی مبعوث فرمایا ہے کہ جو معجزہ بھی کسی نبی کے لئے آدم سے لے کر آنحضرت تک ثابت ہے ویسے ہی تمام کے تمام معجزات بالیقین حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لئے ثابت ہیں بلکہ ان سے بھی افضل"۔

اب آپ فرمائیے کہ آپ کو حضرت مولائے کائنات امیر المومنین علیہ السلام کے حلفیہ بیان پر اعتبار ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو اپنے تمام قیاسات ابلیسی قیاس تسلیم کر کے ابلیسی تحفہ سے جان چھڑائیے اور ہماری طرح ایمان لے آئیے کہ محمد و آل محمد علیہم السلام میں وہ تمام کمالات موجود ہیں جو تمام انبیاء علیہم السلام میں جستہ جستہ تھے۔ اور اگر میرے مولا کے اس بیان حلفی پر اعتبار نہیں ہے تو پھر ہمیں ناصبی کے معنی بتائیے۔

نیز حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے ایک یہودی سے فضائل رسالت مآب بیان کرتے ہوئے فرمایا:۔

ساذکر لک الیوم من فضائل رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم ما یقر اللہ بہ عین المومنین ویکون فیہ ازالۃ لشک الشاکین فی فضائلہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم انہ کان اذا ذکر لنفسہ فضلیۃ قال ولا فخر وانا اذکر لک فضائلہ غیر مزر بالانبیاء ولا منتقص لھم ولکن شکرا للہ عزوجل علے ما اعطی محمد صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم مثل ما اعطاھم وما زادہ اللہ وما فضلہ علیھم۔ (احتجاج طبرسی ص۱۰۰)

حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ آج میں تیرے سامنے کچھ فضائل رسول اللہ بیان کرتا ہوں۔ آنحضرت جب کبھی اپنی فضیلت بیان فرماتے تھے تو فرماتے تھے کہ میں کوئی فخر نہیں کرتا ہوں۔ اور آج میں بھی جو کچھ فضائل بیان کرتا ہوں اس سے میرا ارادہ

یہ نہیں ہے کہ معاذ اللہ انبیاء کی توہین مقصود ہے یا ان میں کوئی نقص دکھانا مطلوب ہے نہیں بلکہ خدائے عزوجل کا شکر ادا کرنا پیش نظر ہے اس فضیلت پر کہ خداوند عالم نے جو کچھ تمام انبیاء کو عطا کیا ہے وہ تمام کمالات و معجزات آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کو عطا فرمائے ہیں اور ان سے بھی زیادہ عطا فرمائے ہیں اور ان سب پر آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کو فضیلت دی ہے :

مؤلف صاحب کو اب تو جائے دم زدن نہیں ہے کہ ان احادیث کو نظر انداز کر سکیں ؛ لہذا تسلیم کرنا ہی پڑے گا کہ جتنے کمالات و فضائل دیگر انبیاء علیہم السلام کو عطا کئے گئے تھے وہ سب اور ان سے زیادہ آنحضرتؐ کو عطا ہوئے ہیں۔ احادیث کثیرہ متواترہ سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ تمام کمالات انبیاء علیہم السلام کے وارث اہلبیت علیہم السلام ہیں۔ لہٰذا ہمارے تمام آئمہ علیہم السلام میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے زیادہ خلق کی قوت ہے۔ وہ تو مٹی ہی سے پرندے خلق کرتے تھے، یہ حضرات تو صرف شیر قالین کو مجسم شیر بنا لیتے ہیں ؛ اور پھر اس کو اسی حالت پر بذریعہ امر واپس شیر قالین یعنی تصویر بنا دیتے ہیں۔ یعنی خلق کی بھی طاقت ہے اور امر کی بھی۔ اور یہ حضرات مظہر ہیں خدا کی صفت "لہ الخلق والامر" کے یعنی خدا ہی کے لئے خلق ہے اور اسی کے لئے امر ہے"۔ ان حضرات نے خدا کی اس صفت کی معرفت دُنیا کو کرائی تا کہ خدا کی اس صفت پر ایمان لایا جائے۔ اور حضرت عیسےٰ بن مریم علیہ السلام نے صرف قوت خلق کا مظاہرہ کیا تھا مگر امر کا اظہار نہیں کیا تھا۔ مگر ان حضرات نے خلق و امر دونوں کا مظاہرہ فرمایا ہے۔ اسی لئے صاحب الخلق حضرت عیسےٰ علیہ السلام ہمارے صاحب الامر حضرت حجت عجل اللہ فرجہٗ کی اقتداء میں نماز پڑھیں گے، جو متفق علیہ بین المسلمین ہے۔ بلکہ محمدؐ و آل محمدؐ علیہم السلام نے احیاء موتیٰ وغیرہ تمام معجزات دکھلائے ہیں۔

چنانچہ امام رضا علیہ السلام کا ارشاد ہے :-

قال الرضا لقد اجتمعت قریش الی رسول اللہ فسئلوا ان یحیی لهم موتاهم فوجه معهم علی بن ابی طالبؑ فقال له اذهب الی الجبانة فناد باسماء هؤلاء الرهط الذین یسئلون عنهم باعلی صوتك یافلان ویافلان ویافلان یقول لکم رسول اللہ محمد صلے اللہ علیه وآله وسلم قوموا باذن اللہ عزوجل فقاموا ینقضون التراب عن رؤسهم فاقبلت قریش تسئلهم عن امورهم ثم اخبروهم ان محمدؐ قد بعث نبیا فقالو الوددنا ادرکناه فنؤمن به ولقد ابرء الاکمه والابرص والمجانین وکلمته البهائم والطیر والجن والشیاطین

ولو نتخذہ ربا من دون اللہ عزّ وجل۔

حضرت امام رضا علیہ السلام کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ جناب رسولؐ خدا کی خدمت میں کچھ قریش جمع ہوئے اور آنحضرتؐ سے سوال کیا کہ ان کے مُردوں کو زندہ کر دیں۔ پس آنحضرتؐ نے اُن کے ہمراہ علی بن ابی طالب علیہ السلام کو روانہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اے علی قبرستان میں جاؤ اور اُن مردوں کو آواز دو جن کو یہ لوگ زندہ کرانا چاہتے ہیں۔ اور بآواز بلند اُن کا نام لے کر پکارو۔ اے فلاں اے فلاں اے فلاں تم کو رسول اللہ محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ باذنِ خدا اٹھو اور کھڑے ہو جاؤ۔ یہ کہنا تھا کہ وُہ مردے اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے سروں سے مٹی جھاڑ کر قریش سے گفتگو کرنے لگے۔ اور قریش نے ان کو بتایا کہ رسول محمدؐ مبعوث ہوا ہے تو انہوں نے کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ ان کی خدمت میں اگر پہنچ جائیں تو ان پر ایمان لائیں۔ حضرت رضا نے فرمایا کہ اس کے علاوہ جناب رسولِ خداؐ نے مادر زاد اندھوں کو بینا کیا ہے اور مبروص و مجنون کو بھی شفا دی ہے۔ اور ان سے چوپایوں اور پرندوں نے بھی باتیں کی ہیں اور جنات و شیاطین نے بھی گفتگو کی ہے۔ مگر باوجود ان معجزات کے ہم نے رسولِ خداؐ کو اپنا رب خدا کے سوا نہیں بنایا۔

ناظرین کرام اس قسم کے بکثرت معجزات محمدؐ و آل محمدؐ علیہم السلام کے موجود ہیں اور کتاب مدینۃ المعاجز میں بھی ہزار ہا معجزات درج ہیں جس پر علمائے اعلام کا مکمل اعتماد ہے۔ اور بحار الانوار میں بھی بکثرت معجزات منقول ہیں جن کو حضرت علامہ مجلسیؒ جیسی ہستی نے معتمد و معتبر بالتحقیق تحریر فرمایا جن کی رد نہیں کی جا سکتی۔

اگر میں تمام انبیاء علیہم السلام کے کمالات و معجزات تحریر کروں تو علیحدہ ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے۔ اب آپ فرمائیے کہ ایسی کتاب کا نام "احسن الفوائد" غلط نام نہیں ہے؟

اگر آپ خفا نہ ہوں تو میں اس کے باطل و گمراہ کن عقائد کو دیکھ کر "اقبح المقاصد" کہوں تو بے جا نہ ہوگا۔

اہلبیت علیہم السلام کی فضیلت کو چھپانا سب سے بڑا قتل ہے

قال علی بن الحسین علیہما السلام اعظم من ھذا القتل ان یقتلہ قتلا لا ینجبر ولا یحیی بعدہ ابدا قالو اما ھو؟ قال ان یضلہ عن نبوۃ محمدؐ وعن ولایۃ علی بن ابی طالب فھذا ھو القتل الذی

ھو تخلید المقتول فی نار جھنم خالداً امخلداً ابداً فجزاء ھذا القتل مثل ذالک الخلود فی نار جھنم۔ (احتجاج طبرسی ص۱۶۴)

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا ہے جو عام قتل ہوتے ہیں ان کا قصاص بھی ہے۔ مگر ایک قتل ان سے بڑا ہے کہ جو بھی اس طرح قتل ہو جائے گا تو اس کی کوئی تلافی ہی نہیں ہے اور نہ وہ کبھی زندگی پائے گا۔ لوگوں نے دریافت کیا مولا وہ کون سا قتل ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ وہ قتل یہ ہے کہ کسی کو نبوت محمدؐ عربی کی شان سے گمراہ کر دیا جائے اور حضرت علی علیہ السلام کی شانِ ولایت سے گمراہ کر دیا جائے۔ پس یہ وہ قتل ہے کہ مقتول بھی داصل جہنم ہو گا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے، اور قاتل کو بھی اسی طرح ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نارِ جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔

اب ذرا مؤلف صاحب آنکھیں کھول کر اس حدیث مبارک کو پڑھیں اور بتائیں کہ جو حقوقِ اہلبیت علیہم السلام کو تلف کرے گا اور لوگوں کو ان کی شان وفضیلت سے اور ان کی نبوت و ولایت کی معرفت سے گمراہ کرے گا تو وہ قاتل ہے! اور جس کو گمراہ کرے گا وہ مقتول ہے۔ یہ دونوں ہی خالداً مخلداً ابداً فی نار جھنم ہوں گے اور ان کی کوئی تلافی نہیں ہے۔

لہٰذا اب اگر یہ لوگ چار افراد کو تو خالق تسلیم کرتے ہیں اور محمدؐ وآلِ محمدؐ علیہم السلام سے اس فضیلت کو جدا کرتے ہیں اور اُن کی حق تلفی فرماتے ہیں تو ان لوگوں نے جن کو بھی اپنا ہم خیال بنالیا اور اُن کی اس کتاب کو پڑھ کر اُن کے ہمنوا ہو گئے وہ بے چارے تو مقتول ہو گئے اور یہ قاتل قرار پائے۔ لہٰذا ان پر حدیث مذکور صادق آئے گی۔

اب ان کا کیا خیال ہے۔ توبہ کا ارادہ ہے یا نہیں؟ کیونکہ تلافی کی کوئی اور صورت ممکن نہیں ہے۔

جوشِ ناصبیت میں تفسیر بالرائے

مؤلف صاحب چونکہ اپنی "احسن القوائد" میں یہ تحریر فرما چکے ہیں کہ "خالقین" کے معنی صانعین ہیں اگر یہ اس بات پر بھی ثابت قدم رہیں جس کی اُمید نہیں ہے، تو ہم ایک حدیث پیش کرتے ہیں اور ہم ان لوگوں کو پہلے بھی سمجھا چکے ہیں کہ خلق کے دو معنی ہیں اور دونوں حقیقی ہیں۔ لفظ خلق مشترک ہے اور معنی مختلف ہیں۔

جیسا کہ امام رضا علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ "اسماء" خالق اور مخلوق دونوں پر باختلاف معنی استعمال ہوتے ہیں۔

لہٰذا لفظ خالق اس معنی سے کہ لا شئے سے شئے ایجاد کرنا مراد ہو یہ صرف خدا ہی کے لئے مخصوص

ہوں گے۔ لیکن شے سے شے بنانا یعنی مادہ موجودہ کی شکل بدل دینا خلق یہ بھی ہے۔ جیساکہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے لئے استعمال ہُوا ہے۔ یہ معنی مخلوقین کے لئے درست ہیں اور یہ حضرات اس معنی سے خالق ہیں۔ جیسے پانی کو زمرد اور عقیق بنانا؛ اور سنگریزوں کو انگور بنانا؛ مرد کو عورت بنانا؛ خشک درخت کو میوہ دار بنانا وغیرہ۔ یہ بھی خلق ہی ہے۔ اور اسی لئے خداوند عالم نے اپنی ذات اقدس کو احسن الخالقین۔ فرمایا ہے۔ اور اسی لئے خداوند عالم نے اپنی ذات اقدس کو احسن الخالقین فرمایا ہے۔

لہٰذا دلال قمی نے جو روایت امام صاحب العصر والزمان عجل اللہ فرجہ کی بیان کی ہے جس کو آپ نے بڑے طمطراق اور شد ومد سے لکھا ہے۔ اس میں چونکہ فرمایا گیا ہے کہ ہمیں خالق و رازق نہ کہو۔ وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ جسم جسم کا خالق نہیں ہو سکتا۔ یعنی جو خود جسم ہو وہ جسم کو عدم سے وجود میں نہیں لاسکتا۔ لہٰذا اسی معنی سے نفی فرمائی گئی ہے۔ ورنہ قرآن مجید کی تکذیب لازم آئے گی۔ لہٰذا جس جگہ خالق و رازق ہونے کا انکار ہے وہاں عدم سے وجود میں لانا مراد ہے۔ یعنی کسی شے کو کتم عدم سے وجود میں لانا خدا ہی کی ذات کے ساتھ مختص ہے۔ مگر شے سے شے خلق کرنا مخلوقین کے لئے بھی درست ہے۔

احسن الخالقین کی غلط تاویلات!

مؤلف صاحب نے اس فضیلت اہلبیت علیہم السلام کو غلط ثابت کرنے کے لئے اپنی کتاب "احسن الفوائد" میں بہت پیچ و تاب کھائے مگر کامیاب نہ ہوسکے۔ لہٰذا انہوں نے اس کے بعد دوسری کتاب "اصول الشریعہ" تحریر فرمائی اور جو کچھ تیر اُن کے ترکش میں باقی رہ گئے تھے اُن کا نشانہ بھی اہلبیت کو بنایا ہے۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں؛ اصول الشریعہ ص۱۱۱

"کہا جاتا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آیت مجیدہ فتبارک اللہ احسن الخالقین میں اپنے سوا دیگر خالقین کا اعلان کیا ہے اور اپنی ذات کو ان خالقین میں احسن فرمایا ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ غیر خدا کا خالق ہونا شرک نہیں ہے۔ اسی طرح آیت واللہ خیر الرازقین میں خدا نے اپنے سوا دیگر رازقین کے وجود کا اعلان کیا ہے اور اپنی ذات کو ان رازقین میں افضل فرمایا ہے۔ لہٰذا غیر خدا کا رازق ہونا شرک نہیں ہے۔ (از پمفلٹ معرفت محمدؐ و آل محمد ص۱۳) شبہ بوجوہ عدیدہ حقیقت حال سے چشم پوشی کرنے پر مبنی ہے۔ اگرچہ احسن الفوائد میں اس شبہ کا کما حقہ قلع قمع کیا جا چکا ہے لیکن چونکہ اسے تازہ شائع شدہ پمفلٹ پیش کیا گیا ہے لہٰذا اس کے ایک اجمالی جواب پر اکتفا کرتے ہُوئے تفصیل کے شائقین کو اس مذکورہ کتاب کی طرف رجوع کرنے کا مشورہ دیتے ہیں فان فیہ شفاء لکل علیل و ریا لکل غلیل"۔

ہم نے مولف صاحب کی پوری عبارت نقل کر دی ہے تاکہ طالبانِ حق کو حق اپنے صحیح خدو خال میں نظر آجائے۔ یہ پمفلٹ جس کی عبارت مولف صاحب نے نقل کی ہے ہم نے جناب سید مہربان علی رضوی جنرل سکریٹری آل پاکستان حسینی مشن راولپنڈی کی فرمائش پر قلم برداشتہ دیا تھا کیونکہ اس وقت مولف صاحب کی کتاب "احسن الفوائد" پر لے دے ہو رہی تھی اور ہم نے اس کتاب کی زیارت تک بھی نہیں کی تھی جو کچھ ہم نے سُنا تھا اس کے متعلق قلم برداشتہ ایک مضمون لکھ دیا تھا جس کو رضوی صاحب موصوف نے طبع کرا کے اپنی ایک مجلس میں بجائے تبرک تقسیم فرما دیا تھا اور اسی پمفلٹ کو جناب مدیر محترم "درِ نجف" نے اپنے اخبار میں درج کر دیا تھا۔ اسی پمفلٹ کے جواب کی طرف مولف صاحب توجہ دلا رہے ہیں کہ اس کا قلع قمع کتاب "احسن الفوائد" میں کر دیا گیا ہے اور موصوف شائقینِ تفصیل کو مشورہ عطا فرما رہے ہیں کہ اس میں شفا ہے ہر بیمار کی اور سیرابی ہے ہر تشنہ کی۔

ہم نے اس قلع قمع کو من و عن پیش کر دیا ہے اور ان کی کتاب "احسن الفوائد" کو "قبح المقاصد" ثابت کر دیا ہے۔ اور ہم چیلنج کرتے ہیں کہ ہمارے قلم برداشتہ پمفلٹ کا جواب مولف صاحب کی تمام مددگار روحیں بھی جمع ہو کر نہیں دے سکتیں۔ ہم نے دو آیتیں پیش کی ہیں جن سے غیر خدا کا خالق و رازق ہونا ثابت ہے۔ اور ایسا عقیدہ شرک نہیں ہے۔ ہماری تحریر کا ایک جملہ بھی رد کرنا مولف کے ٹولہ کی طاقت سے باہر ہے۔ اب مولف صاحب اصول الشریعہ میں ہمارے استدلال کو شبہ سمجھ کر مندرجہ ذیل جواب تحریر فرماتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے اصول الشریعہ ص ۱۱۴:۔

> خلاصہ جواب باصواب یہ ہے کہ استدلال کنندہ نے صرف ظاہری الفاظ کا سہارا لیا ہے ورنہ اس کی تحریر سے مترشح ہوتا ہے کہ وُہ خود بھی حقیقت الامر کی طرف متوجہ ہے۔ چنانچہ خود اس نے مذکورہ بالا عبارت کے تحت حقیقت کا دبے لفظوں میں اقرار کر لیا ہے درحقیقت خلق و رزق جو صرف خدا کے ساتھ مخصوص ہے وُہ عدم سے وجود میں لانا ہے اور وجود میں آنے کے بعد اس کی نسبت غیر خدا کی طرف غلط نہیں ص ۱۳ "پمفلٹ"۔ اسے کہتے ہیں جادو وُہ جو سر پر چڑھ کر بولے۔ ابلہ فریبی ملاحظہ ہو کہ حقیقت کا اعتراف کرنے کے باوجود ڈھنڈورہ پھر بھی پیٹا جا رہا ہے کہ غیر خدا خالق و رازق ہیں۔ (اصول الشریعہ ص ۱۱۴)

ہم نے اصول الشریعہ کی عبارت من و عن نقل کر دی ہے تاکہ مولف صاحب کے جواب باصواب کا پتہ لگ جائے۔ اور ناظرین کرام کو ابلہ فریبی کا مصداق تلاش کرنے میں زحمت نہ ہو۔

مولف صاحب فرماتے ہیں کہ استدلال میں صرف ظاہری الفاظ کا سہارا لیا گیا ہے۔ حالانکہ الفاظ سے جو جلدی ذہن میں معنی آئیں وہی تو معنی حقیقی ہوتے ہیں جس کو خود مولف صاحب بھی تسلیم

کر چکے ہیں۔ التبادر علامۃ الحقیقۃ۔ یعنی لفظ کو سُنکر ذہن میں جو معنی جلدی آجائیں یہی علامت معنی حقیقی ہے تو پھر فرمائیے کہ ہم نے خالقین کے معنی سمجھنے میں کیا غلطی کی ہے۔ ہم نے ظاہر الفاظ سے جو متبادر ہوتا ہے وہی سمجھا ہے اور وُہی لکھا ہے۔ آپ کی طرح ابلیسی قیاس نہیں کیا ہے۔ اور آپ نے خود بھی "احسن الفوائد" میں تسلیم کر لیا ہے کہ ظاہری معنی کے لحاظ سے صرف چار افراد خالق کہلا سکتے ہیں جیسا کہ ہم پیشتر تحریر کر چکے ہیں اور احسن الفوائد کا اپریشن کیا جا چکا ہے۔

اس کے بعد آپ تحریر فرماتے ہیں کہ ہم نے دبے لفظوں میں حقیقت کا اقرار کر لیا ہے۔ حالانکہ ہم نے صاف صاف پمفلٹ میں تحریر کیا ہے کہ جو معنی لفظ خلق کے "عدم سے وجود میں لانا" ہیں وُہ خدا کی ذات کے ساتھ بالتحقیق مخصوص ہیں۔ اور وجود میں آنے کے بعد مادہ کی شکلوں کا بدلنا اور اس سے کوئی چیز ایجاد کرنا، یہ بھی خلق کے حقیقی معنی ہیں۔ اور یہ غیر خدا کے لئے منسوب کرنا شرک نہیں ہیں۔ یہ اگر جادوُ ہے تو آپ کے سر پر چڑھ کر بول رہا ہے۔ مگر آپ اپنے لفظوں کے ہیر پھیر میں موالیانِ اہلبیت علیہم السلام کو دھوکا دینا چاہتے ہیں اور اپنی اس تحریر کو جواب باصواب فرما کر گمراہ کرنا چاہتے ہیں۔ مگر اب وُہ زمانہ نہیں ہے کہ آپ کی لفظی بھول بھلیاں کسی کو گمراہ کر سکیں۔ اس کے بعد آپ ہمارے لئے ابلہ فریبی بتاتے ہیں اور حقیقت واقعیہ کا ڈھنڈورہ پیٹنے کی نسبت دیتے ہیں۔ اگر ایک حقیقت کا ڈھنڈورہ پیٹا جائے تو یہ ابلہ فریبی کیوں ہے، یہ تو آپ کے کان کھولنے کے لئے ہے کہ آپ راہِ راست پر آجائیں اور "من باب المجاز" کا لفظ اہلبیت علیہم السلام کی فضیلت میں استعمال کر کے عوام شیعہ کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا نہ کریں۔ کیونکہ یہ علامت ناصبیوں کی ہے جیسا کہ امام حسن عسکری علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے ہم سابق میں تحریر کر چکے ہیں۔

اور آپ نے خود بھی لغوی معنیِ خلق تحریر کر کے اعتراف کیا ہے کہ لغت عرب کی روشنی میں اگر خالق کہا جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ چنانچہ ہم آپ کی عبارت پیش کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیے: (اصول الشریعہ صـ۱۱۵):-

> "لیکن اس کے لغوی معنی ہیں "التقدیر والاتقان فی الصنعۃ" کسی چیز کا اندازہ کرنا اور کسی چیز کو عمدہ طریقہ پر بنانا (متشابہ القرآن جلد ۱ صـ۱۷۳) بنابریں احسن الخالقین کے معنی یہ ہوں گے: احسن المقدرین و احسن الصانعین۔ ولا ضیر فیہ۔"
> (اصول الشریعہ صـ۱۱۵)

آپ نے اپنی اس عبارت میں تسلیم کر لیا ہے کہ لغتِ عرب کے لحاظ سے "احسن الخالقین" سے غیر خدا کا خالق ہونا ثابت ہے اور اس میں کوئی مضائقہ اور عیب نہیں ہے۔ کیونکہ کسی چیز کو عمدہ طریقہ پر بنانا خلق کے معنی ہیں جیسا کہ آپ نے خود ہی اقرار فرما لیا ہے۔ تو پھر یہ ابلہ فریبی کس کی ہوئی اور جادُو

کس کے سر پر چڑھ کر بولا۔ ناصبیت مُردہ باد۔

مگر آپ نے اپنی عادت مستمرہ کو نہیں چھوڑا جو آپ نے فضائل اہلبیت میں پردہ پوشی کے لئے اختیار کی ہوئی ہے۔ اور وُہ یہ ہے کہ آپ نے لفظ "ذَالِكَ خَیرٌ" کا ترجمہ نہیں فرمایا ہے۔ کیونکہ تمام ناظرین کتاب عربی دان تو ہیں نہیں۔ لہٰذا وُہ سمجھ ہی نہیں سکیں گے کہ خالق کہنا غیر خدا کے لئے صحیح و درُست ہے اور اس میں کوئی عیب نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے معنی ہیں "کوئی مضائقہ نہیں"، کوئی عیب نہیں، کوئی اعتراض نہیں۔ مگر آپ کی نیت کا پتہ لگ گیا۔ لہٰذا لغوی معنی کے اعتبار سے "احسن الخالقین" کے معنی وہی ہیں جو ہم نے تحریر کئے ہیں۔ اور تفسیر امام رضاء علیہ السلام میں اس کا مطلب غیر خدا کے خالقین ہونے کا اعلان و اخبار بتایا گیا ہے۔ آپ نے اپنی اس عبارت میں خدا کو "احسن الصانعین" تسلیم کرکے یہ اعتراف کرلیا ہے کہ غیر خدا صانع ہو سکتا ہے۔ آپ اس لغوی معنی کا انکار نہیں کرسکتے۔ یعنی خدا وند عالم عمدہ طریقہ پر بنانے والوں میں بہترین بنانے والا ہے۔ اب ہم اہلبیت علیہم السلام کے لئے یہی لفظ "صانع" دکھائیں گے۔ اور بار بار آپ کو اس لئے توجہ دلا رہے ہیں کہ آپ اپنے اقرار سے نہ پھر جائیں اور اپنے اعتراف کو فراموش نہ کرسکیں

فانتظر انك من المنتظرين۔ اس کے بعد آپ مسئلہ رزق کے متعلق تحریر فرماتے ہیں ملاحظہ فرمایئے: (اصُول الشریعہ ص۱۱۶) :۔

کیا غیر خدا کو رازق کہنا صحیح ہے

"لیکن رزق کے دوسرے لغوی معنی کسی کو کچھ بلا عوض دینا بھی ہیں۔ جیسے ہبہ، ہدیہ اور وصیت نیز عطیہ جاریہ کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے: رزق السلطان جندہ کہ بادشاہ نے اپنے لشکر کو رزق دیا۔

معلوم ہؤا کہ لغوی اعتبار سے رزق کے معنی عطا کرنا ہیں۔ اس اعتبار سے غیر خدا کی طرف اس کی نسبت مجازاً جائز ہے۔ اس کی تائید بعض آیاتِ قرآنیہ سے بھی ہوتی ہے ارشادِ قدرت ہے:۔

واذا حضر القسمة اولوا القربیٰ والیتمیٰ والمساكين فارزقوهم وقولوا لهم قولا معروفا۔ (پ۴ ، النساء ع۱۳)

جب ترکہ کی تقسیم کے وقت وُہ قرابتدار جن کا کوئی حصہ نہیں اور یتیم بچے اور محتاج لوگ آجائیں تو انہیں بھی اس میں سے کچھ دے دو۔ اور ان سے اچھی طرح بات کرو۔ (ترجمہ سرمان)

یہاں اس آیت میں عام لوگوں کو حکم دیا جارہا ہے کہ تقسیم وراثت کے وقت قرابت داروں تیموں مسکینوں کو کچھ رزق دیں۔ ان کو عطا کریں۔ (اصول الشریعہ ص۱۱۶)"

مؤلف صاحب نے اپنی اس تحقیق میں تسلیم کر لیا ہے۔ کہ لغت عرب میں رزق کے معنی عطا کرنا ہیں اس اعتبار سے غیر خدا کو بھی رازق کہنا صحیح و درست ہے۔ اور قرآن مجید کی آیت بھی شاہد ہے کہ غیر خدا کے لئے رزق کا لفظ خود خدا نے استعمال فرمایا ہے یعنی لغت عرب سے بھی ثابت ہے اور قرآن سے بھی کہ غیر خدا کے لئے رازق کا لفظ استعمال کرنا صحیح ہے۔ مگر پھر بھی مؤلف صاحب نے حسب عادت مستمرہ مجازاً کا لفظ گھسیڑ دیا ہے۔ ان سے کوئی طالب علم دریافت کرے کہ جب لغت عرب میں اور خود قرآن مجید میں استعمال موجود ہے تو آپ نے اپنی طرف سے کیوں قیاس آرائی فرمائی ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ لغت و قرآن سے چونکہ "خیر الرازقین" کی آیت میں اہلبیت علیہم السلام کا رازق ہونا ثابت ہو جائے گا۔ لہٰذا "مجازاً" کا لفظ داخل کر دیا کہ عوام دھوکہ میں آجائیں اور ان کے دلوں شک و شبہ پیدا ہو جائے جو ناصبیوں کی نشانی ہے۔

اس کے بعد مؤلف صاحب نے ایک آخری تیر مارا ہے اور محمد و آل محمد علیہم السلام کو نشانہ بنایا ہے۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں ملاحظہ فرمائیے:۔

"علاوہ بریں اس شبہ کا ایک جواب یہ بھی ہے کہ آیت قرآنی "خیر الرازقین اور احسن الخالقین کا مطلب یہ ہے کہ کفار جن کو خالق اور رازق سمجھتے تھے ان کے بالمقابل یہ اعلان کیا جا رہا ہے کہ جن کو تم خالق و رازق سمجھتے ہو خدا ان سے بہتر خالق و رازق ہے۔ پھر افضل کو چھوڑ کر مفضول کے دامن سے متمسک ہونا کہاں کی دانشمندی ہے"۔ (اصول الشریعۃ ص۱۱۶)

مؤلف صاحب کا یہ سہ شعبہ تیر ہے کہ مشرکین کو شرک کے جواز کا فتویٰ صادر فرمایا جا رہا ہے۔ یعنی جن کو کفار رازق و خالق سمجھتے تھے انہیں یہ بتایا گیا ہے کہ خالق و رازق تو یہ بھی ہیں جن کو تم مانتے ہو مگر خدا تو ان سے بہتر خالق و رازق ہے۔ اور ان کے بالمقابل وُہ افضل ہے۔ یعنی خدا نے یہ تصدیق فرما دی ہے کہ کفار کے تسلیم کردہ خالق و رازق بھی درست ہیں مگر خدا ان کے مقابلہ میں بہتر ہے۔ تو اگر یہ اعتقاد تمام صفات میں غیر خدا کے لئے تسلیم کر لیا جائے اور مؤلف صاحب کے اصول کے مطابق ہر صفت سے غیر خدا کو موصوف کر لیا جائے اور خدا کو اس کے مقابل افضل تسلیم کر لیا جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ صرف فعل مکروہ کا مرتکب ہو گا اور بس۔ لہٰذا معبود اور رب غیر خدا بھی ہیں مگر خدا ان سے افضل ہے۔ اور کفار کا عقیدہ درست ہے کہ وُہ غیر خدا کو معبود و مسجود اور رب اور خالق و رازق بلاشک و شبہ تسلیم کر لیں۔ مگر صرف اتنا فرق کر لیں کہ خدا ان کے بالمقابل افضل ہے۔ تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ ترجیح مرجوح ہو گی جو ممکن ہے مگر ترجیح بلا مرجح نہ ہو گی جو ناممکن ہے اور بس۔

لہٰذا اگر بتوں کو معبود تسلیم کر کے اور خدا کی معبودیت کو ان کے بالمقابل افضل سمجھ کر بتوں کی عبادت

کی جائے تو زیادہ سے زیادہ ترک اولیٰ ہوگا۔ یہ ہے سزائے ناصبیت جو بقلم خود تجویز کر رہے ہیں۔
مؤلف صاحب جب آپ کافروں کے لئے کھلی چھٹی دے رہے ہیں کہ ایسے عقیدہ میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اگر اہلبیت طاہرین علیہم السلام کو آپ کے اسی اصول پر خالق و رازق تسلیم کر لیا جائے اور خدا کو افضل خالق و رازق مانتے ہوئے ان ذوات مقدسہ کے خالق و رازق ہونے پر ایمان لایا جائے، تو ہم کیوں قابلِ گردن زدنی ہیں؟ ناظرین کرام فیصلہ کریں کہ مؤلف صاحب کے اس قیاس ابلیسی کا کیا نتیجہ ہے کیا اب بھی کسی منصف مزاج کو ان کے عقیدہ میں کوئی شک ہو سکتا ہے۔

اس کے بعد مؤلف صاحب نے ایک اور قیاسی خنجر چلایا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں ملاحظہ ہو اصول الشریعہ ص۱۱۶

"ان آیات کا طرزِ تخاطب وہی ہے جو حضرت یوسفؑ کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے جو انہوں نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ اختیار کیا تھا۔

یاصاحبی السجن ارباب متفرقون خیرام الله الواحد القهار

اے میرے ساتھیو کیا متفرق رب بہتر ہیں یا ایک قہار خدا کا ماننا بہتر ہے"۔ کیا حضرت یوسفؑ کی نگاہ میں خدا کے بالمقابل کچھ برحق ارباب تھے۔ حاشا و کلا۔ (اصول الشریعہ ص۱۱۶)

ہمیں کس قدر افسوس ہوتا ہے جب ان کی علمی کمزوریوں کو دیکھتے ہیں کہ ان کو استفہام اور خبر کا فرق بھی معلوم نہیں ہے جو مبتدی طالب علم بھی جانتے ہیں کہ جملہ استفہامیہ اور جملہ خبریہ میں کیا فرق ہے۔ مگر برا ہو عداوتِ اہلبیت کا کہ آدمی اندھا ہو جاتا ہے اور اسے حق و باطل کا کوئی لحاظ نہیں رہتا۔

مولف صاحب "احسن الخالقین اور خیر الرازقین" دونوں جملے خبر کے لئے وارد ہوئے ہیں؛ پروردگار عالم نے خبر دی ہے کہ خالقین اور خیر الرازقین کا وجود ثابت ہے مگر وہ خود بہترین خالق و رازق ہے جیسا کہ مفصل ذکر ہو چکا ہے۔ اور اسی آیت کی تفسیر میں

امام رضا علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس آیت میں غیر خدا کے خالقین ہونے کا اعلان ہے مگر حضرت یوسف علیہ السلام اپنے ساتھیوں سے استفہام فرما رہے ہیں اور اپنے ساتھیوں کے سامنے استدلال توحید پیش کر کے ان کے زعمِ باطل کو غلط ثابت کر رہے ہیں اور انہیں ان کی غلطی پر متنبہ کیا جا رہا ہے کہ جن کو تم معبود سمجھتے ہو یہ تو صرف نام ہی نام ہیں، ان کے لئے کوئی الٰہی ثبوت نہیں ہے۔ جیسا کہ اس آیت کے بعد والے جملے بتا رہے ہیں اور اس استفہام کے ذریعہ درحقیقت ان پر حجت قائم کر رہے ہیں تا کہ وہ اپنے باطل عقیدہ کو سمجھیں اور خدائے واحد قہار پر ایمان لائیں۔ اور خود حضرت یوسف علیہ السلام نے لفظ "رب" اسی آیت کے بعد بالکل متصل غیر خدا کے لئے استعمال فرمایا ہے:۔

یاصاحبی السجن اما احدکما فیسقی ربه خمرا۔

یعنی اے قید خانہ کے میرے دونوں ساتھیو تم دونوں میں سے ایک اپنے رب کو شراب پلائے گا؟
فرمائیے یہاں رب کے کیا معنی ہیں۔ اور یہی لفظ رب اسی قصہ یوسفؑ میں چار مرتبہ غیر خدا کے لئے موجود ہے بزبان یوسفؑ بھی اور بزبان قدرت بھی۔
مگر مؤلف صاحب کو بغض وعناد میں سب کچھ فراموش ہوگیا ہے اور اپنے زعم وخیال میں یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ پاکستان میں سب سے بڑے عالم یہی ہیں۔ حالانکہ میرے شاگرد ان کے مفتی مدظلہ (میرے سلمہ) ان کے استادوں سے بمراتب افضل ہیں ان کو ہم نے مشورہ دیا تھا کہ آپ فروع دین ہی پر اکتفا کریں۔ مسائل خمس وزکوۃ اور حیض ونفاس ہی بیان کرنے میں آپ کا فائدہ ہے۔ علم کلام وعقائد میں دست اندازی نہ کریں۔ مگر یہ اپنے پَر پُرزے پھیلانے سے باز نہیں آئے حالانکہ یہ خود ہی نجف اشرف میں میرے شاگردوں کی عظمت دیکھ چکے ہیں۔ اور اُن کے مقابلہ میں اپنی تہی دامنی کا اقرار کر چکے ہیں۔ اور پھر میرے قلم برداشتہ پمفلٹ پر تبصرہ کرنے کی جسارت کرتے ہیں۔ اور یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ ہم ان سے بھی زیادہ عالم ہیں۔ حالانکہ قیامت تک اُس کا جواب نہیں دے سکتے۔
مؤلف صاحب نے اپنے دامن کے پتھروں میں سے آخری پتھر محمدؐ وآل محمد علیہم السلام کی فضیلت پر یہ مارا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:۔

" اسی طرح بعض ادعیہ میں وارد ہے
یا رب الارباب ویا سید السادات ویا الٰہ الآلھۃ۔
اے معبودوں کے معبود! کیا خدا کے علاوہ کوئی معبودِ برحق ہے؟ حاشا وکلا۔ پھر یا الٰہ الآلھۃ کا مطلب کیا ہے؟
ماننا پڑے گا کہ مطلب یہی ہے کہ جن کو کفار معبود سمجھتے ہیں اور فی الحقیقت معبود نہیں، خدا ان کا بھی معبود ہے۔
یہی کیفیت خیر الرازقین اور احسن الخالقین ہے کہ جن کو کفار ومشرکین خالق ورازق سمجھتے تھے ان کے بالمقابل یہ کہا جارہا ہے کہ خدا ان سے بہتر خالق ورازق ہے۔ ارشادِ قدرت ہے: "اتدعون بعلا وتذرون احسن الخالقین" کیا تم بعل (بت) کو پکارتے ہو اور احسن الخالقین کو چھوڑ دیتے ہو۔ (اصول الشریعہ ص 116)

مؤلف صاحب نے جو دُعا ثبوت میں پیش کی ہے اس میں بھی کاٹ چھانٹ کی ہے۔ پوری دُعا نقل نہیں کی ہے۔ کیونکہ استدلال کا بھانڈا پھوٹتا تھا۔ اور جتنا بھی حصہ نقل کیا ہے اس کا بھی پورا ترجمہ نہیں لکھا ہے۔ کیونکہ اس سے بھی ان کا استدلال باطل ہوتا تھا۔ لہذا ہم پوری دُعا نقل کرتے ہیں

تاکہ اُن کی خیانت واضح ہو جائے۔

یا رب الارباب ویا ملک الملوک ویا سید السادات ویا جبار الجبابرۃ ویا الہ الالٰھۃ صلِّ علیٰ محمد و آل محمد۔ (مفاتیح الجنان حاشیہ ص 99)

اس دعا کا ترجمہ یہ ہے:۔ اے تمام مربیوں کے رب اور اے تمام بادشاہوں کے بادشاہ اور اے تمام سادات کے سید اور اے تمام جابروں کے جابر اور اے تمام مرجعوں کے مرجع رحمت نازل فرما محمدؐ و آل محمدؐ پر۔

اب اگر اس دعا میں تمام مضاف الیہ کے لئے یہ کہا جائے کہ وُہ سب باطل ہیں اور صرف خدا ہی رب ہے اور خدا ہی بادشاہ ہے، اور خدا ہی سید ہے، اور خدا ہی جابر ہے، اور خدا ہی الٰہ ہے، تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ دُنیا میں نہ کوئی سید ہے اور نہ کوئی بادشاہ ہے اور نہ کوئی جابر حاکم ہے۔ حالانکہ یہ سب مشاہدہ کے خلاف ہے۔ اور قرآن میں اس کے خلاف سید کا وجود بھی ثابت ہے اور بادشاہوں اور جابر حاکموں کا بھی۔ اور احادیث میں بھی ان افراد کا وجود ثابت ہے اور احادیث میں آنحضرت کو سید الانبیاء والمرسلین اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام کو سید الوصیین والصدیقین اور جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کو سیدۃ نساء العالمین اور جناب حسنین علیہما السلام کو سید اشباب اھل الجنۃ اور تمام آئمہ طاہرین علیہم السلام کو سادۃ الامۃ کے القاب سے موصوف کیا گیا ہے۔ اور سید القوم کا لفظ عرب میں مستعمل ہے اور آجکل بھی اولادِ رسولؐ کو سید کہا جاتا ہے۔

لہٰذا اگر لفظ سید خدا کے لئے مخصوص ہے اور دُوسروں کے لئے شرک ہے تو مولف صاحب کو قرآن و حدیث اور لغت عرب سب کا انکار کرنا پڑے گا پھر تمام دنیا کی جہالت کا منبع بننا پڑے گا۔

لہٰذا یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس دعا میں بلحاظ لغت تمام الفاظ استعمال کئے گئے ہیں چونکہ عربی میں الٰہ کے معنی من یالھون الیہ ای یشتاقون الیہ ہیں۔ یعنی لوگ جس کی طرف رجوع کریں اور جس کے مشتاق ہوں اس کو الٰہ کہتے ہیں۔ اور چونکہ سب کا مرجع خدا ہے اس لئے وُہ الٰہ الالٰہ یعنی مرجعوں کا مرجع ہے۔ اور اسی طرح رب کے معنی لغت میں تربیت کرنے والے کے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے خود لفظ رب غیر خدا کے لئے استعمال فرمایا ہے اور اس کے معنی بھی تربیت کرنے والے کے ہیں۔ جیسا کہ سُورہ یوسف میں چار مقام پر موجود ہے اور اسی لئے قرآن مجید میں والدین کو اسی لفظ کے مشتق سے "ربّیانی صغیرا" کہا گیا ہے۔ یعنی اے خدا میرے والدین پر رحم

فرما جس طرح انہوں نے میری تربیت صغر سنّی میں کی ہے۔ اسی لئے رب الارباب کے معنی "سب پلنے والوں کے پالنے والے" ہوں گے۔ اور اسی طرح سب بادشاہوں کے بادشاہ اور اسی طرح سب جابروں پر جبار کے معنی ہوں گے۔ اس سے نفی لازم نہیں آتی نہ خالقین کی نہ رازقین کی۔ بلکہ ربۃ البیت اور ربۃ المنزل گھر والی کے لئے مستعمل ہے جو "رب" کی تانیث ہے۔ فلا تکن من الجاھلین۔

مولف صاحب کی ایک اور چالاکی بھی ملاحظہ فرمائیے۔ الٰہ الالٰہ کا ترجمہ خود فرمایا ہے" کہ اے معبودوں کے معبود" اور پھر فرماتے ہیں "احسن الخالقین اور خیر الرازقین کا بھی یہی مطلب ماننا پڑے گا۔

سبحان اللہ کیا اجتہاد ہے۔ خدا نے خالق الخالقین یا رازق الرازقین۔ کب کہا ہے کہ اس کا مطلب یہی ماننا پڑے۔ وہاں تو احسن الخالقین اور خیر الرازقین ہے یعنی خالقوں میں بہتر اور رازقوں میں افضل۔ وہاں تو خدا نے خود اعلان فرمایا ہے کہ خالقوں اور رازقوں کا وجود ثابت ہے لیکن خدا افضل ہے۔

مگر اس دعا میں اور آیات احسن الخالقین اور خیر الرازقین میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ آپ کتنے ہی پاپڑ بیلیں، حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام بہر حال حضرت عیسیٰ کی طرح خالق بلکہ ان سے افضل خالق اور عطا کرنے والوں سے افضل عطاء کرنے والے اور رازق بالتحقیق ثابت ہیں۔

اس کے بعد آپ نے ایک اور آیت پیش کی ہے جس میں کافروں سے استفہام ہے اور ان کو غلطی کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ تم لوگ "احسن الخالقین" کو چھوڑ کر بعل (بت) کو پکارتے ہو، جو کسی چیز پر قادر نہیں ہے۔ مگر اس میں "احسن الخالقین" کے معنی کا انکار نہیں کیا گیا ہے بلکہ بعل نامی بُت کے عجز کا اظہار ہے کہ تم اس کو پکارتے ہو جو کچھ بھی نہیں ہے۔ اور احسن الخالقین کو ترک کر رہے ہو جو سب سے زیادہ قدرت رکھتا ہے۔ اس استفہام سے کافروں کی غلطی کا اظہار کیا گیا ہے خالقین کی نفی نہیں کی گئی ہے۔ لہٰذا اس سے بھی آپ کا مطلب حل نہیں ہوتا۔ کیونکہ "احسن الخالقین" اپنے معنی کے ساتھ ثابت ہے۔

محمدؐ و آل محمدؐ علیہم السلام ایتاء و اغناء و فضل کے مالک ہیں

اس کے بعد مولف صاحب نے ہمارے پمفلٹ معرفت محمدؐ و آل محمد علیہم السلام" پر تبصرہ فرمایا ہے اور ہمارے بیان کو ساتواں شبہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ اصول الشریعۃ ص۱۱۶ پر تحریر فرماتے ہیں:۔

ساتواں شبہ اور اس کا جواب :۔ ارشادِ قدرت ہے :۔

ولو انھم رضوا ما اتھم اللہ و رسولہ وقالو احسبنا اللہ سیؤتنا اللہ من فضلہ و رسولہ انا الی اللہ راغبون۔ (الآیۃ)

یعنی جو کچھ خدا نے اور اس کے رسولؐ نے ان کو اپنے فضل و کرم سے عطا فرمایا ہے اگر یہ اس پر راضی رہتے اور کہتے کہ خدا ہمارے لئے کافی ہے۔ ہمیں اللہ اور اس کا رسولؐ دونوں اپنے فضل و کرم سے عطا کریں گے۔ ہم یقیناً خدا کی طرف رغبت رکھتے ہیں۔ تو یہ اظہار ان کے لئے ثبوت ایمان کی دلیل ہوتا۔"

ارشاد فرمایا :۔ وما نقموا الا ان اغناھم اللہ و رسولہ من فضلہ۔ اور ان لوگوں نے صرف اس وجہ سے مخالفت کی ہے کہ اللہ نے اور اس کے رسولؐ نے اپنے فضل و کرم سے ان کو مالدار بنا دیا ہے۔" (پمفلٹ مذکور ص ۱۴)

اس شبہ کے جواب میں، ہمیں مزید خامہ فرسائی کی ضرورت نہیں ہے۔ سابقہ شبہ کے جواب سے اس شبہ کا جواب باصواب معلوم ہو جاتا ہے کہ

یہاں ایتاء اور اغناء کی نسبت "من باب المجاز" بالکل اسی طرح پیغمبرؐ اسلام کی طرف دی گئی ہے جس طرح ہر مال دار کو حکم دیا گیا ہے کہ واتوھم من مال اللہ الذی اتاکم۔ (پ ۱۰۔ س توبہ۔ ع ۱۰)

مال سے غرباء و مساکین کو اسی طرح عطا کرو جس طرح اس نے تم کو عطا کیا ہے۔"

(اصول الشریعۃ ص ۱۱۶)۔"

ہم نے اپنے پمفلٹ "معرفت محمدؐ و آلِ محمدؐ علیہم السلام" میں ایک عنوان قائم کیا تھا:

"ایتاء و اغناء و فضل"۔

اور اس عنوان کے تحت یہ عبارت مندرجہ ذیل تحریر کی تھی جس کو مؤلف صاحب نے چھوڑ دیا ہے اور استدلال کی کمر توڑ کر درمیان سے عبارت لکھ دی ہے۔ یہ اُن کی بددیانتی اس لئے قابل معافی نہیں ہے کہ معاملہ فضیلتِ اہلبیت کا ہے۔ ورنہ ذاتی معاملہ ہوتا تو ہم معاف کر دیتے۔ ہماری عبارت ملاحظہ فرمائیے :۔

قرآن مجید میں کسی کو کچھ دینے اور عطا کرنے کی نسبت اور غنی کر دینے کی نسبت اور فضل و کرم کی نسبت غیر خدا کی طرف موجود ہے اور خدا نے اپنے ساتھ ساتھ ان افعال کی نسبت اپنے نبی کی طرف بھی دی ہے۔ اور معصومین علیہم السلام نے ان آیات کو مخالفین کے مقابلہ میں بطورِ ثبوت پیش کیا ہے۔ چنانچہ ارشادِ قدرت ہے : ولو رضوا ما اتاھم اللہ و

رسولہ من فضلہ - الآیۃ

اس کے بعد وہ عبارت ہے" جو مؤلف صاحب نے نقل کی ہے۔ اور اس کا جواب اُن کے پاس صرف اِتنا ہے کہ یہاں" ایتاء اور اغناء" کی نسبت "من باب المجاز" ہے اس کو مؤلف صاحب جواب باصواب بتاتے ہیں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ لعنۃ اللہ علی الشیطان الرجیم۔

مؤلف صاحب! یہاں جو نسبت خدا نے اپنے نبی کی طرف دی ہے وہ "من باب المجاز" کیوں ہے؟ اس کا بھی تو کوئی ثبوت دیجئے۔

کیا محمدؐ و آلِ محمد علیہم السلام عطا نہیں کرتے ہیں؟ اور آپ تو ابھی ابھی چند سطر پہلے اعتراف کر چکے ہیں کہ رزق کے معنی عطا کرنے کے ہیں۔ اور قرآن مجید کی آیت پیش کر کے آپ نے ترجمہ لکھنے کے بعد خود یہ تحریر فرمایا ہے کہ "یہاں اس آیت میں عام لوگوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ تقسیمِ وراثت کے وقت قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں کو کچھ رزق دیں (اُن کو کچھ عطا کریں)۔

عام لوگ تو آپ کی نظر میں رزق بھی دے سکتے ہیں اور عطا بھی کر سکتے ہیں اور ان کا عطا کرنا آپ کی نظر میں درست ہے۔ "من باب المجاز" کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی ہے۔ لیکن جب محمدؐ و آلِ محمدؐ کے لئے یہی لفظ آتے ہیں تو وہ عام لوگوں سے بھی (معاذ اللہ) پست ہیں کہ وہاں آپ اپنی عادت مستمرہ "من باب المجاز" پر عمل کرتے ہیں۔

یہ آپ کا "من باب المجاز" شانِ اہلبیت میں ابلیسی قیاس ہے۔ جس کی دلیل کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ بندہ خدا! معصومین علیہم السلام کی تفسیر کے مقابلہ میں آپ کے شیطانی قیاسوں کی کیا حیثیت ہے۔ سُنئے اور کان کھول کر سُنئے۔ عام لوگوں کو جو کچھ خدا نے عطا کیا ہے اُن کے لئے خدا کا ارشاد ہے کہ تم ہمارے عطا کردہ مال میں سے عطا کرو۔ جیسا کہ آپ کی پیش کردہ آیت کا مفہوم ہے لہٰذا اسی اصول پر آپ کی تحریر کے مطابق مطلب یہ ہوا کہ محمدؐ و آلِ محمد علیہم السلام بھی عطا کریں جو کچھ خدا نے انہیں عطا کیا ہے۔ لہٰذا اگر محمدؐ و آلِ محمد علیہم السلام مطابق امرِ خدا عطا کریں تو یہ "ایتاء و اغناء و فضل" من باب المجاز کیسے ہو گیا۔

اگر یہ ذواتِ مقدسہ کسی کو عطا کریں تو یہ "من باب المجاز" اور عام لوگ عطا کریں تو وہ حقیقت ہے۔ خدارا ان حضرات سے یہ بغض و عناد ترک کر دیں۔ اور دُنیا کیا کم ہے کہ آپ شیعہ کہلا کر ایسی گستاخیاں کر رہے ہیں۔ اور اُن کی اولاد سادات کرام جہانیاں شاہ سے ہزار ہا روپیہ لے کر اُن ہی کے آباؤ اجداد کی توہین آمیز کتاب شائع کر رہے ہیں۔

مؤلف صاحب نے ایک آیت پیش کی ہے جس میں شرک کا ذکر ہے۔ اور جناب علامہ مجلسیؒ

علیہ الرحمہ کی تفسیر تحریر کی ہے۔

مگر چونکہ ان کو شرک کے معنی نہیں آتے اس لئے خلق، رزق، احیاد اماتت کے افعال کو شرک کہہ دیا ہے حالانکہ خود خداوند عالم نے فرشتوں کے ذریعہ یہ کام لیا ہے اور رحم مادر میں تصویر کشی اور حضرت عیسیٰؑ کا خلق کرنا اور چار افراد کا خالق ہونا یہ خود تسلیم کر چکے ہیں۔ اور رازق بمعنی عطا تو عام لوگوں کے لئے بھی تحریر کر چکے ہیں اور ملائکہ کا روح نکالنا "اماتت" میں قبول کر چکے ہیں۔ تو کیا یہ سب شرکاءِ خدا ہیں۔ اور خلق کرنے ہیں چار افراد کو خالق ماننا شرک نہیں ہے۔ چہاردہ معصومین کو خالق ماننا شرک ہے۔ درحقیقت یہ لوگ شرک کے معنی سے بے بہرہ ہیں۔

شرکِ ممنوع کے معنی یہ ہیں کہ فعلِ خدا جس قدرت کے ساتھ متصف ہے ایسی ہی قدرت کے ساتھ غیر خدا کا اتصاف کیا جائے، اس کو شرک کہتے ہیں۔ یعنی خدا بالذات فاعل ہے اور اس کے سوا سب بالغیر فاعل ہیں۔ اگر کسی کو بالذات فاعل مانا جائے تو شرک ہے۔ خدا کا کسی اپنے منتخب سے کام لینا شرک نہیں ہے۔ یہی مطلب ہے سرکار علامہ مجلسیؒ کا جس کو مؤلف صاحب کی عقل نہیں پا سکتی۔

اب آپ کو ہم یہ بتاتے ہیں کہ خدا نے ان حضرات کو کیا کیا دیا ہے۔ مختصر طور پر تحریر کئے دیتے ہیں مفصل آئندہ تحریر کریں گے۔

"لعل اللہ یحدث بعد ذٰلک امرا"

تمام دُنیا اہلبیت کی ملکیت ہے

"امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ تمام دنیا امام کی ملکیت ہے جس طرح چاہے صرف کرے جس کو چاہے عطا کرے اور جس کو چاہے روک دے۔ اللہ کی طرف سے یہ اختیار دیا گیا ہے۔" (کافی)

امام حسن عسکری علیہ السلام سے کسی نے دریافت کیا کہ رسول اللہ کو دُنیا میں سے صرف خمس ہی عطا ہُوا ہے؟ تو امام نے جواب میں فرمایا کہ بالتحقیق دُنیا اور جو کچھ اس میں ہے سب رسُولِ خدا کی ملکیت ہے۔ (کافی)

بلکہ کتاب کافی میں ایک باب ہی اسی نام کے ساتھ مخصوص ہے:

"باب ان الارض کلھا للامام"

یعنی کل زمین امام ہی کا مال ہے۔

۳۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ خداوند عالم جس کے ہاتھ پر چاہے اپنے ارادہ کا اظہار کرے اور اسی طرح عطا کرے یا منع کرے۔ اور اسی طرح ثواب دے یا عذاب

دے۔ جس کے ہاتھ پر چاہے انجام دے۔ اور اُمنا کا فعل اسی کا فعل ہے۔ جیسا کہ خدا فرماتا ہے کہ اے محمدؐ و آل محمدؐ آپ حضرات وہی چاہتے ہیں جو خدا چاہتا ہے۔ (احتجاج ص۲۳۱)

۴:- عن ابی جعفر وجدنا فی کتاب علی ان الارض للہ یورثہا من یشاء من عبادہ والعاقبۃ للمتقین انا و اھل بیتی الذین اورثنا اللہ الارض ونحن المتقون والارض کلھا لنا۔ (کافی ص۲۵۸)

یعنی امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ہم نے حضرت علی علیہ السلام کی کتاب میں پایا ہے کہ زمین خدا کی ہے اور وہ جس کو چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے۔ اور عاقبت متقین کے لئے ہے۔ میں اور میرے اہلبیت وہ ہیں جن کو خدا نے زمین کا وارث بنایا ہے۔ اور ہم متقون ہیں"۔

ہم نے قرآن و احادیث اور تفسیر معصومین کی روشنی میں ثابت کر دیا ہے کہ خلق و رزق، ایتاء و اغناء تربیت و امارت، عطاء و منع اور اس کے ہم معنی صفات حضرات محمدؐ و آل محمد علیہم السلام کے لئے ثابت ہیں۔ قیاسات امور شرعیہ میں ممنوع ہیں۔ اور اپنے علم پر تکبر کرنا گناہ عظیم ہے۔ مگر متکبر کے ساتھ تکبر عبادت ہے۔ باوجود ان دلائل قاہرہ کے اگر کوئی صاحب انکار کریں گے تو امام حسن عسکری علیہ السلام کی اس حدیث کا مصداق ہوں گے۔ ملاحظہ فرمائیے:۔

اہلِ عناد و اہلِ فساد کی شناخت

قال ابو محمد الحسن العسکری علیہ السلام فلما وجدنا ذلک موافقا لکتاب اللہ و وجدنا کتاب اللہ بھذہ الاخبار موافقا و علیھا دلیلا کان الاقتداء بھذہ الاخبار فرضا لا یتعداہ الا اھل العناد و الفساد۔ (احتجاج طبرسی ص۲۳۱)

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب ہم نے حدیث کو کتاب خدا کے موافق سمجھ لیا اور کتاب خدا کو ان احادیث کے موافق و مؤید۔ تو ایسی حالت میں ان احادیث کو تسلیم کرنا فرض ہے۔ اور ایسے احادیث سے بس وہی لوگ تجاوز کریں گے جو اہلِ عناد اور اہلِ فساد ہوں گے"۔

ارشاد امام علیہ السلام سے ثابت ہو گیا کہ جو لوگ احادیث معصومین علیہم السلام کو نظر انداز کر کے اپنے قیاس و اجتہاد پر عمل کرتے ہیں وہ بالتحقیق فسادی اور عنادی ہیں۔ اس نصیحت کو گرہ باندھ لو اور توبہ کرو۔

رائے اور قیاس کی ممانعت

عن عیسٰی بن عبد اللہ قال دخل ابوحنیفہ علی ابی عبد اللہ علیہ السلام فقال یا اباحنیفہ قد بلغنی انک تقیس فقال نعم فقال لا تقس فان اول من قاس ابلیس لعنہ اللہ۔ (احتجاج طبرسی ص۱۸۶)

عیسٰی بن عبداللہ کہتے ہیں کہ ایک روز ابوحنیفہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس آئے تو حضرت نے فرمایا کہ اے ابوحنیفہ مجھے خبر ملی ہے کہ تم قیاس کرتے ہو؟ انہوں نے کہا جی ہاں حضرت نے فرمایا کہ دیکھو قیاس نہ کیا کرو۔ کیونکہ سب سے پہلے ابلیس ملعون نے قیاس کیا تھا۔"

قال امیر المومنین علیہ السلام قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انک ستقاتل بعدی الناکثہ والقاسطۃ والمارقۃ وحلاھم وسماھم رجلا وتجاھد من امتی من خالف القراٰن وسنتی ممن یعمل فی الدین بالرأی ولا رای فی الدین انما ھو امر الرب ونھیہ۔
(احتجاج طبرسی ص۹۶)

حضرت امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ مجھے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آگاہ فرمایا کہ تم اے علی میرے بعد ناکثین وقاسطین اور مارقین سے جنگ کرو گے۔ اور ان کا حلیہ اور نام بھی بتائے۔ اور فرمایا کہ اے علی تم ان لوگوں سے بھی جہاد کرو گے جو قرآن اور میری سُنت کے خلاف۔ جن میں اپنی رائے پر عمل کریں گے اور رائے علی دین میں لئے نہیں ہے۔ وُہ تو خدا کا امر و نہی ہے۔"

دینی امور میں رائے کو دخل نہیں

اس حدیث مبارک سے معلوم ہوا کہ دینی امور میں رائے کو دخل نہیں ہے لہذا میں ان صاحبان کی خدمت میں عرض کروں گا کہ آپ نے اپنی تمام کتاب ہی رائے وقیاس سے مرتب کی ہے۔ ہر فضیلتِ اہلبیت کی تاویلیں فرماتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں "یہ معنی ہوں گے" پھر پینترہ بدل کر فرماتے ہیں کہ "یہ معنی ہوں گے" پھر پیچ وتاب میں آکر فرماتے ہیں یہ معنی ہوں گے۔ اب آپ فرمائیے یہ رائے نہیں تو اور کیا ہے۔ آپ کی تلوّن مزاجی سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کو حقیقت کا علم نہیں ہے۔ ورنہ آپ صحیح طور پر فرما دیتے کہ اس دینی امر کا یہ مطلب ہے اور اس کا حوالہ قرآن یا حدیث سے دے دیتے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا

ہے کہ آپ کو حقیقت کا علم نہیں ہے۔ جب ایسی صورت پیش آجائے تو بہتر یہی ہے کہ آپ اپنی لاعلمی کا اعتراف کرلیں اور دین کو بازیچۂ اطفال نہ بنائیں۔ ورنہ آپ خود اپنی سزا ائمہ طاہرین علیہم السلام کی حدیث کی روشنی میں تجویز کرلیں اور اس سزا کے لئے تیار ہو جائیں۔

شیعہ اور عدو اور غالی کی شناخت

عن علی علیہ السلام قال قال رسول اللہ مثلک فی امتی مثل المسیح بن مریم افترق قومہ ثلاث فرق فرقۃ مومنون وھم الحواریون وفرقۃ عادوہ وھم الیھود وفرقۃ غلوا فیہ فخرجوا عن الایمان وان امتی ستفترق فیک ثلاث فرق ففرقۃ شیعتک وھم المومنون وفرقۃ عدوک وھم الشاکون وفرقۃ تغلوا فیک وھم الجاحدون وانت فی الجنۃ یا علی وشیعتک ومحب شیعتک۔ وعدوک والغالی فی النار۔ (بحار الانوار ج۔ ص ۳۳۸)

حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ مجھ سے رسول اللہؐ نے فرمایا کہ اے علی تمہاری مثال میری اُمت میں ایسی ہے جیسے مسیح بن مریمؑ۔ ان کی قوم کے تین فرقے ہو گئے تھے۔ ایک فرقہ مومن اور وہ حواری عیسےؑ ہیں۔ اور دُوسرا دشمن اور وہ یہود ہیں۔ اور تیسرا فرقہ غالی (جنہوں نے خدا کہا)، وہ ایمان سے خارج ہو گئے۔ اسی طرح میری اُمت کے تین فرقے ہو جائیں گے۔ تمہارے باب میں ایک فرقہ تمہارا شیعہ ہوگا اور یہی مومنین ہیں اور دُوسرا دشمن اور وہ شک کرنے والے ہیں (تمہاری شان کو نہ پہچاننے والے)، اور تیسرا فرقہ غالی اور وہ کافر ہیں۔ اور تم اے علی جنت میں ہو گے اور تمہارے شیعہ اور شیعوں کے دوست بھی جنت میں ہوں گے۔ اور شک کرنے والے اور خدا کہنے والے جہنم میں ہوں گے۔"

اب اہلبیت طاہرین خصوصاً امیر المومنین علیہ السلام کی فضیلت و شان میں جو بھی شک کرنے والے اور ان کے درجہ سے گھٹا کر ان حضرات کو اپنی نوع میں داخل کرنے والے اور ایک نوع سمجھ کر ان کی جگہ مباح سمجھنے والے یہ سب شاکین ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ ان حضرات کے مراتب میں شک کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ فرقہ پست فرقہ ہے۔ اور جنہوں نے خدا بنالیا وہ فرقہ اُوپر نکل گیا۔ اور جو شیعہ فرقہ ہے وہ درمیان میں ہے کیونکہ اس فرقہ نے نہ خدا بنایا اور نہ اُن کے مراتب سے گھٹایا۔ لہٰذا یہی مومنین شیعہ فرقہ ہے۔ اب ہم تیسری بار یاد دہانی کرکے حضرت حجت کا تحریری فرمان یعنی توقیع پیش کرتے ہیں جس سے شاکین اور مومنین کا پتہ لگ جائے گا اور ہر صاحب عقل شناخت کرے گا کہ شک کرنے والے کون ہیں۔

مولف صاحب آپ نے خالقین کے معنی صانعین تسلیم کئے ہیں لہٰذا اب انکار نہیں کرسکتے

ہم یہی لفظ حدیث میں دکھاتے ہیں۔ ہم توقیع حضرت صاحب الامر عجل اللہ فرجہ تحریر کرتے ہیں پہلے ہم یہ بتادیں کہ توقیع یعنی امام کا تحریری دستخطی فرمان کس طرح پہنچتا تھا اور کون سے مبارک و پاکیزہ ہاتھ تھے جن کے ذریعہ پہنچایا جاتا تھا۔

سفرائے حضرت حجت عجل اللہ فرجہ

واما الابواب المرضیون السفراء الممدوحون فی زمان الغیبة فاولهم الشیخ الموثوق به ابو عمرو عثمان بن سعید العمری نصبه اولا ابوالحسن علی بن محمد العسکری ثم ابنه ابو محمد الحسن فتولی القیام بامورهما حال حیوتهما ثم بعد ذلک قام بامر صاحب الزمان علیه السلام وکان توقیعاته وجوابات المسائل تخرج علی یدیه فلما مضی لسبیله قام ابنه ابو جعفر محمد بن عثمان مقامه وناب منابه فی جمیع ذلک فلما مضی هو قام بذالک ابو القاسم حسین بن روح من بنی نوبخت فلما مضی هو قام مقامه ابو الحسن علی بن محمد السمری ولم یقم احد منهم بذالک الا بنص علیه من قبل صاحب الزمان علیه السلام ونصب صاحبه الذی تقدم علیه ولم یقبل الشیعة قولهم الا بعد ظهور آیة معجزة تظهر علی ید کل من قبل صاحب الامر علیه السلام تدل علی صدق مقالتهم وصحة بابیتهم۔ (احتجاج طبرسی۔ ص ۲۴۵)

اور پسندیدہ ابواب یعنی دروازے اور ممدوح پیغام بر جو زمانہ غیبت میں مقرر تھے اول ان میں سے معتبر موثوق حضرت ابو عمرو عثمان بن سعید عمری تھے جن کو اولاً حضرت امام علی نقی علیہ السلام نے اپنے لئے مقرر فرمایا تھا اور حضرت کے بعد آپ کے صاحبزادہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے مقرر فرمایا تھا۔ اور دونوں بزرگواروں کی زندگی میں یہی ان کے تمام امور انجام دیتے تھے۔ پھر ان کے بعد حضرت صاحب الزمان علیہ السلام کے امر کی تعمیل کرتے تھے اور حضرت حجت عجل اللہ فرجہ کے توقیعات اور مسائل کے جوابات ان ہی کے ہاتھوں شیعوں تک پہنچتے تھے۔ جب ان کی وفات ہو گئی تو ان کی جگہ ان کے فرزند ارجمند جناب ابو جعفر محمد بن عثمان تمام امور میں اپنے پدر بزرگوار کے جانشین ہوئے۔ جب یہ بھی وفات پا گئے تو ان کے قائم مقام جناب

ابو القاسم حسین بن روح مقرر ہوئے جو بنی نوبخت سے تھے۔ جب یہ بھی وفات پا گئے تو ان کی جگہ جناب ابو الحسن علی بن محمد سمری مقرر ہوئے اور ان میں کا ہر ایک حضرت امام صاحب الزمان عجل اللہ فرجہ کی نص کے ذریعہ یہ خدمت انجام دیتا تھا اور سابق اپنے لاحق کو اپنی جگہ مقرر کرتا تھا اور شیعہ جماعت اس وقت تک ان کا قول نہیں مانتی تھی جب تک کہ ان حضرات کے ہاتھوں سے ایسی معجزانہ نشانی نہیں دیکھ لیتے تھے جو امام کی طرف سے ان کو عطا ہوتی تھی جو ان حضرات کی صداقت اور ان کے صحیح باب امام ہونے پر دلالت کرتی تھی۔

معلوم ہوا کہ یہ معجزہ یعنی خرقِ عادت ان کے ہاتھوں پر امام صاحب الزمان علیہ السلام جاری کرتے تھے۔ اس سے واضح ہوجاتا ہے کہ امام میں یہ قدرت موجود ہے کہ وہ جس کے ہاتھ پر چاہے معجزہ دکھادے اور اسی کو فعل امام کہتے ہیں۔

طاقتِ معجزہ خدا نے دی ہے اور فعل امام کا ہے۔ یعنی طاقت کا خالق و فاعل خدا ہے اور اس کو استعمال میں لانے والا امام ہوتا ہے۔ جس طرح عمل کرنے کی طاقت خدا نے بندوں میں پیدا کی ہے اور اس کو فعل میں خود بندے لاتے ہیں۔ جیسا کہ آئندہ ہم مفصل بیان کریں گے۔ چنانچہ اس کی تصدیق جناب علامہ مجلسی علیہ الرحمہ کے کلام حق انضمام سے ہوجاتی ہے جن کے ارشاد کو مولف صاحب واجب القبول تسلیم کرچکے ہیں اور علامہ ممدوح نے ہمارے اعتقاد کی تائید و توثیق فرمائی ہے۔ ملاحظہ کیجئے:۔

والحق المعجزات الجاریۃ علی ایدی غیر الائمۃ علیہم السلام من اصحابھم ونوابھم انما ھی معجزاتھم علیہم السلام تظھر علی ایدی اولئک السفراء لبیان صدقھم۔ (بحار الانوار ج ۱۳ ص ۵۱)

یعنی حق یہ ہے کہ وہ معجزات جو آئمہ طاہرین علیہم السلام کے اصحاب اور نائبوں کے ہاتھوں پر جاری ہوئے ہیں وہ درحقیقت آئمہ علیہم السلام کے معجزات ہیں۔ جو ان حضرات کے سفیروں کے ہاتھوں پر ان کی صداقت ظاہر کرنے کے لئے دکھائے گئے ہیں۔ لہٰذا معجزہ فعل امام ہے۔

اب ہم حضرت ولی العصر عجل اللہ فرجہ کی توقیع مبارک پیش کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے اور ایمان لائیے۔

جناب شیخ موثوق عثمان بن سعید ابو عمرو العمری کا ارشاد ہے:۔

قال تشاجر ابن ابی غانم القزوینی وجماعۃ من الشیعۃ فی الخلف فذکر ابن ابی غانم ان ابا محمد علیہ السلام مضی ولا خلف لہ ثم انھم کتبوا فی ذالک کتابا وانفذوہ الی الناحیۃ واعلموا بما تشاجروا فیہ فورد جواب

کتابهم بخطه صلی الله علیه وآله وسلم علیٰ آبائه۔ (توقیع مبارک حضرت حجت ع)۔

بسم الله الرحمٰن الرحیم: عافانا الله وایاکم من الفتن ووهب لنا ولکم روح
الیقین واجارنا وایاکم من سوء المنقلب انه انهی الی ارتیاب جماعة
منکم فی الدین وما دخلهم من الشك والحیرة فی ولاة امرهم فغمنا ذالك لکم
لالنا وساءنا فیکم لافینا لان الله معنا فلا فاقة بنا الی غیره الحق معنا فلن
یوحشنا من قعد عنا ونحن صنائع ربنا والخلق بعد صنائعنا یا هٰؤلاء ما
لکم فی الریب تترددون فی الحیرة تنعکسون اوما سمعتم الله عزوجل یقول
یا ایها الذین آمنوا اطیعوا الله واطیعوا الرسول واولی الامر منکم او ما
علمتم ما جاءت به الآثار مما یکون ویحدث فی ائمتکم علی الماضین
والباقین منهم السلام اوما رأیتم کیف جعل الله لکم معاقل تأوون
الیها واعلاما تهتدون بها من لدن آدم علیه السلام الی ظهر الماضی
علیه السلام کلما غاب علم بدا علم واذا افل نجم طلع نجم فلما قبضه
الله الیه ظننتم ان الله ابطل دینه وقطع السبب بینه وبین خلقه
کلا ما کان ذالك ولا یکون حتی تقوم الساعة ویظهر امر الله وهم کارهون
وان الماضی علیه السلام مضی سعیدا فقیدا علیٰ منهاج آبائه علیهم
السلام حذو النعل بالنعل وفینا وصیته وعلمه ومنه خلفه ومن
یسد مسده ولا ینازعنا موضعه الا ظالم اثم ولا یدعیه دوننا الا
کافر جاحد ولولا ان امر الله لا یغلب وسره لا یظهر ولا یعلن لظهر لکم
من حقنا ما تبتز منه عقولکم ویزیل شکوککم لکنه ما شاء الله کان ولکل
اجل کتاب فاتقوا الله وسلموا لنا وردوا الامر الینا فعلینا الاصدار کما
کان منا الایراد ولا تحاولوا کشف ما غطی عنکم ولا تمیلوا عن الیمین و
تعدلوا الی الیسار واجعلوا قصدکم الینا بالمودة علی السنة الواضحة
فقد نصحت لکم والله شاهد علی وعلیکم ولولا ما عندنا من محبة
صلاحکم ورحمتکم والاشفاق علیکم لکنا عن مخاطبتکم فی شغل مما
قد امتحن به من منازعة الظالم العتل الضال المتتابع فی غیه
المضاد لربه المدعی ما لیس له الجاحد حق من افترض الله طاعته
الظالم الغاصب وفی ابنة رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم وعلیها

لی اسوۃ حسنۃ وسیرد الجاھل ردا ء علمہ وسیعلم الکافر لمن عقبی الدار عصمنا اللہ وایاکم من المھالک والاسواء والآفات والعاھات کلھا برحمتہ فانہ ولی ذالک والقادر علی من یشاء وکان لنا ولکم ولیا وحافظا والسلام علی جمیع الاوصیاء والاولیاء والمومنین ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ وصلی اللہ علی محمد النبی وآلہ وسلم تسلیما۔ (احتجاج طبرسی ص ۲۴۱)

ترجمہ:۔ جناب عثمان بن سعید عمری شیخ موثوق فرماتے ہیں کہ ابن ابی غانم غزوینی اور شیعوں کی ایک جماعت میں جانشین کی بابت تنازع واختلاف ہوا۔ ابن ابی غانم نے بتایا کہ حضرت امام حسن عسکریؑ وفات پا گئے اور اب ان کا جانشین کوئی نہیں ہے۔ پھر ان سب نے ایک خط حضرت صاحب الامر کی خدمت میں تحریر کیا اور اس میں باہمی اختلافات کا اظہار کر دیا۔ اس کا یہ جواب خود حضرت کے دستِ مبارک کا تحریر فرمودہ پہنچا:

فرمان حضرت صاحب الزمان عجل

بسم اللہ الرحمن الرحیم :۔ خداوند عالم ہمیں فتنوں سے محفوظ رکھے اور ہمیں اور تمہیں روح یقین عطا فرمائے اور ہمیں اور تمہیں انجام بد سے پناہ دے۔ یہ خبر پہنچائی گئی ہے کہ تمہاری ایک جماعت کو دین میں شک ہے اور اولی الامر کے متعلق ان کے دلوں میں حیرت و شبہ ہے۔ اس بات سے ہمیں تمہارے لئے غم ہوا نہ کہ اپنے لئے۔ اور تمہارے لئے برا محسوس ہوا نہ کہ اپنے لئے۔ کیونکہ یقیناً خدا ہمارے ساتھ ہے اور اس کے ہوتے ہوئے ہمیں کسی کی احتیاج نہیں ہے۔ اور چونکہ حق ہمارے پاس ہے اس لئے کسی کے جدا ہو جانے سے ہمیں کوئی وحشت نہیں ہے۔

ہم اپنے رب کی صنعتیں ہیں اور اس کے بعد تمام خلق ہماری صنعتیں ہیں۔ اے لوگو تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم شک و شبہ میں سرگرداں ہو اور حیرت و استعجاب میں کروٹیں بدل رہے ہو۔ کیا تم نے خدائے عزوجل کا قرآن میں یہ فرمان نہیں سنا ہے "اے ایمان والو خدا کی اطاعت کرو اور اس کے رسول و صاحبان امر کی اطاعت کرو"۔ کیا تمہیں ان چیزوں کا علم نہیں ہے جن کے بارہ میں آثار وارد ہو چکے ہیں۔ کہ تمہارے آئمہ کی شان میں کیا کیا حادثے پیش آئیں گے۔ ان کے گزشتہ اور باقی پر سلام ہو۔ کیا تم نے دیکھا کہ خداوند عالم نے تمہارے لئے مصائب میں پناہ لینے کے لئے ملجا و ماوی بنا دیئے ہیں۔ جن سے تم اپنی مصیبتوں میں پناہ لیتے ہو۔ اور اس کے ساتھ انہیں ہدایت کا نشان بھی

قرار دیا ہے کہ جن سے تم ہدایتِ دینی حاصل کرتے ہو۔ اور یہ ملجا و ماویٰ اور اعلامِ ہدایت کا سلسلہ آدم علیہ السلام سے لے کر وفات پانے والے امام حسن عسکری علیہ السلام کے وجودِ ذی جود تک مسلسل قائم رہا ہے۔ جب بھی کوئی نشان پوشیدہ ہوا ہے فوراً دوسرا علم و نشان ظاہر ہو گیا ہے۔ اور جب بھی کوئی ستارہ غروب ہوا ہے فوراً اُس کی جگہ دوسرا ستارہ طلوع ہو گیا ہے۔ جب امام حسن عسکریؑ کو خدا نے اپنی بارگاہ میں بُلا لیا تو کیا تمہارا خیال ہے کہ خدا نے دین کو معدوم کر دیا اور اپنی ذات اور مخلوق کے درمیان رابطہ توڑ دیا؟ ہرگز نہیں۔ کبھی ایسا نہیں ہوا۔ اور نہ قیامت تک کبھی ایسا ہو گا۔ امرِ خداوندی ظاہر ہوتا ہی رہے گا خواہ مخالفوں کو ناگوار ہوتا رہے۔ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام اپنی سعادتوں سمیت بارگاہِ خداوندی میں چلے گئے اور ہم سے جُدا ہو گئے جیسا کہ ان سے پیشتر ان کے آباؤ اجداد وفات پا چکے ہیں اور ان سب کی حیثیت بالکل ایک جیسی ہے۔ سرِ مُو فرق نہیں ہے۔ اور اب ہم میں ان کی وصیت اور ان کا علم موجود ہے اور اُن ہی کی جانشینی اور اُن ہی کی قائم مقامی ہے۔ ہم سے اس بارہ میں ظالم و گنہگار کے سوا کوئی نزاع نہیں کر سکتا۔ اور جو شخص بھی ہمارے سوا جانشینی کا دعوےٰ کرے گا وہ کافر و منکر ہو گا۔ اور اگر یہ مشیتِ خداوندی نہ ہوتی کہ اس کے امر کو نمایاں نہ ہونے دیا جائے اور اس کے پوشیدہ راز کو فاش نہ کیا جائے، تو ہمارے حق میں وُہ چیزیں ظاہر ہو جاتیں کہ تمہاری عقلیں پراگندہ ہو جاتیں۔ اور تمام شکوک زائل ہو جاتے (یعنی وہ خرقِ عادات اور کمالات دکھا دیئے جاتے جن کو تمہاری عقلیں برداشت نہ کر سکتیں)، اور تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتے۔ لیکن وہی ہو گا جو خدا چاہتا ہے۔ اور ہر مدّتِ معیّنہ کے لئے ایک نوشتہ موجود ہے۔ یعنی ان امور کے لئے وقت معیّن ہے۔ تم خدا کی نافرمانی سے بچو اور ہمارے اس امر کو قبول کر لو۔ اور ہمارا یہ امر ہماری ہی طرف لوٹاؤ۔ کیونکہ اس امر کا صادر کرنا اور وارد کرنا ہمارا ہی کام ہے۔ اور جو چیزیں تم سے پوشیدہ رکھی گئی ہیں ان کے کشف کا قصد نہ کرو اور دائیں سے بائیں نہ مڑو۔ اور محبت کے ساتھ ہمارا ہی قصد کرو یہی سنت واضحہ کے مطابق ہے۔ میں نے تمہیں نصیحت کر دی ہے اور خداوند عالم مجھ پر اور تم پر گواہ ہے۔ اور اگر ہمیں تمہاری محبت اور تم پر مہربانی و شفقت کا لحاظ نہ ہوتا تو تم سے کبھی اس سلسلہ میں ہم بات بھی نہ کرتے جس کے امتحان میں ہم آزمائے جا رہے ہیں۔ ایک ظالم، سرکش، گمراہ جو اپنی گمراہی پر اڑا ہوا ہے اور اپنے رب سے ضد کرتا ہے اور اس مرتبہ کا دعویٰ کرتا ہے جو اس کو حاصل نہیں ہے اور اس کے حق کا انکار کرتا ہے جس کی اطاعت

خدا نے اس پر فرض کر دی ہے۔ یہ شخص ظالم و غاصب ہے۔ اور میں اسی طرح صبر کر رہا ہوں جس طرح بنت رسولؐ نے صبر کیا تھا۔ خدا اُن پر اور اُن کے پدر بزرگوار رسولؐ خدا پر درود و سلام بھیجے۔ اور عنقریب یہ جاہل اپنے غلط علم کا خمیازہ بھگتے گا۔ اور عنقریب منکر کو پتہ لگ جائے گا کہ کس کے لئے دار آخرت ہے۔ خداوند عالم ہمیں اور تمہیں اپنی رحمت سے تمام ہلکوں اور برائیوں اور آفتوں اور بلاؤں سے محفوظ رکھے کیونکہ وہ اس کا مالک ہے اور جو چاہے اُس پر قادر ہے۔ خدا ہمارا اور تمہارا سرپرست و محافظ ہو۔ تمام اوصیاء اور اولیائؑ اور تمام مومنین پر بھی ہمارا سلام اور خدا کی رحمت و برکت ہو اور خداوند عالم محمدؐ و آل محمدؐ پر درود و سلام بھیجے۔

اس فرمان صاحب الزمانؑ میں کس قدر صاف اور واضح الفاظ میں امور تکوینیہ و تخلیقیہ کی قدرت و طاقت کا ذکر ہے اور کس قدر نمایاں طور پر فرمایا ہے

کہ ہمارا بنانے والا خدا ہے۔ کیونکہ وہی ہے جو لاشے سے شے بنا سکتا ہے۔ اس لئے ہم اپنے رب کی صنعتیں ہیں کیونکہ اوّل مخلوق ہیں۔ اور اس کے بعد جب ہم وجود میں آگئے تو اب وجود سے وجود ظاہر ہوا۔ اور چونکہ فعل امناء اللہ اسی کا فعل ہے جیسا کہ حضرت امام اوّل کے بیان حق ترجمان سے ہم پیش کر چکے ہیں۔ یعنی خالق کل شے صرف خدا ہی ہے اس لئے خالق مطلق کا لفظ بس اسی کے لئے مخصوص ہے اور انبیاء و آئمہ طاہرینؑ بھی خلق کرتے ہیں۔ مگر ان کے خالق ہونے کے معنی شے سے شے کو وجود میں لانا ہے۔ جیسے حضرت عیسیٰؑ کے لئے لفظ خلق ہے۔ لہٰذا دونوں کے معنی میں فرق ہے۔ مگر چونکہ اس راز کو مولف صاحب نہیں سمجھ سکتے اور آئمہ طاہرینؑ کو خطرہ تھا کہ اس مطلب عمیق کو قاصرین و عاجزین نہیں سمجھ سکیں گے اس لئے حضرت حجت عجل اللہ فرجہٗ نے ایک دوسری توقیع میں خلق و رزق کو اس معنی کے لحاظ سے خدا کے لئے مخصوص فرمایا ہے تاکہ قاصرین و عاجزین گمراہ نہ ہو جائیں۔ کیونکہ وہ "توقیع" غالیوں اور مفوضہ کی ردّ میں صادر ہوئی ہے۔ اور اس کے ابتدائی فقرات یہ ہیں:۔

ان اللہ ھو الذی خلق الاجسام وقسم الارزاق لانہ لیس بجسم ولا حال فی جسم لیس کمثلہ شئ۔

یعنی خدا ہی وہ ہے کہ جس نے اجسام کو پیدا کیا ہے۔ کیونکہ وہ جسم نہیں ہے۔ یعنی عدم سے وجود میں لانے والا اجسام کا وہی ہو سکتا ہے کیونکہ وہ جسم نہیں ہے اور نہ جسم میں حلول کرنے والا ہے۔ کیونکہ جو خود جسم ہو گا وہ جسم کو عدم سے وجود میں لانے والا نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح

رزق کو عدم سے وجود میں لانا بھی اس کا کام ہے۔ مگر جب اس نے اجسام کو عدم سے نکالا اور اجسام موجود ہو گئے تو اب شے سے شے بنانا غیر خدا کے لئے ثابت ہوا اور اس معنی سے غیر خدا خالقین کہلائے۔ لہٰذا مؤلف صاحب کو خلق کے ان دونوں معنی کو ملحوظ رکھ کر دونوں تو کیع کا صحیح مطلب سمجھنا چاہیئے۔

اسمائے خدا و اسمائے مخلوقین میں فرق

حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا ہے اے حسین بن خالد خدا قدیم ہے اور یہ صفت ظاہر کرتی ہے کہ کوئی خدا سے پہلے نہیں ہے اور نہ خدا کے ساتھ ہے۔ اور یہ گمان کرنا کہ خدا سے پہلے یا اس کے ساتھ کوئی چیز ہے' باطل ہے۔ کیونکہ اگر خدا کے ساتھ کوئی چیز ہوتی تو یہ نہیں کہہ سکتے تھے کہ خدا نے اس کو پیدا کیا ہے۔ اور اگر خدا سے پہلے ہوتی تو وہ خود اشیاء کو پیدا کرنے کی زیادہ حقدار ہوتی۔

خداوند عالم نے خلق کو پیدا کرنے کے بعد اپنی ذات کو اسماء کے ساتھ متصف فرمایا ہے۔ کیونکہ جب مخلوقات کو پیدا کیا اور ان کو مکلف بنایا اور اپنے احکام کی پابندی سے آزمایا تو خدا نے چاہا کہ میرے بندے مجھے پکاریں اور ان کے پکارنے کے لئے اس نے اپنی ذات کے لئے اسماء مقرر فرمائے اور ان اسماء سے اپنی ذات کو مسمیٰ فرمایا۔ جیسے سمیع۔ بصیر و قادر و قاہر و قیوم و حی و ظاہر و باطن و لطیف و خبیر و قوی و عزیز و حکیم و علیم وغیرہ۔

اور وہ لوگ جنہوں نے ہم پر دروغ کی تہمت لگائی اور ہمارے حق میں غلو کیا ہے انہوں نے ان اسماء کو دیکھا اور ہماری زبان سے یہ سُنا کہ ہم کہتے ہیں کہ خدا کے مثل کوئی چیز نہیں ہے اور کسی مخلوق کی وہ صفت اور شان نہیں ہے جو خدا کی شان ہے تو ان غالیوں نے ہم سے کہا کہ ہمیں بتائیے کہ جب آپ حضرات فرماتے ہیں کہ خدا کی شبیہ اور مثل نہیں ہے تو آپ نے کس طرح فرمایا ہے کہ ہم خدا کے اسمائے حسنیٰ ہیں اور اس کے ناموں میں کس طرح آپ حضرات کی مشارکت ہے اور تمام اسمائے خدا کے مسمی آپ حضرات ہیں ہم اس دلیل سے سمجھے ہیں کہ آپ حضرات مثل خدا ہیں کیونکہ آپ حضرات نے خدا کے تمام اسمائے طیبہ کو اپنی ذات میں جمع کیا ہے اور آپ حضرات اس کے مثل ہیں اس کے تمام حالات میں یا بعض حالات میں یعنی آپ حضرات اس کے اسمائے حسنیٰ ہیں اس لئے آپ حضرات اس کے مثل ہیں اور اس کے ناموں میں شریک ہیں۔

امام فرماتے ہیں کہ ان غالیوں کو جواب دیا گیا کہ حق تعالےٰ نے اپنے اسماء میں سے کچھ اسماء اپنے بندگان کو بھی عطا فرمائے ہیں لیکن معنی میں جُدائی ہے۔ اُس کے لئے اور معنی ہیں اور ہمارے لئے اور معنی ہیں مگر اسم ایک ہی ہے۔

جس طرح ایک اسم کے دو جداگانہ معنی ہوتے ہیں اور دلیل اس کی یہ ہے کہ لوگ برابر استعمال کرتے ہیں اسمائے خدا کو بندگان کے لئے معنی کی جدائی کے ساتھ۔ اور یہ اسم دو معنی کا جامع ہوتا ہے۔ کیونکہ خداوندِ عالم نے خود اپنے بندوں کو ان ناموں سے مخاطب کیا ہے تاکہ وُہ اپنے لئے معنی کو سمجھ کر خدا کی ذات کے لئے اس معنی کو سمجھیں کہ ان میں یہ معنی ناقص ہیں اور خدا میں یہ معنی کمال کے ساتھ موجود ہیں اور اُن کے لئے عظمت خدا کی دلیلِ روشن ہو جائے تاکہ اپنے نقص اور اس کے کمال کو سمجھ سکیں۔

اے حسین بن خالد! خدا کا ایک اسم "عالم" ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وُہ علم حادث سے مدد لے کر عالم ہے۔ بلکہ بالذات عالم ہے۔ جہل سے منزہ اور بلند و بالا ہے کیونکہ اگر کبھی اس کے لئے علم نہ ہو تو وہ جاہل و ضعیف ہوگا اور خدا نہ رہے گا۔ اور مخلوق کو بھی عالم کہتے ہیں۔ مگر اس لحاظ سے کہ ان کا علم حادث ہے۔ پہلے وُہ جاہل تھے پھر بعد میں عالم بنے اور جب علم ضائع ہوگیا تو پھر جاہل ہو گئے۔ مگر خدا اس لحاظ سے عالم ہے کہ اس کے لئے کوئی چیز مجہول نہیں ہے۔ پس لفظ "عالم" خالق و مخلوق دونوں میں مشترک ہے اور دونوں میں استعمال ہوتا ہے مگر معنی میں مختلف ہے۔ اور حق تعالےٰ کو سمیع کہتے ہیں۔ مگر اس کے لئے کوئی جزو یا عضو نہیں ہے کہ جس کے ذریعہ وُہ سماعت کرتا ہے جس طرح ہم اس جزو اور عضو کے ذریعہ سُنتے ہیں اور بغیر اس کے نہیں سُن سکتے۔ مگر خدا نے خود فرمایا ہے کہ اُس پر کوئی صدا اور آواز پوشیدہ نہیں ہے۔ مگر نہ اس طرح کہ جیسے ہم آلۂ سماعت کے ذریعہ سُنتے ہیں۔ پس لفظ "سمیع" خالق و مخلوق دونوں میں مشترک ہے مگر معنی جُدا جُدا ہیں۔ اسی طرح بصیر خدا کے لئے بھی ہے اور مخلوق کے لئے بھی۔ مگر ہم ایک آلۂ بصارت کے ذریعہ دیکھتے ہیں اور اس کے بغیر بصیر نہیں ہو سکتے۔ مگر خدا کے لئے اس کے معنی یہ ہیں کہ جو چیزیں نظر سے دیکھی جاتی ہیں وُہ اس کے لئے مجہول نہیں ہیں۔ پس لفظ "بصیر" خدا اور مخلوق دونوں میں مشترک ہے مگر معنی میں مختلف ہے۔ اسی طرح حق تعالےٰ کو "قائم" کے نام سے یاد کرتے ہیں مگر اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وُہ اپنے قدم اور ٹانگوں پر زمین کے اُوپر قائم ہے جیسا کہ مخلوق کے لئے ہے۔ لیکن خدا نے فرمایا ہے کہ وُہ قائم ہے۔ یعنی محافظ ہے۔ جیسے کہ تم کہتے ہو کہ "فلاں مرد قائم بامر ما ہست" یعنی ہمارے امور کا کفیل ہے

اور ہمارے کاموں کی نگرانی وحفاظت کرتا ہے اس معنی سے خدا قائم ہے کہ تمام امور خلق کی نگرانی وحفاظت کرتا ہے۔ اور قائم کے معنی باقی اور کافی کے بھی کلام مردم میں مستعمل ہیں۔ لہذا لفظ قائم خالق ومخلوق میں متحد ہے مگر معنی میں مختلف ہے۔ اسی طرح لفظ لطیف خدا کے لئے ہے مگر اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ ہر چیز کا ادراک رکھتا ہے اور اس کا ادراک کوئی نہیں کرسکتا جس طرح کہ کہتے ہو لطف عنی ھٰذا الامر" یعنی یہ امر میرے امکان وادراک سے خارج ہے یا یہ کہتے ہو کہ "لطف فلان فی مذھبہ وقولہ" یعنی فلاں شخص اپنے مذہب اور قول میں پوشیدہ ہے۔ یعنی اس کے مذہب وقول کا پتہ نہیں لگتا۔ پس خدا کی ذات کے لئے لطیف کے معنی یہ ہیں کہ وجود حق تعالیٰ نظر سے پوشیدہ ہے اور عقل اس کے ادراک سے قاصر ہے۔ اور مخلوق میں لطیف کے معنی نازک وباریک وقلیل ہیں۔ لہذا یہ لفظ خالق ومخلوق میں مشترک ہے مگر معنی مختلف ہیں۔ اور اسی طرح خالق کے لئے لفظ خبیر کہا گیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔ اور یہ کسی تجربہ کی وجہ سے نہیں۔ اور مخلوق کے لئے یہ لفظ اس معنی میں بولا جاتا ہے کہ وہ جستجو کرتا ہے اور تجربہ کرکے حاصل کرتا ہے اور پہلے جاہل ہوتا ہے پھر خبیر بن جاتا ہے۔ لہذا لفظ خبیر دونوں میں مشترک ہے مگر معنی جُدا جُدا ہیں۔

اسی طرح خدا کے لئے لفظ "ظاہر" ہے۔ اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ کسی بلندی پر بیٹھا ہے اور سب کو نظر آتا ہے بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ ہر چیز پر غلبہ رکھتا ہے جس طرح تم کہتے ہو ظھرت علی اعدائی میں اپنے دشمن پر غالب آگیا۔ یا کہتے ہو اظھرنی اللہ علی خصمی یعنی خدا نے مجھے میرے دشمن پر ظاہر یعنی غالب کردیا۔ اور دُوسرے معنی ظاہر کے یہ ہیں کہ جو شخص اس کا ارادہ کرے کہ اس کی معرفت ہو تو اس کی صنعتیں اس قدر ظاہر ہیں بلکہ خود تمہاری خلقت میں بھی اس قدر صنعتیں ہیں کہ تم ہر وقت اس کی معرفت حاصل کرسکتے ہو۔ اور مخلوق کے لئے ظاہر کے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنی ذات اور وصف میں محدود ومعین ہے، اور بالکل نظروں کے سامنے ہے۔ لہذا لفظ ظاہر خدا اور مخلوق میں مشترک ہے مگر معنی جُدا جُدا ہیں۔ اسی طرح خدا کے لئے لفظ باطن ہے مگر اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ غور وفکر کرکے اشیاء کی اندرونی حالت کو معلوم کرتا ہے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز کی اندرونی حالتوں کا علم رکھتا ہے جیسے تم کہتے ہو ابطنتہ یعنی میں اس کے اسرار پنہانی کا واقف ہوں۔ اور مخلوق کے لئے باطن کے معنی اندرونی حالات اور اسرار پنہانی کو غور وفکر اور جد وجہد سے حاصل کرنا ہیں۔ لہذا لفظ باطن خدا و مخلوق میں

مشترک ہے اور معنی مختلف ہیں۔ اسی طرح لفظ قاہر ہے کہ خدا اور مخلوق دونوں کے لئے ہے مگر خدا کے لئے اس کے معنی یہ نہیں کہ وہ مکر و حیلہ اور فریب سے یا مدارات و اخلاق کے ذریعے کسی کو مغلوب و مقہور کرتا ہے جس طرح لوگ ایک دوسرے کو مغلوب کرنے کے لئے ترکیبیں اور تدبیریں عمل میں لاتے ہیں۔ بلکہ خدا کے لئے اس کے معنی یہ ہیں کہ اس نے تمام دنیا کو اس طرح پیدا کیا ہے کہ ہر ایک چیز اس کے ارادۂ قدرت کے سامنے سرنگوں ہے۔ اگر وہ ان کے بارہ میں جو کچھ بھی ارادہ کرے تو ان کی مجال نہیں کہ سرکشی کر سکیں اور ایک لمحہ بھی اس کے حکم سے سرتابی کر سکیں۔ لیکن مخلوق کے لئے قاہر کے معنی وہ ہیں جو مذکور ہوئے۔ پس لفظ قاہر خالق و مخلوق دونوں کے لئے مشترک ہے مگر معنی جدا جدا ہیں۔

حضرت فرماتے ہیں کہ اسی طرح تمام اسمائے الٰہی دونوں میں مشترک ہیں مگر بلحاظ لفظ۔ اور مختلف ہیں مگر بلحاظ معنی۔ ہم نے سب اسماء کا ذکر نہیں کیا ہے اور نہ تمام اسماء کا افتراق اور جدائی مابین خالق و مخلوق بیان کی ہے بلکہ ہم نے جتنا بیان کر دیا ہے اس پر اکتفا کرتے ہیں کہ سمجھنے کے لئے اتنا کافی ہے۔ خداوند عالم ہمارا اور تمہارا معین و مددگار تمہارے ارشاد و توفیقات میں

(عیون اخبار رضا ص۹۸)

اب ہم مفسرین صاحبان کو متوجہ کرنا چاہتے ہیں اور ان کے ذریعہ سے دیگر احباب تک یہ گفتگو پہنچانا چاہتے ہیں کہ کلامِ امام میں وجہ اشتراکِ اسماء کس قدر واضح طور پر بتائی گئی ہے، کہ جب کوئی اسم بین الخالق والمخلوق مشترک ہوگا اور مخلوق میں اس کے معنی ناقص ثابت ہوں گے اور خدا کے لئے کامل۔ تو اس کے معنی کامل کا تصور خدا کی عظمت کی دلیل قرار پائے گا۔ اور اس طرح تمام اسماء کے معانی میں اپنے لئے نقص اور خدا کے لئے کمال کا علم ہوگا تو یہ اشتراک سبب ازدیادِ معرفت خدا ہوگا۔ اسی بنیاد پر تمام اسمائے خدا کا اطلاق حضرات محمدؐ و آل محمدؐ علیہم السلام کے لئے باعثِ معرفت عظمت خدا ہوگا۔ اور جتنا بلند مقامِ اہلبیت ہوگا اتنا ہی بلند مقام معرفت توحید ہوگا اور عظمت و شانِ کبریائی نظر آئے گی۔

نحن الاسماء الحسنیٰ اور غلو

آئمہ طاہرین علیہم السلام یقیناً خدا کے اسمائے حسنیٰ ہیں مگر غالی لوگ اس حدیث کا مطلب نہ سمجھنے کی وجہ سے غالی ہو گئے۔ اور حضراتِ معصومینؑ کو خدا یا مثلِ خدا بنا دیا۔ حضرت امام رضا علیہ السلام نے کس قدر زحمت فرما کر اور مثالیں دے دے کر سمجھا دیا ہے کہ خدا کے لئے جس قدر بھی اسماء ہیں وہ مخلوقات کے لئے صرف لفظ کے لحاظ سے مشترک ہیں مگر معنی کے لحاظ سے مختلف ہیں۔ لہٰذا اگر اختلافِ معنی کے ساتھ

وُہ تمام اسماء محمد و آل محمد علیہم السلام کے لئے استعمال کئے جائیں تو امام علیہ السلام کی رہنمائی کی روشنی میں تمام اسماء الٰہی کا اطلاق ان حضرات کے لئے صحیح و درست ہے۔ غالیوں کی عقل میں یہ بات نہیں آئی تھی۔ جس طرح آج مقصرین صاحبان نہیں سمجھتے ہیں۔ مگر وُہ لوگ گمراہ ہو گئے اور غالی بن گئے اور یہ لوگ قاصرین و عاجزین بلکہ مقصرین بن گئے۔ مگر ہم موالیانِ اہلبیت طاہرین علیہم السلام اس راز کو سمجھتے ہیں اور خوب سمجھتے ہیں اس لئے ہم محمد و آل محمد علیہم السلام کو خالق، رازق، محی و ممیت تسلیم کرتے ہیں اور اس حدیث کی روشنی میں ان حضرات کو تمام صفاتِ خدا کے ساتھ متصف مانتے ہیں اور یہی اعتقاد حق ہے۔ جو غلو اور تقصیر کے درمیان صحیح مسلک ہے۔ اور اسی لئے ہم عالم الغیب بھی تسلیم کرتے ہیں اور خدا کے اور ان کے درمیان میں بلحاظ معنی فرق سمجھتے ہیں۔

حضرت علامہ مجلسی علیہ الرحمتہ نے اسی مقصد کو سمجھانے کے لئے اقسام غلو میں اس علم غیب کو داخل کیا ہے جو وحی و الہام کے بغیر ہو۔ اور ہم ایسا نہیں کہتے۔ بلکہ علم غیب خدا کا عطیہ تسلیم کرتے ہیں بلکہ ان حضرات کے تمام کمالات کو خدا کا عطیہ سمجھتے ہیں۔

اب تو کوئی مؤلف یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ عالم الغیب کہنے کے لئے کوئی حدیث ہی نہیں ہے۔ درحقیقت یہ لن ترانیاں اس لئے ہیں کہ اپنے محدود دائرۂ علم پر ناز و تکبر کر کے بڑے بڑے القاب اپنے لئے بقلم خود تجویز کر کے سادہ لوح مومنین اور کم علم شیعوں کو اپنے دام میں پھنسایا جا رہا ہے۔ اور پھر اہلبیت علیہم السلام کو اپنی نوع بنا کر توہین کی جا رہی ہے۔ یہ لوگ سب سے اہم اسم خدا قدیم پیش کر سکتے ہیں مگر محمد و آل محمد علیہم السلام کے لئے یہ لفظ بھی باختلاف معنی صحیح و درست ہے کیونکہ قدیم و حدیث کا استعمال بکثرت موجود ہے۔

کیا علمائے سابقین کے لئے لفظ قدماء استعمال نہیں ہوتا ہے یعنی طویل گذشتہ زمانہ کے علماء۔ کیا شعراء قدیم و حدیث کا لفظ مدرسوں میں نہیں پڑھایا جاتا ہے۔ اور کیا زمانہ کے لئے زمانہ قدیم نظر سے نہیں گزرا ہے۔ اور کیا قدیم الایام کا لفظ گوش گزار نہیں ہوا ہے۔ کیا آپ نے خود علماء کے لئے لفظ قدماء اپنی کتاب اصول الشریعہ کے ص ۴۹ پہلی سطر میں استعمال نہیں کیا ہے۔ مولوی تو قدیم بن جائے مگر محمد و آل محمد علیہم السلام کے لئے شرک ہے۔

مقصرین صاحبان کو معلوم ہونا چاہئے کہ قدم بکسر قاف سابق کے معنی میں ہے۔ اور جو سب سے سابق ہے وُہ سب سے قدیم ہے۔ ذرا کتب لغت کا مطالعہ تو کیجئے۔ شاگردوں پر اپنی علمیت کا رُعب نہ جمائیے۔

چونکہ محمد و آلِ محمد علیہم السلام خلقت میں سب سے سابق ہیں لہٰذا قدیم ہیں کیونکہ سابق للموجودات ہیں۔ آپ نے عرفی کا یہ شعر ہی سمجھ لیا ہوتا جو آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی شان میں ہے ؎

تقدیر بنشانید بیک ناقہ دو محمل سلمائے حدوث تو دلیلائے قدم را

اور اگر آپ نے آئمہ طاہرین علیہم السلام کے ارشادات کو باقرارِ ولایت اہلبیت نیک نیتی اور صفائے قلب سے دیکھا ہوتا تو لفظ قدیم ان حضرات کے ارشادات میں خود ان کی ذوات مقدسہ کے لئے موجود ہے۔

حضرت امیر المومنینؑ اصل قدیم و فرعِ کریم ہیں

چنانچہ زیارت ششم حضرت امیر المومنین علیہ السلام میں یہ کلمات طیبات زاکیات موجود ہیں:

السلام علی الاصل القدیم والفرع الکریم۔ (مفاتیح الجنان ص۳۵۸)

مقصرین صاحبان پتہ نہیں کتنا عرصہ نجف اشرف میں رہے مگر نہ معلوم حضرت اصل قدیم علیہ السلام سے روحانی فیوض و برکات حاصل کرنے سے کتراتے ہی رہے اور اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ والئِ نجف کی شان میں گستاخیاں کر رہے ہیں اور ضبطِ اعمال کا سرٹیفکیٹ حاصل کر رہے ہیں۔ اور یہ سزا ہے محمد و آلِ محمد علیہم السلام کو اپنی نوع کے افراد بنانے کی۔ اب آپ فرمائیے کہ حضرات معصومین علیہم السلام کے ارشادات کو اعتقاد بنایا جائے، یا مولوی صاحبان کے آراء و قیاسات کو جو وحی الہام کے مقابلہ میں گوز شتر ہیں؟

مولف صاحب! لفظ قدیم مشترک ہے خدا اور مخلوق میں۔ خدا کے لئے معنی یہ ہیں کہ جس کے لئے حدوث و عدم نہ ہو۔ اور محمد و آلِ محمد علیہم السلام کے لئے "سابقیت" کے معنی میں ہے یعنی سابق الموجودات۔ اور اصل کے معنی یہ ہیں کہ یہ اول مخلوق ہیں، لاشے سے بنے ہیں۔ اور یہ حضرات تمام موجودات کے لئے اصل ہیں اور بحیثیت بشریت فرعِ کریم ہیں کیونکہ ذریتِ ابراہیمؑ ہیں اور اصلاب طاہرہ اور ارحامِ مطہرہ سے ان کا ظہور ہوا ہے جیسا کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام نے جناب رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خطبۂ نکاح میں ارشاد فرمایا ہے:۔

الحمد للہ الذی جعلنا من ذریۃ ابراھیمؑ وفرع اسمٰعیلؑ۔

"یعنی اس خدا کی حمد کہ جس نے ہمیں جسمانی طور پر ذریتِ ابراہیمؑ اور فرعِ اسمٰعیلؑ قرار دیا ہے"۔

اور یہ خطبہ نکاح اس وقت پڑھا گیا ہے جبکہ آنحضرت صلعم کی عمر پچیس سال تھی اور اعلان نبوت سے پندرہ سال پیشتر یہ خطبہ پڑھا گیا جس میں معرفت خدا اور اس کی حمد اور عظمت و بلندی ابراہیمی و اسماعیلی کا ذکر کیا گیا ہے جو حضرت ابوطالب علیہ السلام کے ایمان کامل کی دلیل ہے۔ اور چونکہ حضرت نے اپنی ذات والاصفات کو بھی محمد عربی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ساتھ منضم کیا ہے اس لئے مناسب ہے کہ ایک حدیث آپ کی جلالت قدر اور عظمتِ شان کے ثبوت میں پیش کر دی جائے

تاکہ موالیوں کے لئے باعثِ مسرت روح ہو۔

عظمتِ حضرت ابو طالب علیہ السّلام

عن الصادق علیہ السّلام عن اٰبائہ علیھم السّلام ان امیر المومنین علیہ السّلام ذات یوم جالسا فی الرحبۃ والنّاس حولہ مجتمعون فقام الیہ رجل فقال یا امیر المومنین انت بالمکان الذی انزلک اللہ بہ وابوک معذب فی النار۔ فقال لہ علی بن ابی طالب مہ فض اللہ فاک والذی بعث محمّداً بالحق نبیاً لو شفع ابی فی کل مذنب علٰی وجہ الارض لشفعہ اللہ فیھم ابی معذب فی النار وابنہ قسیم الجنۃ والنار والذی بعث محمّداً بالحق نبیاً ان نور ابی یوم القیٰمۃ لیطفیٔ نور الخلائق کلھم الاخمسۃ انوار نور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ونوری ونور الحسن ونور الحسین ونور التسعۃ من ولد الحسین فان نورہ من نورنا خلقہ اللہ تعالٰی قبل ان یخلق اٰدم علیہ السّلام بالفی عام۔ (احتجاج طبرسی ص۱۱۶)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام اپنے آباؤ اجداد علیہم السّلام کے سلسلہ میں حضرت امیر المومنین علیہ السّلام کا ارشاد عالی بیان فرماتے ہیں کہ

ایک روز حضرت امیر المومنین علیہ السلام باہر میدان میں لوگوں کے مجمع میں تشریف فرما تھے کہ ایک مرد نے آپ کی خدمت میں عرض کی یا امیر المومنین آپ کو خدا نے کتنا بلند مرتبہ عطا فرمایا ہے مگر آپ کے پدرِ بزرگوار جہنم میں معذب ہیں۔ یہ سنتے ہی حضرت نے فرمایا اے شخص خاموش ہو جا۔ خداوند عالم تیرا منہ بند کر دے۔ میں اس ذات کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس نے محمدؐ عربی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بالحق نبی بنا کر بھیجا ہے اگر میرے پدر بزرگوار والد عالی مقدار تمام روئے زمین کے گنہگاروں کی شفاعت فرمائیں تو اُن کی شفاعت کو خدا قبول فرمائے گا اور تمام گنہگار بخش دیئے جائیں گے۔ کیا باپ داخل نار ہے اور بیٹا قسیم الجنّۃ والنّار ہے۔

اُس ذات اقدس کی قسم کہ جس نے محمدؐ عربی کو بالحق نبی بنا کر بھیجا ہے بالتحقیق میرے بابا کا نُور روزِ قیامت تمام خلائق کے نور کو خیرہ کرے گا مگر صرف پانچ انوار کو خیرہ نہیں کرے گا۔ نورِ محمدؐ اور میرا نُور اور حسنؑ و حسینؑ کا نُور۔ اور نو عدد حضرات کا نُور جو میرے بیٹے حسینؑ کی اولاد میں سے ہیں۔

میرے پدر بزرگوار کا نُور ہمارے ہی نُور سے ہے۔ خداوند عالم نے ان کو حضرت آدم علیہ السلام کی خلقت سے دو ہزار سال پیشتر پیدا کیا ہے۔ مولف صاحب اصلِ قدیم اور فرعِ کریم کا مطلب سمجھیں اور اصل قدیم کو فصلِ ممیز اور فرع کریم کو جنس قرار دیں اور ان دونوں کے مجموعہ کا نام حجۃ اللہؑ ہے۔ لہٰذا ان کی نوع جداگانہ ہے۔ جب تک یہ لوگ اپنے اس قیاسی طبعزاد اعتقاد سے توبہ نہیں کریں گے اور محمدؐ و آل محمد علیہم السلام کو جُداگانہ نوع تسلیم نہیں کریں گے ان کو معرفتِ اہلبیت حاصل ہی نہیں ہو سکتی۔

ابھی تو ان کو صنف کے معنی بھی نہیں آتے۔ کیونکہ پورے اجماع قائلینِ وحدت نوع کی کوششوں کے بعد ان کو صرف ایک حدیث ملی ہے جس کو ان لوگوں نے اپنی کامیابی سمجھ کر بغلیں بجائی ہیں اور اصول الشریعہ کے ص۴۹ پر یہ حوالہ درج کیا ہے۔ ہم من وعن ان کی عبارت نقل کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے:۔

"حضرت شیخ صدوقؒ اس سلسلہ میں حضرت ابوالقاسم حسین بن روح نائب خاص حضرت حجت کا استدلال نقل کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:۔

ولکنہ عزوجل بعث الیھم رسلا من اجناسھم واصنافھم بشرا مثلھم فلو بعث الیھم رسلا غیر صنفھم وصورھم لنفروا عنھم ولم یقبلوا منھم۔

لیکن خداوند عالم نے لوگوں کی طرف ان ہی کی جنس وصنف سے رسولوں کو بشر بنا کر بھیجا' اگر ان کی جنس وصنف کے علاوہ کسی اور صنف وصورت میں انبیاء کو مبعوث کرتا تو لوگ ان سے نفرت کرتے اور ان کی بات قبول نہ کرتے۔" (علل الشرائع ج۱، ص۲۴۰ طبع قم، اصول الشریعہ ص۴۹)"۔

مؤلف نے یہ پہلی حدیث اپنی اور محمدؐ وآل محمدؐ علیہم السلام کی ایک نوع ثابت کرنے کے لئے بڑے طمطراق کے ساتھ پیش کی ہے۔ مگر یہی حدیث ہمارے موقف اور ہمارے اعتقاد کی تائید کر رہی ہے۔ اس حدیث میں جنس اور صنف کے اشتراک کا ذکر ہے نہ کہ نوع کے اشتراک کا۔ جنس میں اشتراک کا کسی نے آج تک انکار ہی نہیں کیا ہے۔ اور صنف کسی شے کے ذاتیات اور اجزائے ذات کو نہیں کہتے ہیں اور نہ فصل ممیز کو کہتے ہیں کہ جس سے کسی شے کا قوام ہو۔ بلکہ یہ تو ایک عارضی نسبت ہے جیسے مکی مدنی، عربی، ایرانی، ارضی، سماوی وغیرہ۔

اے طالب علمو! اپنے مولف صاحب کو سمجھاؤ اور کتب میزان دکھاؤ اور صنف کے معنی بتاؤ اور انہیں نصیحت کر دو کہ اپنے حدود میں رہیں عوام کو دھوکا نہ دیں۔ نوع ثابت کرنے کے لئے صنف کی شرکت سے استدلال کرتے ہیں جو ادنیٰ طالبعلم بھی جانتا ہے کہ صنف عارضی ہے اور نوع ذاتی ہے۔

محمدؐ و آلِ محمدؐ علیہم السّلام سے کوئی شے پوشیدہ نہیں ہے

ہم پھر اصل مسئلہ کے دلائل پیش کرتے ہیں یعنی علم غیب کے دلائل و براہین کی طرف رجوع کرتے ہیں:۔

(۱) قال ابو عبد اللہ علیہ السلام قد ولدنی رسول اللہ وانا اعلم کتاب اللہ وفیہ بدء الخلق وما ھو کائن الی یوم القیمۃ وفیہ خبر السماء وخبر الارض وخبر الجنۃ وخبر النار وخبر ما کان وخبر ما یکون ھو کائن اعلم ذالک کما انظر الی کفی ان اللہ عزوجل یقول فیہ تبیان کل شئ

(کافی ص ۳۵)

"حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ میں فرزند رسول ہوں اور میں خدا کی کتاب کا عالم ہوں اور اس کتاب میں ابتدائے خلق سے قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے سب موجود ہے اس میں آسمان کی خبر بھی ہے اور زمین کی بھی جنت کی بھی خبر ہے اور جہنم کی بھی اور جو کچھ گزر چکا اس کی بھی اور جو کچھ آئندہ ہونے والا ہے اس کی بھی خبر ہے۔ میں ان سب چیزوں کو اس طرح جانتا ہوں کہ جیسے میں اپنی ہتھیلی پر نظر کر لوں۔ خداوند عالم نے بالتحقیق فرمایا ہے کہ اس قرآن میں کل شئے کا بیان موجود ہے۔"

اس حدیث سے ثابت ہو گیا کہ یہ ذوات مقدسہ عالمِ قرآن ہیں اور قرآن میں کل شئے کا بیان موجود ہے، اور تمام کائنات اُن کے سامنے ہاتھ کی ہتھیلی کی طرح ہے لہٰذا یہ حضرات ان تمام مغیبات کے عالم ہیں جو ہم سے پوشیدہ ہیں۔

مولف صاحب درحقیقت غیب کے معنی ہی نہیں سمجھ سکے ورنہ علمِ غیب کا انکار نہ کر سکتے۔ ان لوگوں کو اتنا بھی معلوم نہیں ہے کہ غیب کی نسبت غیر کی طرف ہوتی ہے۔ یعنی جو چیز دوسروں کی نسبت سے پوشیدہ ہو وہ غیب ہے۔

خداوند عالم سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے، لہٰذا اس کے لئے کوئی شے غیب

نہیں ہے اور وُہ عالم الغیب اس معنی سے ہے کہ جو کچھ مخلوقات سے پوشیدہ ہے خدا اس کا عالم ہے لہذا عالم الغیب ہے۔ اسی طرح انبیاء و آئمہ طاہرین علیہم السلام ان چیزوں کے عالم ہیں جو اُمت سے پوشیدہ ہیں، لہذا وُہ بھی اس نسبت سے عالم الغیب ہیں۔

مولف صاحب سے جو کچھ پوشیدہ ہے یہ حضرات اس کے عالم ہیں، کائنات سے جو کچھ پوشیدہ ہے یہ حضرات اس کے عالم ہیں۔ اور جو اسرارِ الہیہ ہیں یہ حضرات ان اسرارِ الہیہ کے مخزن و محل ہیں۔

لہذا جن چیزوں کی تعلیم کے لئے یہ حضرات نبوت و امامت کے درجہ پر فائز کئے گئے ہیں وُہ اُمت سے پوشیدہ تھیں ورنہ ان کے تشریف لانے کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔ یہ حضرات مبدؑ و معاد سمجھانے کے لئے مبعوث ہوتے ہیں۔ اور یہ دونوں چیزیں غیب الغیوب ہیں اور یہ حضرات ان کے لئے معلم ہیں، لہذا عالم الغیب ہیں۔ مولف کو قرآن مجید کے ظاہری عربی الفاظ کا علم ہو سکتا ہے مگر تاویل قرآن اور ما عنی بہ اللہ کا علم نہیں ہو سکتا۔ ورنہ قرآن ہی کافی ہوتا اور نبی و امام کی ضرورت نہ ہوتی۔ لہذا مولف صاحب جس چیز کے عالم ہیں صرف اسی کی حد میں رہیں اور تاویلِ قرآن کا انکار نہ کریں بلکہ خود امام جعفر صادق علیہ السلام کے ارشاد کے مطابق اپنی جہالت تسلیم کر لیں۔ احتجاج طبرسی ص۱۸۱ پر درج ہے کہ:

"ایک شخص نے حضرت صادق آلِ محمدؐ سے دریافت کیا کہ عالم بھی جاہل ہوتا ہے؟ حضرت نے فرمایا ہاں جس چیز کو وُہ نہیں جانتا اس کا وُہ جاہل ہوتا ہے۔" لہذا مولف صاحب چونکہ مقامِ اہلبیت کی معرفت نہیں رکھتے اس لئے مراتب آلِ محمدؐ سے جاہل ہیں اور خطباء و واعظین اور ذاکرین و مادحین اپنی بساط بھر معرفت رکھتے ہیں لہذا وُہ ان کے مقابلہ میں عالم ہیں۔ مگر عام ذاکرین صرف و نحو کی گردانیں نہیں جانتے اس لئے وُہ ان کے مقابلہ میں جاہل ہیں۔ لہذا مولف صاحب ان کو اور یہ مولف صاحب کو جاہل نہ کہا کریں۔ کیونکہ یہ نسبتی چیز ہے۔ اسی لئے لفظ علماء صرف محمدؐ و آلِ محمدؐ علیہم السلام کے لئے ہی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ وُہ تبیان کل شئی پر حاوی ہیں جیسا کہ کافی میں موجود ہے کہ علماء کا لقب مخصوص محمدؐ و آلِ محمدؐ علیہم السلام کے لئے ہے۔

مولف صاحب چاہتے ہیں کہ ان سے اعتقادات اور معارف آلِ محمدؐ اور کتب

فضائل آل محمدؐ کی تصدیق کرائی جائے۔ حاشا و کلا ان کی طرف ہرگز رجوع نہ کرنا ورنہ یہ روح ایمان سلب کرلیں گے۔ جیساکہ امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ یہ لوگ ہماری ذاتِ مقدس میں نقص دکھاتے ہیں اور ہمارے شیعوں کے دلوں میں ہماری ولایت و مرتبت کے بارہ میں شک و شبہ داخل کرتے ہیں۔ اور ان سے زیادہ کیا شک و شبہ داخل کریں گے کہ جو محمدؐ و آل محمدؐ کو علیہم السلام کی ذوات مقدسہ کو اپنی نوع میں داخل کرتے ہیں۔ حالانکہ حضرات معصومین علیہم السلام میں وہ کمال ذاتی ہے کہ تمام کائنات ان کے سامنے ہاتھ کی ہتھیلی کی طرح ہے اور کوئی چیز اُن سے پوشیدہ نہیں ہے۔ اسی کمال ذاتی کا یہ کرشمہ ہے کہ امور تخلیق اور امور تشریع پر اقتدار حاصل ہے جیساکہ حضرت صاحب الزمان عجل اللہ فرجہ، کے ارشاد گرامی سے ثابت ہے۔ انشاء اللہ آئندہ باب الفضائل میں ان کے اختیارات پر روشنی ڈالیں گے۔

علومِ اہلبیت حقائق عالم پر حاوی ہیں لہٰذا اقتدار حاصل ہے

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے یہ بھی تصدیق فرمادی ہے کہ قرآن میں وہ مطالب ہیں جن کی تہ تک لوگوں کے عقول نہیں پہنچ سکتے۔ (کافی ص ۳۴)

اور جب حضرت نے تصدیق فرمادی ہے تو مؤلف صاحب کو بھی تسلیم کرلینا چاہئے کہ ان کے علوم کو سمجھنا ہماری عقول سے بالاتر ہے۔ اور یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ کائنات میں اقتدار و اختیارات کا سبب علم ہی ہوتا ہے۔ اور آج جن لوگوں کو تجربہ کرکے کچھ ایٹم کا علم ہوگیا ہے اور وہ بھی اکتسابی، مگر پھر بھی اُن کے محیّر العقول ایجادات سے دُنیا حیران ہے۔ تو جن کا علم حقیقی و وہبی من جانب اللہ ہے ان کی انگشت میں کتنا ایٹم ہوگا کہ زمین پر کھڑے کھڑے اشارہ کرتے ہیں اور آسمان پر چاند کے دو ٹکڑے ہوجاتے ہیں۔

اقتربت الساعۃ وانشق القمر

اکتسابی علمی ترقی کرنے والے ابھی تک چاند تک پہنچنے کی کوشش ہی کر رہے ہیں اور وہبی علم کے وارثوں نے چاند اور سورج پر اپنا اقتدار و تسلط ایک لمحہ میں دکھادیا لہٰذا جن کا علم سب سے زیادہ ہے وہ سب سے زیادہ اقتدار رکھتے ہیں اور جو ہستیاں کائنات کے تمام حقائق اور آثار ذاتیہ و عرضیہ کا علم رکھتی ہیں وہ کیا نہیں کرسکتیں۔

جاریہ کس گھر میں ہے

مؤلف صاحب ایک روایت کتاب کافی سے پیش کیا کرتے ہیں کہ جس میں حضرت امام جعفر

صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ہم علمِ غیب نہیں جانتے ہیں۔ ہمیں تو ایک کنیز کا بھی علم نہیں کہ وُہ بھاگ کر کس گھر میں چھُپ گئی ہے۔

اس روایت پر مولف صاحب بغلیں بجا رہے ہیں۔ حالانکہ اس روایت کے شروع میں ہے کہ اُس وقت نہایت غیظ و غضب میں تھے۔ مگر ان کو یہ خیال نہ آیا کہ حضرت کو یہ غیظ و غضب کیوں تھا؟ اصل بات یہ تھی کہ غالیوں نے حضرت سے اپنا عقیدہ تصدیق کرانا چاہا تھا اس لئے حضرت نے ان کی ردّ فرمائی ہے اور اپنی بشریت کے جنبہ کو پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم بحیثیت بشر علمِ غیب نہیں جانتے۔ کیونکہ اگر اُس وقت حضرت صادق آلِ محمد علیہ السلام اپنے جنبۂ نورانی کا کمال بیان فرماتے اور علمِ قرآن کے آثار بتاتے کہ ہم کائنات کی ہر چیز کو ہاتھ کی طرح جانتے اور دیکھتے ہیں تو وُہ غالی لوگ اپنے باطل اعتقاد میں اور پختہ ہو جاتے۔ اس لئے آپ نے جنبۂ بشری کے لحاظ سے جواب دیا۔

اور یہی وجہ ہے کہ آئمہ طاہرین علیہم السلام نے جہاں جہاں اس جنبۂ بشری کی کمزوریوں کو دکھایا ہے وہاں لوگوں کو گمراہی سے بچانے کے لئے دکھایا ہے۔ چنانچہ خود آئمہ طاہرین علیہم السلام کا بیان ہے کہ ہم نے جنبۂ بشری کے تقاضوں کو اس لئے ظاہر کیا ہے کہ لوگ ہمارے کمالاتِ جنبۂ نورانی کو دیکھ کر گمراہ نہ ہو جائیں اور ہمیں خدا نہ کہہ دیں۔ اسی لئے ان کی مظلومیت بھی وقوع میں آئی ہے۔ اگر اس جنبۂ بشری کے ساتھ یہ حضرات مرکب نہ ہوتے تو غالی اور نصیری ہی نہیں تمام کائنات ان ہی کو خدا تسلیم کر لیتی۔ مگر اس جنبۂ بشری کے تقاضوں نے اس گمراہی سے بچا لیا۔ اور اسی لئے خدا نے یہ جنبہ عطا کیا ہے جیسا کہ احتجاج طبرسی کے ص۲۴۴ سے ثابت ہوتا ہے۔ جس کو انشاء اللہ تفصیلاً مناسب موقع پر مع دیگر حوالہ جات کے پیش کریں گے۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ معجزات و کمالات دکھانے سے ان کی الوہیت کا عقیدہ ابھرتا تھا۔ اس لئے خدا نے ان سے وہ امور ظاہر کرا دیئے جن سے خطرۂ الوہیت کا قلع قمع ہو جائے۔ جس طرح حضرت عیسیٰؑ کے لئے خدا نے فرمایا ہے کہ وُہ کھانا کھایا کرتے تھے۔ لہٰذا خدا نہیں ہو سکتے۔ اسی بیان سے حضرت حجت علیہ السلام کے بیان کی توضیح ہو جاتی ہے جو آپ نے محمد بن علی سمری سے فرمایا ہے کہ ہم غیب نہیں جانتے جس کو مولف صاحب نے بڑے طمطراق سے پیش کیا ہے۔ کیونکہ حضرت کا یہ بیان بھی غالیوں کی رد میں ہے۔ اور اس میں بھی وہی جنبۂ بشری کی جہت ملحوظ ہے۔ ورنہ خود حضرت کے خط میں جو شیخ مفید کو لکھا ہے یہ عبارت موجود ہے:۔

انا نحیط بانبائکم ولا یعزب عنا شیٔ من اخبارکم۔

"یعنی تمہارے تمام حالات ہمارے احاطۂ علم میں ہیں اور کوئی شے ہم سے تمہاری خبروں کی پوشیدہ نہیں ہے۔" (احتجاج طبرسی ص۲۵۳)

جنّات بھی اُمّت ہیں ۔۔۔! تو کیا ایک نوعِ ہیں؟

ہم نے مجانست و بشریت کی ایک وجہ بقول معصوم یہ بھی بتا دی ہے کہ اس جنبہ کی وجہ سے الوہیت کے گمراہ عقیدہ سے بچانا بھی مقصود تھا اور اس کے ساتھ یہ بھی فائدہ ہے کہ بشریت کی وجہ سے ابوالبشر کی اولاد کو استفادہ کا موقع ملے۔

اسی لئے خدا نے فرمایا ہے کہ اگر ہم ملک بھی بھیجتے تو بشر ہی بنا کر بھیجتے تاکہ بشر مانوس رہیں اور ان حضرات کو نمونہ عمل قرار دیں اور نورانی جنبہ اس لئے دیا ہے کہ ملائکہ وجنات وغیرہ بھی ان سے استفادہ کریں۔ چنانچہ ملائکہ کو تسبیح و تحمید، تہلیل و تکبیر کی تعلیم ان ہی حضرات نے دی ہے اور جناب رسولِ خداؐ کی اُمّت میں جہاں ایک ثقل انسان ہیں وہاں دُوسرا ثقل جنات بھی ہیں۔ سورۂ رحمٰن میں مفصل ان دونوں ثقلوں کا ذکر ہے۔ جس طرح جناب رسالتمآبؐ انسانوں کے نبی تھے اسی طرح جنات کے بھی نبی تھے۔ قرآن مجید ان کے ذکر سے بھرا پڑا ہے۔ جنات برابر تعلیم قرآن کے لئے آتے تھے، اور پھر ان میں کچھ سردار بنائے جاتے تھے جو اپنی قوم کو پہنچاتے تھے۔

مولف صاحب جواب دیں کہ اگر نبی و امام صرف بشر ہیں تو جنات اور ملائکہ کے لئے کیوں کر حجت ہیں اور جنات کو کس طرح تعلیم قرآن دیتے ہیں اور فرشتوں کو کس طرح تسبیح و تحمید سکھاتے ہیں؟ ان کے پاس قطعاً کوئی جواب اس کے سوا نہیں ہو سکتا کہ ان حضرات میں ایک ایسا جنبۂ نورانی بھی ہے جس کی وجہ سے ملائکہ وجنات کو تعلیم دیتے ہیں اور یہ وہی کمالِ ذاتی ہے جس کا ذکر کئی بار آچکا ہے اور یہ وہی کمال ذاتی ہے جس کے سمجھنے سے عقولِ عالم حیران و سرگردان ہیں۔

جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا ہے:۔

ایها الناس بی والله بشر الاولون من النبیین والمرسلین وانا خاتم الانبیاء والمرسلین علیٰ جمیع المخلوقین من اهل السموات والارضین ومن شك فی ذالك فهو كافر كفر الجاهلیة الاولی ومن شك فی شیء من قولی هٰذا فقد شك فی الكل منه والشاك فی ذالك فله النار۔

(احتجاج طبرسی صـ ۳۲)

اے لوگو میری بشارت اوّلین و آخرین کو دی گئی۔ اور میں خاتم الانبیاء والمرسلین ہوں، میں جمیع مخلوقین کا نبی ہوں، وہ آسمانی ہوں یا ارضی جو اس میں شک کرے گا وہ کافر ہے بلکہ میرے اس بیان کے کسی جزو میں بھی شک کرے گا تو اس نے کُل میں شک کیا۔ اور شک کرنے والا یقینی جہنمی ہے۔

حضرت خاتم النبیینؐ کی اس حدیث مبارک سے آیت کی تشریح ہو جاتی ہے کہ آنحضرتؐ ساکنانِ آسمان اور اہلِ زمین دونوں کے لئے واجب الاطاعت نبی ہیں۔

لہذا آپ ان حضرات کو اپنی نوع میں داخل کر کے تمام کائنات پر ان کی نبوت و امامت کے حاوی ہونے کا انکار نہ کیجئے ورنہ یہ صریحی تکذیب قرآن و حدیث ہے۔ فتوٰی اپنے اجتہاد سے دریافت کر لیں۔

آپ نے اپنی نوع بنانے کے لئے جو دلائل باطلہ پیش کئے ہیں اگر جنات آپ کے مقابلہ میں اگر یہی دلائل پیش کر کے نبی و امام کو نوعِ جن میں داخل کرنے کا مطالبہ کریں تو آپ کے پاس کیا جواب ہے سوائے اس کے کہ ان میں ایک ایسا جنبہ ہے جس کے ذریعہ تمام عالمِ لاہوت و عالمِ جبروت و عالمِ ملکوت و عالمِ ناسوت؛ ارواح، ملائکہ، جنات، الناس، خناس سب کو تعلیم دیتے ہیں۔" اور وہی ان کی فصل ممیز ہے۔

اور اسی کمال کو مؤلف صاحب قیامت تک نہیں سمجھ سکتے کیونکہ "ملاّ آں باشد کہ چپ نشود" مثل ہے۔ اب رہی یہ بات کہ جب ان کی نوع الگ ہے تو نمونہ کس طرح ہوں گے کیونکہ ان کی خلقت بلند، اُن کا کمال بلند، پھر تکلیف میں دونوں یکساں۔

یہ اعتراض ناسمجھی کی دلیل ہے۔ اول تو اس لئے کہ روزہ، نماز، حج، زکوٰۃ میں آپ کی اور اُن حضرات کی شکل اور ہیئت ایک جیسی ہوگی؛ مگر ان کی عبادت میں جو روح ہوگی وہ آپ کے ارواح کو نصیب نہیں۔

تیر نکال لیا جائے اور خون کے فوارے بہیں مگر ان کو خبر بھی نہیں۔ نماز بھی ہو رہی ہے اور زکوٰۃ بھی حالتِ رکوع میں دی جا رہی ہے۔ یہ آپ کے تصور سے بالاتر ہے۔ حج ہو رہا ہے اور سنگِ اسود باتیں کر رہا ہے۔ مجمع خود بخود چھٹ رہا ہے اور اُن کی شان میں قصیدے بر وقت پڑھے جا رہے ہیں لہذا تکلیف میں برابر نہیں ہیں کہ ظلم لازم آئے۔ کیا آپ اُن کی عبادت کو اپنی جیسی سمجھتے ہیں حاشا وکلا۔

لیکن آپ کو کس نے بہکایا ہے کہ اُن کی اور آپ کی تکلیف ایک ہے۔ آپ کی تکلیف آپ کے حدود میں ہے اور اُن کی تکلیف اُن کے حدود میں ہے۔ چنانچہ عماد الاسلام میں یہ عبارت پڑھ کر اپنا ایمان قائم کیجئے۔

ان اللہ تعالٰی کلف النبی حسب ما اعطاہ من الاستعداد لتحصیل الکمالات یعنی نبی کی تکلیف اس کی استعداد و قابلیت کے مطابق ہوتی ہے۔ لہذا اگر ان کی خلقت نوری ہے اور ان حضرات کی ذوات مقدسہ میں ایک جنبہ کمال جداگانہ ہے جس کی وجہ سے یہ علیحدہ نوع ہیں تو اس سے نوعِ بشر پر ظلم لازم نہیں آتا کیونکہ جس کو جتنی صلاحیت

دی گئی ہے اُس کو ویسی ہی تکلیف بھی دی گئی ہے تاکہ نہ تکلیف مالا یطاق لازم آئے اور نہ جبر۔ کیونکہ مدح و ذم افعال اختیاریہ پر ہوتی ہے جیسا کہ آئندہ بحثِ معجزہ میں انشاء اللہ بیان ہوگا۔

علمِ غیبِ آلِ محمدؐ جاہلوں پر گراں ہے

(۱۲) قال ابو عبد اللہ علیہ السلام انی لاعلم ما فی السمٰوٰت وما فی الارض و اعلم ما فی الجنۃ وما فی النار واعلم ما کان وما یکون قال ثم مکث ھنیئۃ فرأی ان ذالک کبر علی من سمعہ منہ فقال علمت ذالک من کتاب اللہ عزوجل ان اللہ عزوجل یقول فیہ تبیان کل شیءٍ (کافی ص۱۴۰)

یونس بن یعقوب کہتے ہیں کہ کچھ لوگ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی مجلس میں بیٹھے تھے اُس وقت آپ نے فرمایا کہ میں بالتحقیق جانتا ہوں جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور میں جانتا ہوں جو کچھ جنت اور جو کچھ جہنم میں ہے۔ اور میں جانتا ہوں جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ ہونے والا ہے۔ اس کے بعد آپ کچھ وقفہ کے لئے خاموش ہو گئے اور آپ نے لوگوں کے چہروں کو دیکھا کہ میرا یہ دعوائے علم ان لوگوں پر گراں گزر رہا ہے (جیسے آجکل مؤلف پر گراں گزرتا ہے) تو حضرت صادق آلِ محمدؐ نے فرمایا کہ یہ تمام علوم مجھے خدائے عزوجل کی کتاب سے حاصل ہوئے ہیں۔ کیونکہ خدائے عزوجل نے فرمایا ہے کہ اس کتاب میں کل شئے کا بیان موجود ہے"

(یعنی کتاب میں جو کچھ ہے وہ ہر شخص کو حاصل نہیں ہو سکتا جبتک اس کتاب سے پہلے اس کو علم حاصل نہ ہو جس کے ذریعہ کتابِ خدا کے جملہ علوم اُس کے لئے روشن ہو جائیں اسی مطلب کو خدا نے یوں بیان فرمایا ہے)

بل ھو اٰیات بینات فی صدور الذین اوتوا العلم۔

قرآن مجید اُن ذواتِ مقدسہ کے سینوں میں روشن آیات ہے جن کو علم عطا کیا جا چکا ہے "یعنی جو علم اُن کی تخلیق میں دیا جا چکا ہے اس کی وجہ سے قرآن روشن آیات بن گیا ہے"

(۱۳) عن اسحٰق بن عمار قال دخلت الی ابی عبد اللہ علیہ السلام اودعہ فقال اجلس شبہ المغضب ثم قال یا اسحٰق کانک تری انا من ھذا الخلق اما علمت ان الامام منا بعد الامام یسمع فی بطن امہ فاذا

وضعتہ امہ کتب اللہ علیٰ عضدہ الایمن "وتمت کلمۃ ربک صدقاً وعدلاً" فاذا اشب وترعرع نصب لہ عمود من السماء الی الارض ینظر بہ الی اعمال العباد۔ (بحار ج صـ ۲۶۲)

اسحاق بن عمار کہتے ہیں کہ میں صادق آلِ محمد علیہم السلام کی خدمت میں وداع کے لئے حاضر ہوا تو حضرت نے غیظ و غضب کی شکل میں مجھ سے کہا کہ بیٹھ جا۔ پھر فرمایا اے اسحق گویا تم یہ سمجھتے ہو کہ ہم اس مخلوقات میں سے ہیں۔ کیا تمہیں علم نہیں ہے کہ ہمارا ہر امام شکم مادر میں سُنتا ہے اور جب شکم مادر سے باہر آتا ہے تو اس کے داہنے بازو پر خداوند عالم یہ آیت ثبت کر دیتا ہے "وتمت کلمۃ ربک صدقاً وعدلاً"۔ اور جب چلنے پھرنے لگتا ہے تو اس کے لئے ایک عمود آسمان سے زمین تک قائم کر دیا جاتا ہے جس کے ذریعہ وہ اعمالِ عباد کو دیکھتا ہے۔"

اس حدیث میں صاف صاف غیظ و غضب کی شکل میں فرمایا ہے کہ ہم اس مخلوقات سے نہیں ہیں۔ یعنی تم ہمیں اپنی نوع سمجھتے ہو حالانکہ ہم میں ایک جزو اس تمام مخلوقات کے علاوہ ہے جس کی وجہ سے ہم شکمِ مادر میں سب کچھ سُنتے ہیں اور ہمارے لئے عمودِ نور ہوتا ہے جس کے ذریعہ تمام خلائق کے اعمال دیکھتے ہیں۔

اب بھی مؤلف صاحب ایمان نہیں لائیں گے کہ ان حضرات کی نوع الگ ہے۔ کیا اب بھی امام علیہ السلام کے غیظ و غضب سے نہیں ڈریں گے۔ اور کیا ان کا غیظ و غضب خدا کا غیظ و غضب نہیں ہے۔ جب یہ لوگ آئمہ طاہرین علیہم السلام کے غیظ و غضب کی پرواہ نہیں کرتے اور ان حضرات کو اپنی ہی نوع میں داخل کرنے کی رٹ لگا رہے ہیں تو خطباء و ذاکرین کے ہجو نامے ان پر کیا اثر کر سکتے ہیں۔ یہ شیعہ قوم میں ایک ناسور کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اعاذنا اللہ وایاکم ایھا المؤمنون۔

تفسیر امام مبین بکلامِ معصومین!

(۱۴) وکل شئ احصیناہ فی امام مبین۔ (تفسیر البرہان)

عن الباقر عن ابیہ عن جدہ علیہم السلام قال لما نزلت ھذہ الآیۃ علیٰ رسول اللہ "وکل شئ احصیناہ فی امام مبین"۔ قال ابوبکر وعمر من مجلسیھما فقال یا رسول اللہ ھو التوراۃ؟ قال لا۔ قالا ھو الانجیل؟ قال لا۔ قالا فھو القرآن۔ قال لا۔ فاقبل علیٰ امیر المومنین علیہ السلام فقال رسول اللہ ھو ھذا الامام الذی احصی اللہ تبارک وتعالیٰ فیہ

علم کلّ شیٔ :

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے اپنے پدر بزرگوار اور جدّ بزرگوار کے حوالہ سے فرمایا ہے کہ جب آیت "وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنَاهُ فِيْ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ" نازل ہوئی تو جناب ابوبکرؓ اور جناب عمرؓ نے اپنی جگہ سے کھڑے ہو کر آنحضرتؐ سے عرض کی کہ کیا یہ امام مبین توراۃ ہے؟ حضرتؐ نے فرمایا نہیں۔ پھر انہوں نے عرض کی کہ کیا یہ امام مبین انجیل ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ پھر انہوں نے عرض کی کہ کیا یہ امام مبین قرآن ہے آپ نے فرمایا نہیں۔ اس کے بعد آنحضرتؐ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ امام مبین یہ ہیں۔ خداوند عالم نے جن کی ذات میں کُل شیٔ کا علم احاطہ کر دیا ہے۔ مؤلف صاحب اگر اس آیت کی تفسیر بالرائے کریں گے تو خود اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنائیں گے۔ موتو ابغیظکم۔

(۱۵) عن ابی ذر قال کنت سائراً فی اغراض امیر المومنین علیہ السلام اذ مررنا بوادٍ و نملۃ کالسیل سار فذھلت مما رایت فقلت اللہ اکبر جل محصیھا فقال امیر المومنین علیہ السلام لا تقل ذالک یا اباذر ولکن قل جل بارئھا فو الذی صورک انی احصی عددھم واعلم الذکر منھم والانثی باذن اللہ عزوجل۔

حضرت ابوذرؓ کا بیان ہے کہ میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے ہم سفر تھا کہ ہم ایسی وادی سے گزرے کہ وہاں چیونٹیوں کا ایک سیلاب بہہ رہا تھا۔ میں دیکھ کر دہشت میں آگیا۔ اور میں نے کہا اللہ اکبر کس قدر بلند ہے ان کا شمار کرنے والا۔ حضرت نے یہ سُن کر فرمایا اے ابوذر یہ بات نہ کہو بلکہ یوں کہو کہ کس قدر بلند ہے ان کا پیدا کرنے والا۔ کیونکہ اس ذات کی قسم جس نے تمہیں یہ صورت عطا کی ہے میں ان کا شمار بھی جانتا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ ان میں نر کتنے ہیں اور مادہ کتنی ہیں باذنِ خدا۔"

مؤلف صاحب بتا سکتے ہیں کہ طبع نوع بشر میں کیا یہ طاقت ہے؟ یا خود مؤلف صاحب جبکہ مجتہد اور حجۃ الاسلام وغیرہ بنتے ہیں کیا ان میں یہ طاقت ہے؟ کیا کوئی عالم اس علمِ امام کا احاطہ کر سکتا ہے؟ کیا یہ کمالِ ذاتی جو ان کے اجزائے ذات میں ہے کسی بھی بنی نوع انسان کے لئے حاصل ہے؟ پھر کیوں وحدت نوع کی گردان ہے؟ یہ سب علماء سوء کی نشانیاں ہیں کہ سرکار محمدؐ و آلِ محمد علیہم السلام میں عیب و نقص کی تلاش ہے۔ کما قال العسکری علیہ السلام:-

(۱۶) عن عمار بن یاسر قال کنت مع امیر المومنین علیہ السلام فی بعض

غزواته فمررنا بواد مملو نملا فقلت یا امیر المومنین تری ایکون احد من خلق الله یعلم عدد هذا النمل قال نعم یا عمار انا اعرف رجلا یعلم کم عدده وکم فیه ذکر وکم فیه انثی فقلت من ذالك یا مولای الرجل فقال یا عمار ما قرأت فی سورة یٰسٓ: وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَٰهُ فِيٓ إِمَامٍ مُّبِينٍ ○ فقلت بلیٰ یا مولای. قال انا ذالك الامام المبین۔

جناب عمار یاسر کا بیان ہے کہ میں حضرت امیر المومنین علیہ السّلام کے ہمراہ بعض غزوات میں تھا پس ہم ایک ایسی وادی سے گزرے جو چیونٹیوں سے بھرا ہوا تھا۔ تو میں نے عرض کی یا امیر المومنین آپ ان کی کثرت ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ کیا مخلوقات میں کوئی ایسا آدمی ہے جو ان کی تعداد جانتا ہو؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں میں اُس مرد کو جانتا ہوں جو ان چیونٹیوں کی تعداد جانتا ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ ان میں نر کتنے ہیں اور مادہ کتنی ہیں۔ پس میں نے عرض کی یا مولا وہ مرد کون ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اے عمار تم نے سورۂ یٰسین میں یہ آیت نہیں پڑھی ہے: وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَٰهُ فِيٓ إِمَامٍ مُّبِينٍ۔ میں نے عرض کی یا مولا پڑھی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ امام مبین میں ہی ہوں۔"
مولف صاحب "امام مبین" کے قیاسی تاویلات ترک کریں ورنہ تفسیر بالرائے کی سزا ہوگی۔

(۱۷) قال الصادق علیه السّلام یا مفضل تعلم انهم علموا ما خلق الله عزو جلّ وذراه وبرأه وانهم کلمة التقوی وخزناء السموات والارضین والجبال والرمال والبحار وعرفوا کم فی السماء نجم وملك ووزن الجبال وکیل ماء البحار وانهارها وعیونها وما تسقط من ورقة الا علموها ولا حبّة فی ظلمات الارض ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین وهو فی علمهم وقد علموا ذالك فقلت یا سیّدی علمت ذالك و اقررت وامنت قال نعم یا مفضل نعم یا مکرم نعم یا طیب نعم یا محبوب طبت وطابت لك الجنة ولکل مومن بها۔

جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا اے مفضل تم جانتے ہو کہ ان حضرات کو ہر چیز کا علم ہے جو خدا نے پیدا کی اور ظاہر کی ہے اور موجود کی ہے۔ اے مفضل یہ حضرات کلمة التقوٰی ہیں اور آسمانوں اور زمین اور پہاڑ اور ریگ اور سمندروں کے خازن ہیں یہ حضرات جانتے ہیں کہ آسمان میں کتنے ستارے ہیں، اور کتنے فرشتے ہیں اور پہاڑوں

کا وزن اور سمندروں اور دریاؤں اور چشموں کا پیمانہ جانتے ہیں، اور جو پتہ بھی گرتا ہے اس کو بھی جانتے ہیں اور نہیں کوئی دانہ زمین کی تاریکیوں میں اور نہیں ہے کوئی تر اور کوئی خشک مگر یہ سب کچھ کتاب مبین میں ہے اور یہ سب کچھ ان کے علم میں ہے کیونکہ وہ بالتحقیق اس کتاب مبین کے عالم ہیں۔ مفضل کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی یا سیدی مجھے معلوم ہو گیا اور میں اقرار کرتا ہوں اور اس پر ایمان لاتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا ہاں اے مفضل ہاں اے مکرم ہاں اے طیب ہاں اے محبوب تم خود پاکیزہ ہو گئے اور پاکیزہ جنت بھی تمہارے لئے ہے اور ہر اس مومن کے لئے جو اس معرفت کو حاصل کر لے (یعنی جو شخص اس معرفت پر فائز ہو وہ ان صفات کا مستحق ہے جو آپ نے مفضل کے لئے بیان فرمائی ہیں۔ مولف صاحب چونکہ اس شان علم پر ایمان نہیں لائے اس لئے ان صفات سے خارج ہیں)

امام مبین کی تفسیر میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام اور خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ امام مبین سے مراد حضرت علی علیہ السلام ہیں اور کل شئے سے مراد تمام کائنات ہے۔ کوئی چیز اُن سے پوشیدہ نہیں ہے جیسا کہ احادیث مذکورہ سے ثابت ہو چکا ہے۔ مگر مولف صاحب اپنے متکبرانہ استدلال کی گنتی فرماتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"اولاً اس امر میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے کہ امام مبین سے مراد کیا ہے چنانچہ بعض نے اس سے لوح محفوظ، بعض نے قرآن مجید، بعض نے صحائف اعمال اور بعض نے حضرت امیر المومنین ؑ کو مراد لیا ہے۔ (ملاحظہ ہو تفسیر صافی ص۴۲۱ اور تفسیر مجمع البیان) لہذا بموجب "اذا قام الاحتمال یطل الاستدلال" اس مجمل آیت کے ساتھ استدلال کرنا درست نہیں ہے۔" (اصول الشریعہ ص۲۰۲)

مولف صاحب کا اجتہادی اضطراب

مولف صاحب یہ بتائیں کہ خدا کے بارہ میں بھی تو اختلاف ہے۔ لہذا جس کو آپ خدا سمجھتے ہیں وہ بھی آپ کے استدلال کی روشنی میں باطل ہے کیونکہ جب احتمال آگیا تو استدلال باطل ہو گیا پھر آپ کی توحید رخصت ہو گئی کیونکہ بعض کہتے ہیں کہ روح و مادہ و خدا مل کر توحید ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ خدا دہر کا نام ہے۔ بعض فلسفہ ڈارون کے قائل ہیں۔ بعض حضرت عزیرؑ کو خدا کہتے ہیں۔ بعض حضرت عیسےٰؑ کو خدا کہتے ہیں۔ بعض خدا کے وجود ہی کے منکر ہیں لہذا ان احتمالات کی موجودگی میں آپ کا عقیدۂ توحید باطل ہے۔ اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال جب احتمال آگیا تو استدلال باطل ہو گیا۔

خدا کے بندہ جہاں بھی اہلبیت علیہم السلام کی فضیلت اور اُن کی شان مرتبت کا ذکر آتا ہے فوراً احتمالات پیدا کر کے اس فضیلت کو آپ غلط ثابت کرتے ہیں اور احتمال و شک پیدا کرتے ہیں اور جہاں ذراسی بھی کمزوری کا شائبہ کسی روایت میں نظر آتا ہے وہاں بڑھا چڑھا کر نقص و عیب دکھاتے ہیں تو کیا آپ امام حسن عسکری علیہ السلام کی حدیث کے مصداق نہیں بن جاتے جس کو ہم مفصل ناصبیوں کی شناخت میں پیش کر چکے ہیں۔ ایک ہی مذہب کے لوگ ایک ہی مسئلہ میں جدا جدا نظریہ رکھتے ہیں، تو کیا یہ مسئلہ احتمالات کی وجہ سے باطل ہو گیا؟ کیا مجتہدین کا فتوٰی میں اختلاف ہر فتوی کو بھی باطل کر دے گا۔

آپ نے یہ تو لکھ دیا کہ بعض نے یہ کہا ہے اور بعض نے یہ، مگر یہ بھی تو لکھنے کہ محمدؐ و آل محمدؐ علیہم السلام نے کیا ارشاد فرمایا ہے اور ان سے بہتر ہے کون ہے جو قرآن کا جاننے والا ہو۔ کیا آپ یہ کتاب شیعوں کی رد اور ناصبیوں کی تائید میں تو نہیں لکھ رہے ہیں؟

آپ کا فرض تھا کہ آپ امام مبین کی تفسیر آئمہ معصومین علیہم السلام کے ارشاد کی روشنی میں تحریر فرماتے اور ثابت کرتے کہ اس سے مراد حضرت مولائے کائنات مشکل کشائے عالم امیر المومنینؑ ہیں۔ مگر یہ فرض تو موالیانِ اہلبیت طاہرین علیہم السلام کا ہے۔ کیا اب بھی آپ کے اعتقاد میں کسی مومن کو شک ہو سکتا ہے۔ خداوندِ عالم مومنین کو آپ کے ہتھکنڈوں سے بچائے۔ بندۂ خدا اب بھی توبہ کر لیجئے اور سرکار محمدؐ و آلِ محمدؐ علیہم السلام کو جُداگانہ مخلوق تسلیم کر لیجئے۔

جس تفسیر صافی کا آپ نے حوالہ دیا ہے اس میں بھی خود حضرت امیر المومنین علیہ السلام کا ارشاد موجود ہے کہ "میں قسم بخدا خود امام مبین ہوں" اور امام محمد باقر علیہ السلام کا ارشاد بھی موجود ہے، اور خود حضرت سرورِ کائناتؐ کا فرمان بھی موجود ہے کہ "امام مبین سے مراد حضرت علی علیہ السلام ہیں" اور جب حضرت امام مبین علیہ السلام نے خود قسم کھا کر فرمایا ہے کہ "میں واللہ امام مبین ہوں" تو کیا آپ نے مولائے کائنات کی قسم کو کسی مؤلف کی قسم سمجھ لیا ہے اور حضرت کے حلفیہ بیان میں بھی شکوک و شبہات پیدا کر رہے ہیں اور بعض بعض کہہ کر لوگوں کے اقوال پیش کر کے احتمالات پیدا کر رہے ہیں تاکہ کم علم سادہ لوح شیعوں کے دلوں میں شک و شبہ داخل کر دیں۔ ایسا کردار تو ناصبیوں کی علامت ہے۔ یہ ہے آپ کے متکبر انداجتہاد کا کرشمہ۔ اگر امام معصومؑ کی حکومت ہوتی تو آپ کو توہین و تحقیرِ معصومین کی نشر و اشاعت و تشہیر کا مزا چکھنا پڑتا۔ ہائے ہائے۔

"اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے"

عوام کے دلوں میں شک و شبہ ڈال کر مولف صاحب اس بات سے گھبرائے کہ کہیں ارشاداتِ معصومین علیہم السلام پیش کر کے کوئی موالی امام مبین کا مصداق علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو ثابت نہ

کردے، کیونکہ ان کی نظر ان احادیث صحیحہ پر یقیناً تھی کہ جن سے روزِ روشن کی طرح امام مبین کا مصداق مولائے کائنات ہی ثابت ہوتے ہیں اس لئے کم علم شیعوں کو احتمالات میں مبتلا کر کے ان کے اموال کو لوٹ کھسوٹ کرنے کے لئے تحریر فرماتے ہیں:-

"ثانیاً بنا بر تسلیم ایں کہ اس سے مراد حضرت امیر المومنین ہی ہیں اور یہی ہمارا ایمان ہے جس پر کتاب معانی الاخبار مؤلفہ رئیس المحدثین شیخ صدوق کی روایت دلالت کرتی ہے جو تفسیر برہان اور صافی میں موجود ہے تو پھر غور طلب امر یہ ہے کہ اس "کل شئی" سے مراد کیا ہے، اور اس کے احصاء کا مفہوم کیا ہے؟ قرآن میں حضرت سلیمان کا یہ قول نقل کیا گیا ہے: واوتینا من کل شئ (پ س ع)

مگر اس کے بعد ہدہد کی گمشدگی پھر ان کی سراسیمگی کا تذکرہ بھی کلام پاک میں موجود ہے۔ بنا بریں عین ممکن ہے کہ کل شئی سے مراد کل عرفی ہو نہ کہ کل منطقی لہٰذا مطلب یہ ہو گا (واللہ اعلم) کہ وہ کل اشیاء جن کی طرف لوگوں کو احتیاج ہوتی ہے امام ان سب کا عالم ہوتا ہے والحجۃ من لا یقول لا ادری بنا بریں اس سے تمام کائنات کے ذرہ ذرہ کا عالم اور وہ بھی بالفعل ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ (اصول الشریعۃ ص۲۰)

مؤلف صاحب کے اس استدلال ثانی سے ان کے اعتقاد کی پوری قلعی کھل گئی ہے۔ فرماتے ہیں "بنا بر تسلیم"۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہ بات درست تو نہیں مگر چلو مانے لیتے ہیں۔ لیکن پھر بھی غور طلب امر یہ ہے کہ کل شئی میں لفظ کُل کا مطلب کیا ہے یعنی یہ بھی کہہ دیا کہ ہمارا ایمان بھی ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام امام مبین ہیں مگر ہمارے مان لینے کے بعد بھی شبہات و احتمالات باقی ہیں۔ کیونکہ معنی کل اور معنی احصاء کیا ہیں، یہ غور طلب امر ہے۔

کیا اس عبارت سے صاف صاف ثابت نہیں ہے کہ ایمان کا اظہار بھی کر دیا ہے کہ مومنین کہیں ناراض نہ ہو جائیں اور جو کچھ مال و متاع ملتا ہے وہ بند نہ ہو جائے۔ لیکن دل اس ایمان کو قبول بھی نہیں کرتا ہے، اس لئے پھر شبہات بیان فرما دیئے کہ "کُل" کا مطلب بھی مشتبہ ہے اور "احصاء" کا مطلب بھی محتمل ہے۔ تاکہ مومنین اس ہیر پھیری میں پھنسے رہیں اور ان ہتھکنڈوں سے انہیں حق مصیب تک پہنچنے نہ دیا جائے۔ جیسا کہ امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ناصبی لوگ ہمارے کم علم شیعوں کو حق صریح تک پہنچنے میں رکاوٹیں پیدا کرتے ہیں۔ انہیں شبہات میں ڈال دیتے ہیں۔

مؤلف صاحب! جب آپ نے تفسیر برہان کو پڑھا تھا جس کا حوالہ بھی خود دیا ہے، تو کیا

آپ کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی تھی کہ آپ کُل شیٔ کا مطلب نہ سمجھ سکے اور کُل کے معنی عرفی یا منطقی کہہ کر اپنے علم کا اظہار کر رہے ہیں۔ کیا آپ نے عمار یاسر اور ابوذر کے سوالات حضرت مولائے کائنات سے اور حضرت کا جواب اس آیت کی تفسیر میں نہیں پڑھا تھا جیسا کہ ہم مفصل لکھ چکے ہیں اور پنجتن پاکؑ کی معرفت کے ذکر میں امام جعفر صادق علیہ السّلام کا یہ بیان نہیں پڑھا تھا کہ یہ حضرات زمین و آسمان اور جبال و بحار اور ستاروں اور ملائکہ کی تعداد اور سمندروں اور دریاؤں کے پانی کی تعداد اور درخت کے ہر پتہ اور ریگستان کے ہر ذرّہ اور زمین کی تاریکیوں میں ہر دانہ بلکہ ہر خشک و تر کا علم رکھتے ہیں۔ کیونکہ کتاب مبین کے عالم ہیں اور اس میں تبیان کل شے ہے۔

یہ سب احادیث اسی کتاب تفسیر میں اسی آیت کی تفسیر میں موجود ہیں جس کا آپ نے حوالہ دیا ہے، تو پھر آپ کو معنی کل سمجھنے میں کیوں شک و شبہ پیدا ہوا اور ارشاداتِ آئمہ پر ایمان کیوں نہیں لائے کہ ان کو کائنات کے ہر ذرہ ذرہ کا علم ہے اور کوئی چیز اُن سے پوشیدہ نہیں ہے۔ یہی احصاد کا مطلب ہے کہ خداوند قدیر نے ان میں کل کائنات کے علم کا احاطہ کر دیا ہے؛ اور خدا نے صیغۂ ماضی کے ساتھ بیان فرما دیا ہے؛ اور اس کا قول حق ہے؛ تو آپ کو اُن کے عالمِ کائنات ہونے میں کیوں شبہ ہے درحقیقت بات وہی ہے کہ آپ نے ان کو اپنی نوع میں داخل کر کے سخت غلطی کی ہے جس کی وجہ سے اُن کے احاطۂ علمی تک آپ کی عقل کسی طرح نہیں پہنچ سکتی۔

آپ کس سادگی سے فرماتے ہیں کہ لوگوں کو جن کل اشیاء کی احتیاج ہوتی ہے امام ان سب کا عالم ہوتا ہے؛ مگر یہ بھی تو فرمائیے کہ وہ کل اشیاء کیا ہیں جن کی طرف لوگوں کو احتیاج ہوتی ہے۔ کیا آپ کی رائے اور آپ کے اجتہاد میں وہ شریعت کے مسائل تو نہیں ہیں کہ بس ان حضرات کو شریعت کے کل مسائل کا علم ہوتا ہے اور لوگوں کو ان کی احتیاج کے مطابق مسائل بتاتے رہتے ہیں۔ اگر آپ کا مطلب یہی ہے تو یہ آپ کے اُسی باطل عقیدہ کا نتیجہ ہے کہ یہ حضرات آپ کی نوع کے افرادِ کاملہ ہیں اور آپ سے ذرا بڑے عالمِ شریعت ہیں۔ خدارا شرم کیجئے۔

حالانکہ لوگوں کی احتیاج کو ان کے علوم میں کوئی دخل نہیں ہے۔ آپ بھی تو لوگوں میں شامل ہیں اور علمائے اعلام بقلم خود ہیں، تو کیا آپ کو آسمان کے ستاروں کی گنتی کی احتیاج ہے اور کیا فرشتوں کی تعداد معلوم کرنے کی احتیاج ہے اور کیا پہاڑوں کا وزن معلوم کرنے کی آپ کو احتیاج ہے اور کیا سمندروں اور دریاؤں کے پانی کے تول کی آپ کو احتیاج ہے اور کیا ابتدائے خلق سے آج تک کے حالاتِ خلائق معلوم کرنے کی آپ کو احتیاج ہے۔ اور کیا آپ کو بندگانِ خدا کے اعمال دیکھنے کی احتیاج ہے۔ ہرگز ہرگز نہیں۔ تو پھر آپ نے کل شی کے معنی یہ کس طرح سمجھ لئے کہ جن چیزوں کی لوگوں کو

احتیاج ہے ان ہی کل چیزوں کا ان کو علم ہوتا ہے۔ حالانکہ وہ خدا کے علم و حکمت کے خزانے اور امین ہیں اور ان کے علم کا احاطہ عقولِ عالم کی طاقت سے باہر ہے۔

خداوند عالم نے سورۃ عنکبوت میں فرمایا ہے:۔

بل ھو آیات بینات فی صدور الذین اوتوا العلم

یعنی قرآن مجید ان ذوات مقدسہ کے سینوں میں روشن و واضح آیات کی شکل میں موجود ہے جو اس قرآن کے نزول سے پہلے ہی صاحبانِ علم تھے یعنی جب یہ پیدا کئے گئے تھے اس وقت کوئی مادہ ہی نہ تھا جو مانع کشف ہوتا اس لئے ان کی ذات میں علم پہلے ہی سے موجود تھا۔ قرآن بعد میں آیا جو ان کے علم سابق کی وجہ سے روشن آیات بن گیا۔

(۱۸) قال ابو عبد اللہ علیہ السلام لحمران بن اعین یا حمران ان الدنیا عند الامام والسموات والارضین ھکذا واشار بیدہ الی راحتہ یعرف ظاھرھا وباطنھا وداخلھا وخارجھا ورطبھا ویابسھا۔

(بحار الانوار ص ۳۷۸، ج۷)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے حمران بن اعین سے فرمایا کہ امام کے نزدیک دنیا اور تمام آسمان اور تمام زمین بس اسی طرح ہیں یہ فرما کر اپنے ہاتھ سے اپنی ہتھیلی کی طرف اشارہ فرمایا کہ جیسے یہ ہتھیلی ہے۔ وہ جانتا ہے تمام دنیا اور زمین و آسمان کے ظاہر اور باطن کو اور داخل اور خارج کو اور اس کے خشک کو اور اس کے تر کو۔

اب آپ احصلہ کے معنی سمجھ گئے ہوں گے کہ تمام دنیا ان کے دست مبارک کی ہتھیلی کی طرح ان کے سامنے ہے۔ اور چونکہ علم کی زیادتی ممکن ہے کیونکہ خدا کے ارادہ اور مشیت کی کوئی حد معین نہیں ہے کل یوم ھو فی شان۔ لہٰذا ہر روز زیادتی ممکن ہے۔ لہٰذا یہ دعا بھی درست ہے کہ اے خدا میرے علم میں زیادتی فرماتا رہ۔ کیونکہ اس کے علوم غیر متناہیہ ہیں اور اس کی قدرت بھی غیر محدود ہے اور وہ علم بالمصلحت کے ماتحت مقدورات میں تغیر و تبدل بھی کرتا ہے۔ اسی لئے حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اگر قرآن میں یہ آیت نہ ہوتی تو میں دعویٰ کرتا کہ میں کل معلومات کا عالم ہوں۔ وہ آیت یہ ہے:۔ یمحو اللہ ما یشاء و یثبت یعنی خدا محو کرتا ہے جو چاہتا ہے اور اس کی جگہ ثبت کر دیتا ہے جو چاہتا ہے۔ لہٰذا وہ مقدرات جو اس کے علم میں فیصلہ شدہ ہیں اور ابھی عالم خارج میں نہیں آئے ہیں ان کو صرف وہی جانتا ہے لیکن جب وہ عالم ظہور میں آتے ہیں تو پہلے ان تمام امور مقدرہ کا ارادہ ان ہی ذوات مقدسہ کے پاس آتا ہے۔ یعنی ان کو علم ہو جاتا ہے کہ خدا امور تخلیق میں کیا چاہتا ہے۔ پھر وہ تمام امورِ تخلیق ان ہی ذوات مقدسہ کے ہاتھوں انجام پذیر ہوتے

ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں ہے :-

وما تشاؤن الا ان یشاء اللہ رب العالمین

یعنی "اے اہلبیت! تم وہی چاہتے ہو جو خدائے رب العالمین چاہتا ہے"۔ چنانچہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے اس آیت کی تفسیر میں ارشاد فرمایا ہے :-

(۱۹) عن ابی الحسن قال ان اللہ جعل قلوب الائمۃ مورداً لارادتہ فاذا شاء اللہ شیئاً شاؤہ وھو قولہ وما تشاؤن الا ان یشاء اللہ رب العالمین۔ (تفسیر البرہان ص۱۱۷ و تفسیر صافی)

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ خداوند عالم نے قلوب آئمہ طاہرین علیہم السلام کو اپنے ارادہ کی فرودگاہ بنایا ہے اس کا ارادہ ان کے قلوب میں وارد ہو جاتا ہے"۔ پس جب خدا چاہتا ہے تو یہ بھی وہی چاہتے ہیں۔ اور اس کی دلیل خدا کا ارشاد ہے کہ اے اہلبیت تم نہیں چاہتے مگر وہی جو خدائے رب العالمین چاہتا ہے۔ ان حضرات کو خدا کی مشیت کا علم ہوتا ہے تب ہی تو یہ حضرات وہی چاہتے ہیں جو خدا چاہتا ہے۔ قرآن و حدیث سے ثابت ہو گیا کہ یہ حضرات محل مشیتِ خدا ہیں اور خدا کا ارادہ ان کے قلوب پر وارد ہوتا ہے اور اسی کو نکت فی القلوب سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ یہی مطلب ذرا توضیح کے ساتھ امام جعفر صادق علیہ السلام نے بیان فرمایا ہے :-

ارادۃ الرب فی مقادیر امورہ تھبط الیکم وتصدر من بیوتکم و الصادر عما فصل من احکام العباد۔ (مفاتیح الکافی)

یعنی اے اہلبیت خدا کے مقدرہ امور کا ارادہ تمہارے پاس پہنچتا ہے اور پھر ان کے احکامات تمہاری بارگاہ سے صادر ہوتے ہیں اور تمام بندگان کے بارے میں خدائی فیصلے آپ صادر کرتے ہیں۔ یعنی ان امور مقدرہ خداوندی کا اجراء آپ کرتے ہیں۔ خداوند عالم نے اپنی قاہرانہ قوت سے مولف صاحب کو بھی لکھنے پر مجبور کر دیا ہے۔

چنانچہ اصول الشریعہ ص۱۱۸ پر رقمطراز ہیں :-

چنانچہ علامہ ربانی علامہ محسن فیض کاشانی اپنی کتاب وافی جلد ۲ ص۵۵۷ پر زیارت مطلقہ کے اس جملہ کی شرح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: یعنی :-

انتم الذین یعلمونھا ولا ثم تصدر من بیوتکم الی سائر الناس فیہ اشارۃ الی ما یتنزل الیھم فی لیلۃ القدر من کل امر یکون فی السنۃ۔

یعنی اے اہلبیتِ رسولؐ تم وہ حضرات ہو کہ خدا کا ارادہ جو تمام مقدرہ امور کے باب

میں نازل ہوتا ہے اس کا علم پہلے تمہیں ہوتا ہے (یعنی فرشتوں کو بھی نہیں ہوتا) پھر تمہاری ہی بارگاہ سے اس کا نفاذ تمام انسانوں کے لئے ہوتا ہے۔ اس میں اشارہ ہے ان امور کی طرف جو شب قدر میں سال بھر کے فیصلے کئے جاتے ہیں اور ان حضرات کے سپرد کر دیئے جاتے ہیں"۔

حضرت علامہ کاشانی علیہ الرحمۃ کی اس شرح سے معلوم ہوا کہ تمام امور کا اجرا یہی ذوات مقدسہ کرتے ہیں اور ان کا وظیفہ یعنی ڈیوٹی ہے جو ان کے شایانِ شان ہے اور فرشتے ان کے کارندے اور خادم ہیں جو ان کے احکامات صادرہ کی تعمیل کرتے ہیں اور فرشتوں کی جب ڈیوٹیاں لگائی جاتی ہیں تب انہیں ارادۂ رب کا علم ہوتا ہے جیسا کہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ملائکہ اس لئے نہیں آتے کہ وہ آئمہ یا حکام ہیں بلکہ ان کا کام آئمہ تک سفارت ہے نفاذِ حکم کا تعلق اہلبیت سے ہے انہیں اس سفارت میں یہ شرف حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ آئمہ طاہرینؑ کی زیارت سے مشرف ہو جاتے ہیں اور ان کی تعظیم و تکریم کا شرف حاصل ہو جاتا ہے۔ ان کا حکام بن کر نہ آنا بلکہ صرف سفیر بن کر آنا "احتجاج طبرسی ص۲۳" پر بقول امام یازدہم حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام مندرج ہے۔ مگر مؤلف صاحب نے حسب عادت مستمرہ علامہ کاشانی کی عبارت مذکورہ کا ترجمہ بھی غلط لکھا ہے۔ چنانچہ ان کا ترجمہ یہ ہے:۔

اے اہلبیت رسولؐ تم سب سے پہلے خدا کے ارادہ کو معلوم کرتے ہو تو پھر آپ کے گھروں سے دوسرے لوگوں کی طرف صادر ہوتا ہے۔

مؤلف صاحب کی خیانت فضیلتِ اہلبیت کے باب میں عادتِ مستمرہ ہے۔ ان کے ترجمہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ "یہ ارادہ دوسرے لوگوں کی طرف صادر ہوتا ہے"۔ یعنی یہ بھی لوگ ہیں اور دوسرے بھی، پہلے ان لوگوں کی طرف پھر دوسرے لوگوں کی طرف صادر ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ قطعاً غلط اور سخت بددیانتی ہے۔ وہاں تو صاف طور پر یہ ہے کہ صدورِ حکم آپ حضرات کی بارگاہ سے ہوتا ہے اور وہ صدورِ حکم تمام لوگوں کی طرف ہوتا ہے یعنی لوگوں کے لئے خدائی حکم نافذ ہوتا ہے۔

"سائر الناس" کا ترجمہ "دوسرے لوگوں" جہل مرکب کی دلیل ہے اور یہ اخفاء حق کا ارتکاب ہے۔ اور پھر یہ بھی نہیں بتایا ہے کہ ارادہ کا ہبوط کیا ہے اور صدور کیا ہے۔ اس میں بھی بددیانتی کی ہے اور اہلبیت طاہرین کو دوسرے لوگوں کا ہم پلہ بنایا ہے حالانکہ ارادۂ رب کا ورود صرف ان حضرات پر ہوتا ہے اور پھر ان کی بارگاہ سے صدورِ حکم یعنی نفاذ تمام لوگوں

کی طرف ہوتا ہے جیسا کہ ہم نے مفاتیح سے کافی کا حوالہ دیا ہے کہ بندگانِ خدا کے حق میں خدائی فیصلے یہی ذواتِ مقدسہ جاری کرتے ہیں۔ مگر ناصبیت کا جوش انسان کو اندھا بنا دیتا ہے اب اس کے ساتھ ہی حضرت کے جدامجد حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کا ارشاد حق بنیاد ملا کر پڑھیئے جس کو ہم پیشتر تحریر کر چکے ہیں کہ خداوند عالم اپنے حکم کا اجراء اپنے امناء کے ہاتھوں کرتا ہے اور ان کا فعل خدا کا فعل ہوتا ہے۔ نیز حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

قال ابو محمد علیہ السلام قلوبنا اوعیۃ لمشیتہ فاذا شاء شئنا واللہ یقول وما تشاؤن الا ان یشاء اللہ۔ (بحار الانوار ج، ص ۳۶۱)

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ہمارے قلوب خدا کی مشیت کا ظرف ہیں۔ جب وہ چاہتا ہے ہم چاہتے ہیں۔ اور وہ خود فرماتا ہے کہ اے اہلبیت تم بس وہی چاہتے ہو جو خدا چاہتا ہے؟

نیز امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

عن ابی عبداللہ علیہ السلام لو اذن لنا ان نعلم الناس حالنا عنداللہ ومنزلتنا عندہ لما احتملتم فقال لہ فی العلم فقال العلم الیسر من ذلک ان الامام وکر لارادۃ اللہ عزوجل لا یشاء الا ما یشاء اللہ۔

(بحار الانوار ج، ص ۳۷۸)

حضرت صادق آل محمدؐ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اگر ہمیں اجازت ہوتی کہ ہم لوگوں کو اپنا وہ مرتبہ اور حال بتا دیں جو خدا کے نزدیک ہے تو تم لوگ برداشت نہیں کر سکتے۔! مفضل نے عرض کی کہ کیا آپ مرتبۂ علم کا ذکر فرما رہے ہیں؟ حضرت نے فرمایا نہیں اے مفضل علم تو اس سے آسان چیز ہے۔ بالتحقیق امام تو خدا کے ارادہ کا آشیانہ ہے۔ امام نہیں چاہتا ہے مگر وہی جو خدا چاہتا ہے۔"

جب سب کچھ ان ہی حضرات کی بارگاہ سے صادر ہوتا ہے اور وہ اپنا ارادہ ان ہی حضرات کے ذریعہ جاری کراتا ہے اور فرشتے ان کے خادم ہیں تعمیل حکم کرتے ہیں اور یہ چاہتے بھی وہی ہیں جو خدا چاہتا ہے۔ اور ان کا فعل بھی فعلِ خدا ہے۔ تو اس ایمان و معرفت کے بعد ان حضرات سے مشکلیں حل کرانا اور حاجت روائی کرانا عین معرفتِ خدا ہے کیونکہ اس میں شک کرنا خدا کی عطا میں شک ہے اور ان کو مشکل کشا ماننا حاجت روا ماننا خدا کی عظمت کا اقرار ہے کیونکہ وہ ایسا قادر مطلق ہے کہ اس کے پسندیدہ بندے اس کی نظر رحمت سے اس قدر جلیل القدر ہیں تو اس کی جلالت و عظمت کی کوئی حد ہی نہیں ہو سکتی۔ مگر اس کے معنی یہ نہیں ہیں

کہ خدا سے نہ مانگے بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جب اس کے برگزیدہ بندوں کی یہ شان ہے تو وُہ اجل وارفع ہے جس نے ان حضرات کو یہ مقام عطا فرمایا ہے وُہ سب کچھ دے سکتا ہے اور ان حضرات کے دینے میں اور اس کے دینے میں اور ان حضرات سے مانگنے اور اس سے مانگنے میں کوئی فرق نہیں ہے۔ کیونکہ یہ حضرات بھی اُسی کے ہیں اور ان کا فعل بھی اُسی کا فعل ہے۔ جیساکہ حضرت حجت عجل اللہ فرجہٗ کی توقیع مبارک سے ثابت ہے جو جناب شیخ موثوق ابو جعفر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں وارد ہوئی ہے جس میں حضرت صاحب الامرؑ نے فرمائش کی ہے کہ اس توقیع کو ہر شیعہ ہر روز ماہِ رجب میں پڑھا کرے اس کی عبارت یہ ہے :۔

(توقیع مبارک حضرت صاحب الامر عجل اللہ فرجہٗ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللّٰھم انی اسئلک بمعانی جمیع ما یدعوک بہ ولاۃ امرک المامونون علیٰ سرک المستبشرون بامرک الواصفون لقدرتک المعلنون لعظمتک اسئلک بما نطق منھم مشیتک فجعلتھم معادن لکلماتک وارکاناً لتوحیدک وآیاتک ومقاماتک التی لاتعطیل لھا فی کل مکان یعرف بھا من عرفک لافرق بینک وبینھم الا انھم عبادک وخلقک فتقھا ورتقھا بیدک بدءھا منک وعودھا الیک اعضاد واشھاد ومناۃ واذواد وحفظۃ ورواد فبھم ملات سماءک وارضک حتی ظھر ان لا الٰہ الا انت فبذلک اسئلک وبمواقع العز من رحمتک وبمقاماتک وعلاماتک ان تصلی علیٰ محمد والہٖ وان تزیدنی ایماناً وتثبیتاً الخ

(مفاتیح الجنان)

یا اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں ان تمام اسماء کے معانی کے ذریعہ جن کے ذریعہ تیرے صاحبانِ امر تجھے پکارتے ہیں۔ وُہ صاحبانِ امر جو تیرے راز کے رازدار اور امین ہیں۔ اور تیرے امر کی بشارت دینے والے ہیں اور تیری قدرت کا وصف کرنے والے ہیں اور تیری عظمت کا اعلان کرنے والے ہیں۔ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں تیری اس مشیت کے ذریعہ جو ان حضرات (کے قلوب) میں وارد ہو کر (حکم) ناطق بن جاتی ہے۔ تُو نے ان حضرات کو اپنے کلمات (کُنْ وکُونُوا وغیرہ) کا معدن بنایا ہے اور (اپنی توحید کا ستون بنایا ہے اور تُو نے ان کو اپنی نشانیاں اور (اپنے ارادوں کی) ایسی فرودگاہیں

بنایا ہے کہ ان کے لئے کسی جگہ بھی معطلی نہیں ہے۔ جس کسی نے بھی تجھے پہچانا ہے انہی کے ذریعہ پہچانا ہے۔ (یا اللہ) ان کے اور تیرے درمیان کوئی فرق نہیں ہے (اُن کی اطاعت اور ان کا قول وفعل تیرا ہی ہے) مگر یہ فرق ضرور ہے کہ یہ تیرے بندے اور تیری مخلوق ہیں جن کا جوڑ توڑ (نور کو ملانا اور جدا کرنا) تیرے ہی قبضہ میں ہے ان کی ابتداء تجھ ہی سے ہے اور ان کا عود بھی تیری ہی طرف ہے۔ یہ حضرات تیرے بازو اور تیرے گواہ اور تیری معرفت کا معیار ہیں۔ (یعنی جتنا ان کی معرفت کا درجہ بلند ہوگا اتنا ہی خدا کی معرفت کا درجہ بلند ہوگا۔) اور تیری ذاتِ اقدس سے نقص و عیب کا دفاع کرنے والے اور تیری عظمت وشان کے محافظ اور لوگوں کو تیری بارگاہ میں محبت کے ساتھ لانے والے ہیں۔ تُو نے ان ہی حضرات کے ذریعہ زمین وآسمان کو معرفت وعبادت سے پُر کر دیا ہے یہاں تک کہ کلمہ "لا الہ الا انت" ظاہر ہو کر رہا۔ یعنی تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ میں ان ہی ذواتِ مقدسہ کے ذریعہ جو تیری ہی رحمت سے ہیں تیری عزت کے مواقع ہیں اور ان ہی ذواتِ مقدسہ کے ذریعہ جو (تیرے ارادہ کی) فرودگاہ اور تیری (ذات کی) علامات ہیں سوال کرتا ہوں کہ تو محمدؐ وآلِ محمدؐ پر رحمت نازل فرما" اور میرے ایمان میں اضافہ فرما اور مجھے ثباتِ قدم عطا فرما۔ الخ

یہ توقیع مبارک ہمارے لئے درسِ معرفت ہے۔ اس توقیع مبارک کی شرح جو علامہ ربانی جناب علامہ فیض کاشانی علیہ الرحمہ نے تحریر فرمائی ہے آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیے گا۔

انبیاء وآئمہ میں کمالِ ذاتی عطیۂ خدا ہے

امام عصر عجل اللہ فرجہٗ کی اس توقیع مبارک سے ہمارے تمام عقائد اور ہمارے تمام پیش کردہ احادیث کثیرہ کی مکمل تائید وتشئید ہوتی ہے۔ اور مؤلف کا یہ خیال قطعاً غلط ہو جاتا ہے کہ یہ ذواتِ مقدسہ صرف شریعت کے ہادی ہیں اور ان کا کوئی اور کام نہیں ہے۔ یعنی ذرا بڑے درجہ کے عالم شریعت ہیں، اور مولوی صاحبان ہی کی نوع کے افراد کاملہ ہیں۔

یہ توقیع مبارک تمام ارشادات معصومین علیہم السلام کی جامع ہے اس میں بھی اسی کمال کا ذکر ہے کہ جس کی وجہ سے یہ محلِ مشیت اور موضعِ سِرِّ خدا ہیں اور مدبّر ومتصرف خلائق ہیں اور یہی کمال ان ذواتِ مقدسہ کی فصلِ ممیّز ہے اور نبوت ورسالت اور امامت وخلافت اور نزول وحی وملائکہ اور الہام وعمودِ نور اور تمام اقسام کی روحوں کا وُرود اس کمال کے آثار ہیں۔ یہ تمام امور اسی کمالِ ذاتی کے نشانات ہیں۔ اور وُہ کمالِ ذاتی اکتسابی نہیں ہے۔ ورنہ نوع انسانی اعلیٰ قابلیت واعلیٰ صلاحیت کا اکتساب کر کے علماء

دکھاء کے بجائے انبیاء و آئمہ بن سکتے اور ہر فرد انسان کے لئے ممکن ہوتا کہ وُہ جد وجہد کر کے جبرئیل و میکائیل کو اُتار لیتا اور اپنے گھر میں چکی پسوا لیتا اور اپنے بچوں کو لوریاں دلواتا اور بجائے لندن و فرانس کے جنّت سے پوشاک سلواتا اور فرشتوں کو اپنا خادم بنا کر چشم زدن میں جنّت سے منگوا لیتا۔

مولف کا دل تو ضرور چاہتا ہوگا مگر یہ صفات اکتساب و اجتہاد سے حاصل نہیں ہو سکتیں ورنہ وُہ ضرور کوشش کرتے اور زمین پر مربعے خریدنے کی زحمت ہی نہ فرماتے۔ نہ دکانیں بنواتے، نہ بسیں چلاتے نہ کوٹھیاں تعمیر کرواتے۔

عقیدۂ ختمِ نبوّت دلیل عدم اکتساب ہے

اگر یہ کمال ذاتی اکتسابی ہوتا تو ختمِ نبوّت اور ختم امامت کا عقیدہ غلط ہو جاتا کیونکہ جب انسان ترقی کر کے یہ درجات حاصل کر سکتا ہے تو جب تک نوع انسانی باقی ہے اس کی ترقیاں بھی باقی ہیں۔ اور نبوّت و امامت کا حصول بھی باقی ہے۔ پھر ختم نبوّت کے عقیدہ کو مسلمانوں کے لئے ضروریاتِ دین میں کیوں شامل کیا گیا ہے اور اس کے منکر کو کافر کیوں قرار دیا ہے۔

مؤلف صاحب آپ کے اس عقیدہ نے لوگوں کو نبی و امام بننے کا موقعہ دیا ہے ورنہ کسی کو جرأت نہ ہوتی کہ وُہ نبوّت و امامت کا دعویٰ کر سکتا۔ مگر آپ نے انبیاء و آئمہ کو اپنی نوع میں داخل کر کے یہ جرأت دلائی ہے کہ ہر شخص محنت و مشقت اور اکتساب و اجتہاد کر کے یہ درجات حاصل کر سکتا ہے۔ لہٰذا جو لوگ آپ کے نظریہ کے مطابق نبوّت کو جاری سمجھتے ہیں اور ختم نبوّت کے منکر ہیں ان سب کا گناہ اسی نظریہ کے بانی پر ہوگا اور جو اس کی اشاعت کرے گا وُہ بھی ان ہی میں محشور ہوگا۔ فالعن علیکّ۔

امورِ تکوین میں اقتدار کا سبب

اگر آپ اس کمال کو عطیۂ خداوندی سمجھتے ہیں تو آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ خداوند عالم خود اپنی قدرتِ کاملہ سے یہ کمال ذاتی عطا کرتا ہے اور اس کمال ذاتی کے ذریعہ وُہ خدا سے براہِ راست فیوض حاصل کرتے ہیں اور خدا کے اور اس کی مخلوق کے درمیان واسطہ و رابطہ قرار پاتے ہیں۔ خدا سے مخلوق کے لئے لیتے ہیں، اور مخلوق کو خدا کی طرف سے مخلوق کو دیتے ہیں۔ یہی کمال ان کے لئے فصل ممیز ہے اور اسی وجہ سے وُہ خالق و مخلوق کے "درمیانی جداگانہ نوع ہیں۔ کیونکہ کمال محض (خدا) اور نقص محض (مخلوق) کے درمیان جب تک ایسا درمیانی وسیلہ نہ ہو جو من وجہ کمال اور من وجہ نقص ہو اس وقت تک خالق و مخلوق کے درمیان رابطہ قائم نہیں ہو سکتا۔ یہی وُہ ذاتی کمال ہے کہ جس کی وجہ سے خلق و رزق احیاء و اماتت پر اقتدار حاصل ہوتا ہے اور وُہ وجہ اللہ بن کر خوارقِ عادات اور معجزات و کرامات دکھا کر اپنی ذات مقدس کو وسیلہ بین الخالق والمخلوق

ثابت کرتا ہے۔ اگر یہ حضرات امور تخلیقیہ ظاہر نہ کرتے تو صادق و کاذب کا فرق ہی معلوم نہ ہو سکتا اور ہر شخص مدعی وسیلہ بن جاتا۔

اس لئے لازم و واجب ہے کہ حجۃ اللہ ایسے کمالات دکھائے جو نوع انسانی کے افراد کاملہ کی طاقت سے بالاتر ہوں اور تمام خلائق اس کا مثل لانے سے عاجز ہوں تاکہ یہی کمال من جانب اللہ تشریف لانے کی علامت اور پہچان ہو۔ ورنہ ایک مولوی دوسرے مولوی سے افضل ہوتا رہتا ہے مدعی اجتہاد بنتا رہتا ہے۔ پھر صداقت کا معیار کیا ہوگا سوائے اس کے کہ معجزات دکھلائے۔

کائنات تابع فرمان حجت اللہ ہیں!

اسی لئے خداوند عالم نے حجت اللہ کے لئے کائنات کو مسخر کر دیا ہے کہ وہ سب اس کی اطاعت کریں وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ (قرآن) جیسا کہ ارشاد معصومین علیہم السلام سے ثابت ہو چکا ہے کہ تمام کائنات باذن خدا حجت اللہ کی اطاعت پر مامور ہے اور اس میں دونوں اطاعتیں شامل ہیں تخلیقی و تشریعی۔ چنانچہ قرآن مجید کی آیہ وما اشہدتم خلق السمٰوٰت والارض ولا خلق انفسہم وما کنت متخذ المضلین عضدا (سورۂ کہف) سے یہ مطلب بالکل واضح ہو جاتا ہے یعنی میں نے ان شیاطین کو آسمان و زمین کی خلقت کے وقت عینی گواہ نہیں بنایا اور نہ خود ان کی خلقت کے وقت ان کو گواہ بنایا اور میں گمراہوں کو مددگار بنانے والا نہیں ہوں۔

اس آیت سے اگرچہ مفہوماً ثابت ہو جاتا ہے کہ کچھ ایسے حضرات بھی ہیں جن کو گواہ بنایا ہے اور مددگار بھی لیکن ہم کلام معصوم سے اس کی تفسیر بیان کرتے ہیں کیونکہ ان سے بہتر کوئی بھی کتاب خدا کا عالم نہیں ہے

عن الجواد علیہ السلام ان اللہ تبارک وتعالیٰ لم یزل متفرداً بوحدانیتہ ثم خلق محمداً وعلیاً وفاطمۃ فمکثوا الف دھر ثم خلق جمیع الاشیاء فاشھدھم خلقھا واجری طاعتھم علیھا وفوض امورھا الیھم الحدیث۔ (تفسیر صافی ص ۳۸۹)

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ خداوند عالم ہمیشہ اپنی وحدانیت میں منفرد و یکتا ہے۔ پھر اس نے محمدؐ و علیؑ و فاطمہؑ کو پیدا کیا ان کے ہزار قرن اسی حالت میں گزرے پھر تمام اشیاء کو پیدا کیا اور ان ذوات مقدسہ کو خلقت اشیاء کا گواہ بنایا یعنی ان کے سامنے پیدا کیا اور ان ذوات مقدسہ کی اطاعت ان اشیاء پر واجب و لازم کر دی اور ان کے معاملات ان حضرات کے سپرد کر دیئے۔ (تفسیر صافی)

ان دونوں آیتوں سے ثابت ہو گیا کہ خداوند عالم نے ان ذوات مقدسہ کی اطاعت اپنے اذن سے تمام خلائق پر لازم کر دی ہے اور تمام کائنات ان کے لئے مسخر فرما دی ہے۔

چنانچہ خداوند عالم نے جبل کو حکم دیا ہے کہ وُہ کفار کو جو میرے رسولؐ سے معجزات طلب کر رہے ہیں یہ بتا دے:

وانہ قد جعل الارض والسماء طوعك والجبال والبحار تتصرف بامرك وسائر ما خلق من الریاح والصواعق وجوارح الانسان واعضاء الحیوان لك مطیعة وما امرت بہ من شئ ایتمرت ۔ (احتجاج طبرسی ص۲۲)

بالتحقیق خداوند عالم نے اے رسولؐ آپ کے لئے زمین و آسمان کو مطیع و فرمانبردار بنایا ہے، اور پہاڑ اور سمندر آپ کے تابع حکم ہیں اور تمام اشیاء جن کو خدا نے پیدا کیا ہے وُہ سب آپ کے تابع فرمان ہیں خواہ وُہ ہوائیں ہوں یا آسمانی گرج، خواہ وُہ انسانی اعضاء ہوں یا حیوانی، سب کے سب آپ کے مطیع ہیں۔ آپ جس چیز کو بھی جو حکم دیں گے وُہ تعمیل کریگی۔

اس حدیث مبارک سے بھی بالکل واضح ہو گیا کہ ان ذوات مقدسہ کو کائنات پر تصرفات کا اقتدار من جانب اللہ حاصل ہے۔

امُورِ تخلیق و تکوین پر اقتدار حاصل ہے

عن ابی جعفر قال ان اللہ تبارك وتعالیٰ لم یزل متفردا بواحدنیتہ ثم خلق محمدؐ وعلیاً وفاطمہ علیہم السلام فمکثوا الف دھر ثم خلق جمیع الاشیاء فاشھدھم خلقھا واجری طاعتھم علیھا وفوض امورھم الیھم فھم یحللون مایشاؤن و یحرمون مایشاؤن ولن یشاؤا الا ان یشاء اللہ تبارك وتعالیٰ ثم قال یا محمدؐ ھٰذہ الدیانة التی من تقدمھا مرق ومن تخلف عنھا محق ومن لزمھا الحق خذھا الیك یا محمدؐ۔ (بحار الانوار ج ص۳۶۳)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ خداوند عالم ہمیشہ اپنی وحدانیت میں منفرد ہے پھر اس نے محمدؐ و علی و فاطمہ علیہم السلام کو پیدا کیا اور ان حضرات کو وقتِ خلقت شاہد و حاضر رکھ کر جمیع اشیاء کو خلق کیا اور ان تمام اشیاء پر ان کی اطاعت لازم و واجب قرار دی اور ان کے تمام معاملات ان ذوات مقدسہ کے حوالہ کر دیئے۔ پس وُہ حلال و حرام کرتے ہیں جو چاہتے ہیں مگر یہ حضرات وہی چاہتے ہیں جو خدا چاہتا ہے۔ پھر حضرت نے فرمایا کہ اے محمد (راوی کا نام) یہی وُہ دین و دیانت ہے۔ جو اس سے آگے بڑھے گا وُہ خارج از دین ہے اور جو اس سے پیچھے ہٹے گا تو وُہ ہلاک ہو گا۔ اور جو اس پر قائم رہے گا وُہ ان ذوات مقدسہ سے ملاحق ہو گا۔ میری اس نصیحت کو یاد رکھو اے محمد (راوی حدیث)۔

اس حدیث مبارک کی شرح میں حضرت علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں جو مؤلف صاحب کے نزدیک وُہ بزرگ ہستی ہیں کہ جن کی فرمائش کو قبول کرنا واجب ہے کیونکہ اس ہستی سے بہتر کوئی عالم حدیثِ آئمہ کو سمجھ ہی نہیں سکتا:-

تبیین فاشھدھم خلقھا بحضرتھم ویعلمھم دھم کانوا مطلعین علیٰ اطوار الخلق واسرارہ فلذا صاروا مستحقین للامامۃ بعلمھم الکامل بالشرائع والاحکام وعلل الخلق واسرار الغیوب والائمۃ الامامیۃ کلھم موصوف بتلک الصفات دون سائر الفرق واجری طاعتھم علیھا ای اوجب والزم علیٰ جمیع الاشیاء طاعتھم حتی الجمادات من السماویات والارضیات کشق القمر وایتال الشجر وتسبیح الحصاۃ وامثالھا مما لا یحصی۔

(بحار الانوار ج ۶ ص ۳۶۳)۔ "ترجمہ ارشادِ حق بنیاد حضرت علامہ مجلسی علیہ الرحمہ:- اشھدھم خلقھا کے معنی یہ ہیں کہ تمام اشیاء کو ان کی موجودگی میں ان کے علم میں خلق فرمایا اور یہ ذوات مقدسہ خلقتِ اشیاء کے طور طریقے اور اس کے رموز و اسرار پر مطلع ہو گئے اور اسی کمال کی وجہ سے وُہ امامت کے مستحق قرار پائے کیونکہ ان کو شریعتوں اور احکامِ خداوندی کا علم بھی کامل طور پر حاصل ہے اور وجودِ مخلوقات کی علتوں اور پوشیدہ رموز و اسرار کا بھی کامل علم حاصل ہے۔ یہ ہیں ہمارے آئمہ طاہرین کہ سب کے سب ان صفات کے ساتھ موصوف ہیں اور یہ کمال کسی بھی فرقہ کے امام کو نصیب نہیں ہے۔"

واجری طاعتھم علیھا اور اجرائے اطاعت کا مطلب یہ ہے کہ خداوند عالم نے تمام کائنات پر ان حضرات کے فرمان کی اطاعت واجب و لازم قرار دے دی ہے یہاں تک کہ جمادات بھی ان کے مطیع و فرمانبردار ہیں۔ سماوی اور تمام ارضی مخلوق ان کی تابع ہے جیسے آسمان پر شق القمر اور جیسے زمین پر درختوں کو بلانے پر ان کی خدمت میں حضوری اور سنگریزوں کا تسبیح کرنا اور اسی طرح کی ہزاروں مثالیں ہیں کہ جن کا شمار ہی نہیں ہو سکتا۔ (بحار الانوار)

اس تحقیقِ علامہ مجلسیؒ کے بعد مؤلف صاحب اور اُن کے ہم نوا فرمائیں کہ ان کا ایمان ان کمالات آئمہ طاہرین علیہم السلام پر ہے یا نہیں۔ اگر نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے ورنہ ہمارا اور اُن کا اختلاف چہ معنی دارد؟ تو وُہ حسب ارشاد امام محمد باقر علیہ السلام ہالکین میں شامل ہو سکتے ہیں یعنی بالکلیہ ہلاک ہونے والے۔ ورنہ اُن کو اپنے نوعِ انسانی والے عقیدہ پر لعنت کر کے محمدؐ و آلِ محمدؐ علیہم السلام میں دونوں اقتدار تسلیم کر لینے چاہئیں یعنی امور تشریع میں بھی حاکم ہیں اور امور تخلیق میں بھی۔

اہلبیت طاہرینؑ ان دونوں جنبوں کی ترکیب سے مرکب ہیں اور اسی لئے ان کی نوع علیحدہ نوع ہے۔ ان کو خداوند عالم نے خود کمال ذاتی عطا فرمایا ہے جس کی وجہ سے کائنات عالم ان کی فرمانبرداری پر مامور ہے امورِ تخلیقی میں انہیں اختیارات حاصل ہیں جناب علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے کس قدر وضاحت سے مثالیں دے کر سمجھایا ہے اور قرآن و حدیث کی روشنی میں ان عقائد کو مبرہن و مستدل کیا ہے اور اس عقیدہ پر فخر کیا ہے کہ یہ کمال صرف ہمارے ہی آئمہ طاہرین کو حاصل ہے اور کسی فرقہ کے اماموں کو نصیب نہیں ہے یعنی یہ اقتدار محمدؐ و آل محمد علیہم السلام کے لئے مخصوص مرتبہ ہے جو کسی مخلوق کو حاصل نہیں ہے۔ یہی وہ عقیدہ ہے کہ جس کی وجہ سے موالیانِ اہلبیت لاحقین میں شامل ہیں یعنی اہلبیت سے ملحق ہونے والے۔ مگر افسوس ہے کہ یہ سعادت مؤلف صاحب کو نصیب نہیں ہوئی۔ خدا انہیں راہِ راست پر لائے اور یہ لوگ وحدت نوع والے عقیدہ سے توبہ کریں اور سرکار محمدؐ و آل محمد علیہم السلام کا اقتدار من جانب اللہ تسلیم کریں، ورنہ موتوا بغیظکم۔

محمدؐ و آلِ محمدؐ تمام کائنات پر متصرف ہیں

جناب مفسر قرآن علامہ فیض صاحب تفسیر صافی اپنی کتاب علم الیقین میں تحریر فرماتے ہیں اور یہ بیان درحقیقت حضرت حجت عجل اللہ فرجہ کی توقیع مبارک کی شرح و توضیح کی حیثیت کا حامل ہے۔ علامہ ربانی کا بیان آنکھیں کھول کر پڑھو:۔

ان محمداً و علیاً نور واحد قدیم خلق قبل الانوار بارئ النسم وان ذالک النور انقسم بالشخصیۃ لیمتاز النبیؐ من الولی لان کل نبی ولی من غیر عکس فکمال الولی من النبیؐ ففضلہ منہ وعلمہ عنہ فھو فی عالم النور نفسہ واخوہ و فی عالم الظھور لحمہ ودمہ وعضدہ وجۃ کمال رسالتہ وتمام شریعتہ فھما الاسم الاعظم المتصرف فی سائر العالم ومقامھما فی الخلق مقام الحق نطقت فیھم کلمتہ وظھرت عنھم مشیتہ فھم کھو فی وجوب الطاعۃ و العدل والامر والنھی والعلم والحکم ولیس ھو ھم بالذات المقدسۃ التی ھم خلقھا ونورھا وحجابھا وابوابھا فھم عباد مکرمون لایسبقونہ بالقول وھم بامرہ یعملون لافرق بینھم وبینک الا انھم عبادک وخلقک فقولہ بینھم وبینک اشارۃ الی ذواتھم التی ھی صفۃ اللہ وقولہ الا انھم عبادک وخلقک اشارۃ الی اجسادھم صورۃ معانی الملک والملکوت وقلوبھم خزانۃ الحی الذی لایموت وان السموات والارض وما فیھا ومن فیھما

خزانة الله خلقهما لاجلهم وسلم حكمها اليهم فهم الولاة والدعاة والهداة والائمة والسادات فهم الواسطة بين الله وبين عباده لانه سبحانه جل عن الصورة والمثال تعالىٰ عن التغيير والانتقال فهم لسان حكمته و بيان كلمته وقوامهٔ فی خلقه وامناءه علیٰ وحیه یدلون عبادہ علیه و یرشد ونهم الیه۔ (علم الیقین ص ۱۳۸)

بالتحقیق محمد مصطفیٰ اور علی مرتضیٰ نور واحد ہیں۔ اور تمام موجودات سے سابق قدیم ہیں خالقِ نفوس نے اس نور کو تمام انوار سے پہلے پیدا کیا اور یہ نور بلحاظ شخصیت دو حصہ ہوا تاکہ نبی اور ولی دو ہستیاں جداگانہ پہچانی جائیں۔ کیونکہ ہر نبی ولی ہوتا ہے مگر ہر ولی نبی نہیں ہوتا۔ ولی کا کمال نبی سے ہوتا ہے لہذا ولی کا علم و فضل بھی نبی ہی سے ہے۔ پس ولی عالمِ نور میں نفس نبی اور اخی نبی ہے اور عالمِ ظہور میں اس کا گوشت و خون اور قوتِ بازو ہے اور ولی کی محبت ہی کمالِ رسالت و تمامِ شریعت ہے۔ یہ دونوں خدا کے اسم اعظم ہیں اور تمام عالم پر ان کا تصرف ہے اور دنیا میں ان دونوں کا مقام حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے مقام کی طرح ہے کیونکہ اس کی مشیت انہی کے ذریعہ ظاہر ہوتی ہے اور اس کا کلمہ انہی کے ذریعہ ناطق ہوتا ہے۔ لہذا یہ حضرات وجوب اطاعت اور عدل و امر و نہی و علم و حکم میں اسی کی طرح ہیں۔ لیکن وہ خود ان کی طرح نہیں ہے کیونکہ یہ حضرات اس کے مخلوق و نور اور اس کے حجاب ہیں یعنی اس کے اور اس کی مخلوق کے درمیان میں واسطہ ہیں اور اس کے دروازے ہیں۔ یہ حضرات وہ بزرگ بندے ہیں کہ قول میں بھی اس کے آگے نہیں بڑھتے اور اسی کے حکم پر عمل کرتے ہیں۔ حضرت حجت کے ارشاد حق بنیاد کے دو حصے ہیں۔ پہلا حصہ یہ ہے کہ ان میں اور تجھ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اور دوسرا حصہ یہ ہے کہ یہ تیرے بندے اور تیرے ہی مخلوق ہیں۔ پہلے حصہ کا مطلب یہ ہے کہ ان حضرات کے ذوات مقدسہ درحقیقت تیری صفت ہیں (کیونکہ اس کی مشیت کا اظہار انہی سے ہوتا ہے)، دوسرے حصہ کا مطلب یہ ہے کہ ان کے اجساد اس کے ملک و ملکوت کی صورت ہیں (کیونکہ ان کی خلقتِ جسدی ملکوتی اجزاء سے ہوتی ہے) اور ان کے قلوب اس ذاتِ احدی کے خزانے ہیں جو لایموت ہے۔ اور بالتحقیق زمین و آسمان میں جو کچھ ہے ذوی العقول اور غیر ذوی العقول وہ سب خدا کے خزانہ ہیں جن کو ان ہی ذوات مقدسہ کے لئے پیدا کیا ہے اور ان حضرات کا محکوم بنا دیا ہے۔ پس یہی حضرات صاحبانِ امر ہیں اور داعی الی الحق ہیں اور ہادی و امام اور سردارانِ خلق ہیں یہی ذوات مقدسہ خدا اور اس کی

مخلوق کے درمیان میں واسطہ ہیں کیونکہ خدا صورت و مثال سے بالاتر ہے اور تغیر و تبدل سے بلند تر ہے (اس لئے براہِ راست اپنی مخلوق کے سامنے نہیں آسکتا) لہٰذا یہی حضرات اس کی حکمت کی زبان ہیں اور اس کے کلمہ کا بیان ہیں اور اس کی مخلوقات کے حاکم و قوام ہیں۔ اور اس کی وحی کے امین ہیں اور اس کے بندوں کو اس کی نشاندہی کرنے والے ہیں، اور اس کی طرف اُن کی رہنمائی فرمانے والے ہیں۔ (علم الیقین)

اس بیان حقیقت ترجمان سے کلام معصوم کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ ان ذوات مقدسہ میں دو جنبے ہیں۔ ایک جنبہ نوری اور دُوسرا جنبہ جسدی۔ ان دونوں کے مجموعہ کا نام حجۃ اللہ ہے۔ ایک جنبہ سے امور تخلیق انجام دیتے ہیں اور دُوسرے جنبہ سے امور شریعت کی ہدایت کرتے ہیں۔ لہٰذا ان حضرات کو عالم شریعت کی حیثیت دے کر نوع انسانی میں داخل کرنا سخت نافہمی اور ان کی معرفت سے ناواقفی کی دلیل ہے اور اس توقیع مبارک سے سرتابی ناصبیت کی علامت ہے۔ فافہم واحذر عذاب النار۔

بشریت کے ساتھ وحی دلیل کمالِ ذاتی ہے

بعض مقصرین قرآن مجید کی ایک آیت پیش کرتے ہیں اور جتنے بھی ان کے بدذگار اور ہم مشرب ہیں اسی آیت پر ناز کرتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام کو اپنی نوع میں داخل کرنے کی سعی نامشکور کرتے ہیں وُہ آیت یہ ہے:۔ قل انما انا بشر مثلکم یوحی الیّٰ انما الٰھکم اللہ واحد۔ اس آیت میں چونکہ آنحضرتؐ سے بشریت کا اعلان کرایا گیا ہے اس لئے وُہ نافہم بغلیں بجاتے ہیں مگر "یوحی الیّٰ" کی خصوصیت کو نہیں دیکھتے کہ یہ وحی ان پر کیوں آتی ہے اور دیگر نوع بشر پر کیوں نہیں آتی۔

یہ وحی کا نزول ثابت کرتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام میں کوئی ایسا کمال موجود ہے جس کی وجہ سے نزول وحی ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کمال کا ذکر خداوند عالم نے خود ظاہر فرمایا ہے اور اپنے انبیاء سے بھی ظاہر کرایا ہے۔ اس آیت میں کلمہ حصر "انما" کا تعلق بشر سے ہے یعنی میں صرف اور فقط بشریت میں تمہارے مثل ہوں اور کسی کمال و وصفِ ذاتی میں تمہارے مثل نہیں ہوں۔ اور یہ اعلان بھی مخصوص آنحضرتؐ سے کرایا ہے نہ کسی اور نبی سے۔ کیونکہ آپ نے آسمانی معجزات بھی دکھائے ہیں اس لئے ضرورت تھی کہ آپ اپنی بشریت کا اعلان خود کریں تاکہ لوگ آپ کو خدا نہ کہہ دیں۔ اور اسی لئے بشریت کے اعلان کے ساتھ ہی کلمہ حصر "انما" کے ذریعہ یہ بھی اعلان کرایا ہے کہ "انما الٰھکم اللہ واحد یعنی تمہارا خدا صرف اور فقط ایک ہے"۔ یہ دونوں جملے کلمہ "انما" کے ساتھ باہم ایک ہی اعلان ہے دونوں "انما" ایک ہی اعلان کا حصہ ہیں۔

یعنی مَیں حالتِ بشریت میں ہوں اور خدا صرف ایک ہے۔ یعنی میں خدا نہیں ہوں تمہارے مثل بشر

ہوں کبھی میرے کمالات سے دھوکا کھا کر خدا نہ کہہ دو۔

قالوا ان انتم الا بشر مثلنا تریدون ان تصدونا عما کان یعبد اباؤنا فاتونا بسلطان مبین قالت لھم رسلھم ان نحن الا بشر مثلکم ولکن اللہ یمن علی من یشاء من عبادہ ما کان لنا ان ناتیکم بسلطان الا باذن اللہ و علی اللہ فلیتوکل المتوکلون (قرآن)

پس کافروں نے کہا کہ ہم تمہیں رسُول تسلیم نہیں کرتے ہیں کیونکہ تم ہمارے مثل بشر ہو تم تم چاہتے ہو کہ ہمیں اس سے روک دو جس کی عبادت ہمارے آباؤ اجداد کیا کرتے تھے پس تم کوئی روشن دلیل پیش کرو (یعنی معجزہ) انبیاء علیہم السلام نے انہیں جواب دیا کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ تمہارے مثل بشر ہیں لیکن خدا اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس پر منت و احسان کر دیتا ہے۔ ہمارے لئے یہ حق حاصل نہیں ہے کہ تمہارے سامنے ہم خود روشن دلیل پیش کریں۔ یہ تو اللہ کے اذن سے پیش ہوتی ہے۔ اور توکّل کرنے والوں کو چاہیئے کہ وُہ خدا ہی پر توکّل کریں"۔

اس آیت میں انبیاء علیہم السّلام نے صاف صاف بیان کر دیا ہے کہ کمالِ نبوت و رسالت خدا ہی کا عطیہ ہے اور یہ خدا کی مشیت و ارادہ پر موقوف ہے۔ یہ کمال اکتسابی مرتبہ نہیں ہے کہ جو چاہے نبی و رسول بن جائے بلکہ یہ فضلِ خدا ہے وُہ جس کو چاہے عطا کرے۔

اس آیت سے بالکل واضح ہو گیا کہ انبیا علیہم السّلام نے اپنے لئے جنسِ بشریت کو تسلیم کیا ہے لیکن اس کے ساتھ فصل ممیز (یعنی کمال ذاتی) کو بھی بتایا ہے جس کی وجہ سے نبوّت و رسالت کے عہدہ پر ممتاز ہوئے ہیں۔

یہی کمال ذاتی ہے جو عطیۂ خداوندی ہے تمام عالمین کے اختیار سے خارج ہے یہ مخصوص خدا کا موہوبہ مرتبہ ہے جس کی وجہ سے وحی بھی آتی ہے اور رسالت و نبوّت کا عہدہ بھی سپرد ہوتا ہے۔ ہم اس کمال ذاتی کو فصل ممیز کہتے ہیں۔ انبیاء علیہم السّلام نے یہ ہرگز نہیں کہا کہ ہم ہر حیثیت سے تمہارے مثل ہیں بلکہ ایک ایسا فرق بتایا ہے کہ جس کا تعلق خدا کی مشیت سے ہے اور صرف جنس بشریت کو تسلیم فرمایا ہے جس سے معلوم ہُوا کہ بشریت انبیاء کے لئے جنس ہے اور ان کی فصل کمال ذاتی ہے جس کے تعقل و تفہم سے علماء و حکماء اور خطباء و فصحاء کی عقلیں حیران ہیں۔

مولف صاحب اس آیت کا مطلب ہی نہ سمجھے اور اصُول الشریعہ ص۶۶ پر اپنے باطل نظریہ کی تائید میں اس آیت کو پیش کر رہے ہیں:۔

گر ہمیں مکتب است و ایں مُلّا کارِ طفلاں خراب خواہد شد

مؤلف صاحب نے اس آیت کی تفسیر میں کسی امام معصومؑ کی حدیث پیش نہیں کی اور نہ ان کو کبھی کوئی ایسی حدیث نصیب ہو سکتی ہے کہ جس میں نبی کو خالص بشر کہا گیا ہو اور اس میں کمالِ ذاتی عطیہ پروردگار کا ذکر نہ کیا گیا ہو۔ اگر خالص بشر ہی نبی ہو سکتا اور خدا کے وہبی کمال کی ضرورت نہ ہوتی تو ذرا یہ بھی فرمائیے کہ آپ کو کس طرح یقین حاصل ہو تا کہ یہ نبی ہے۔ کتنے جھوٹے لوگ نبی بن جاتے۔ مگر چونکہ خداوند عالم کی حکمتِ بالغہ کا تقاضا یہی تھا کہ اپنا سفیر اس کو قرار دے جو اپنے کمالات کے ذریعہ ایسے خوارق عادات و معجزات پیش کر دے کہ تمام خلائق اس کے مقابلہ میں عاجز ہو جائے اور یہی دلیلِ سفارت قرار پائے۔

مگر اس کمال کے سمجھنے سے مؤلف صاحب قاصر ہیں۔ ان کا علم وہاں تک نہیں پہنچ سکتا لیکن ان کا عدم علم دلیل عدم کمال الٰہی نہیں ہو سکتا۔

مؤلف صاحب نے تفسیر صافی سے حدیث کے بجائے ایک قول مفسر نقل کیا ہے جس کو ہم من و عن ان کی اصول الشریعہ سے نقل کرتے ہیں۔

اگرچہ قرآن و حدیث کے مقابلہ میں کسی مفسر کا قول قابلِ قبول نہیں ہے مگر اُن کی خاطر سے پیش کرتے ہیں تاکہ وُہ یہ نہ فرمائیں کہ مفسر کے قول کو کیوں چھپایا اور اس کو اپنے پروپیگنڈہ کی بنیاد قرار دے کر دھوکہ نہ دے سکیں۔ لہٰذا ہم نقل کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیے:۔

اقرارِ مؤلف! محمدؐ و آلِ محمدؐ جداگانہ نوع ہیں

"چنانچہ تفسیر صافی ص۲۶۰ پر اس آیۃ مبارکہ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

سلموا اشارکتهم فی البشریة وجعلوا الموجب لاختصاصهم بالنبوة فضل الله ومنه علیهم بخصائص فیهم لیست فی ابناء جنسهم۔

حضرات انبیاء علیہم السلام نے اپنے جواب میں یہ تسلیم کر لیا ہے کہ وُہ بشریت میں ان لوگوں کے ساتھ شریک ہیں۔ اور درجہ نبوت کے ساتھ اختصاص کا سبب انہوں نے خداوند عالم کے فضل و احسان کو قرار دیا ہے ان خصائص و صفات کی وجہ سے جو اُن کے دُوسرے ابنائے جنس میں نہ تھیں۔" (اصول الشریعہ ص۹۶)

ناظرین کرام خود انصاف فرمائیں کہ یہ عبارت ہماری تائید کرتی ہے یا مؤلف صاحب کی۔ یعنی اس عبارت میں دُو چیزوں کا ذکر ہے۔ ایک مابہ الاشتراک اور ایک مابہ الامتیاز یعنی ایک وُہ چیز ہے جس میں انبیاء علیہم السلام شریک بشر ہیں اور اس کو جنس کہتے ہیں، اور دُوسری چیز وُہ ہے کہ جس کی وجہ سے وُہ بشر سے جدا ہیں۔ اور اس کو فصل کہتے ہیں جو ان کے ابنائے جنس میں نہیں ہے۔

یعنی ابنائے بشر ان کے لئے ابنائے جنس ہیں۔ مگر چونکہ فضل و احسانِ خداوندی انبیاء میں زیادہ

ہے اس لئے وُہ اس صفت میں مشترک نہیں ہیں۔ اور یہی فضلِ خداوندی وُہ ہے جو انبیاء علیہم السلام کو درجۂ نبوت کے ساتھ مخصوص کرنے کا سبب ہے اور اسی کو ہم "کمالِ ذاتی" کہتے ہیں۔

ہم نے مؤلف صاحب ہی کی عبارت کو پیش کیا ہے اور کوئی اضافہ اپنی طرف سے نہیں کیا ہے۔ اب ناظرین کرام غور فرمادیں کہ مؤلف صاحب خود نبی میں دو چیزیں بتا رہے ہیں۔ ایک بشریت جس کو خود جنس تسلیم کر رہے ہیں اور دُوسری فضلِ خداوندی جس کو سبب و موجبِ اختصاص نبوت فرمارہے ہیں۔ لہٰذا ان کی خود تحریر فرمودہ عبارت سے ثابت ہے کہ نبی صرف جنس بشر میں شامل ہے، نوع میں شامل نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں ایک کمال ذاتی ہے جو عطیۂ حق تعالےٰ ہے جو اس کی فصلِ ممیز ہے اور اس کو بشر سے جدا کرتی ہے اور یہ تو معمولی طالب علم بھی جانتے ہیں کہ "نوع" جنس و فصل کے مجموعہ سے بنتی ہے نہ صرف جنس سے۔

لہٰذا اب مؤلف صاحب انبیاء علیہم السلام کو نوعِ بشر کے افراد کاملہ فرماکر اپنا باطل عقیدہ ترک کر دیں۔ البتہ جنس کے افراد کاملہ ہیں۔

بل نقذف بالحق علے الباطل فیدمغہ: ہم باطل پر حق کی وُہ چوٹ دیتے ہیں کہ اس کا بھیجا نکل جاتا ہے۔

اب مؤلف صاحب کا ایک جملہ اسی عبارت میں رہ گیا جو تشنۂ تشریح ہے۔

وُہ یہ ہے: "اُن خصائص و صفات کی وجہ سے جو اُن کے دُوسرے ابنائے جنس میں نہ تھیں"۔

مؤلف صاحب اس کا مطلب یہ سمجھے ہیں کہ انبیاء میں کچھ خصائص و صفات قبل از نبوت موجود تھے جن کی وجہ سے خدا نے انہیں اپنے فضل سے نوازا اور پھر وُہ نبی بنا دیئے گئے۔

اگر موصوف کی نیت یہی ہے تو قبل نبوت ان میں جو خصائص و صفات تھے وُہ ان کے خود حاصل کردہ تھے یعنی اکتسابی تھے یا وہبی۔ اگر اکتسابی تھے تو جتنی مدت تک وُہ ان خصائص کے حصول میں جدّ و جہد اور سعی و کوشش کرتے رہے اس وقت تک وُہ نبی نہیں بن سکتے۔ اور ممکن ہے کہ ان کو اس جدّ و جہد میں چالیس سال لگ جائیں۔ اور جب چالیس سال کے بعد یہ خصائص و صفات اپنے لئے پیدا کرلیں تو پھر خدا ان کی اس کوشش کو رائیگاں نہیں کرے گا بلکہ ان کو نبوت سے نواز دے گا۔

تو اس صورت میں مؤلف صاحب بھی جدّ و جہد فرمائیں اور زیادہ وقت اس سعی و کوشش میں صرف فرمائیں تاکہ درجۂ نبوت پر فائز ہو جائیں اور ایک نئی اُمت اپنے لئے رفتہ رفتہ بنا ڈالیں تاکہ موالیانِ اہلبیت طاہرین خطباء و ذاکرین آپ کی دشنام طرازی کے جواب کی تیاری کے بجائے زیادہ سے زیادہ وقت فضائلِ اہلبیت کے لئے وقف کر دیں آپ کو قادیان کے حوالہ کر دیں۔ منظور ہے؟

مگر آپ یہ تو فرما دیجئے کہ ان انبیاء کے لئے کیا فتویٰ صادر فرمائیں گے جن کو جدّ و جہد اور سعی و کوشش

کا سامنا نہ کرنا پڑا اور پیدا ہوتے ہی نبیؐ بن گئے۔ "وجعلنی نبیاً مجھے خدا نے نبی بنا کر پیدا کیا ہے"۔ اور پھر آئمہ طاہرینؑ کے لئے کیا ارشاد ہوگا جو شکمِ مادر ہی میں امام ہوتا ہے۔ اور پھر اس حدیث کا کیا مطلب ہوگا کہ کنت نبیاً و آدم بین الماء والطین "میں اس وقت بھی نبی تھا جب حضرت آدمؑ آب و گل میں تھے"۔ لہٰذا آپ اپنے لئے صدر المدرسین اور صدر المحققین اور حجۃ الاسلام و المسلمین بقلم خود ہونے کا ثبوت اس ہمارے پیش کردہ مسئلہ کے جواب باصواب کے ذریعہ دیں۔ اور اگر آپ اس کا جواب نہیں دے سکتے اور قیامت تک نہیں دے سکتے کیونکہ نبوت جدوجہد سے قیامت تک نہیں مل سکتی تو پھر آپ اپنے القاب پر نظرِ ثانی مبذول فرمائیے اور شیعوں کے حال پر رحم کیجئے۔ آپ کے اعتقادات آپ ہی کو مبارک۔

اب رہی دوسری شق کہ یہ خصائص و صفات اکتسابیہ حصول مرتبۂ نبوت کا سبب نہیں ہیں اور کوئی شخص عالمِ ظہور میں آنے کے بعد اپنی جدوجہد سے نبی نہیں بن سکتا۔ ورنہ بڑے بڑے فلاسفہ اور حکماء جیسے فارفوریوس اور ارسطاطالیس اور فارفایون وغیرہ اپنی جدوجہد سے نبی بن جاتے۔

لہٰذا تسلیم کر لیجئے کہ جس کو خدا نبی بنانا چاہتا ہے اس کے لئے عالم امر ہی میں خود ہی اسباب مہیا فرماتا ہے اور یہ مرتبہ انسان کے دسترس سے بالاتر ہے۔ امام رضا علیہ السلام کے اس خطبہ کو بنظرِ عمیق بار بار پڑھئے جس کو معرفت کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر خود تحریر فرمایا ہے جس کو ہم نے آپ کی کتاب اصول الشریعہ سے پیش کیا ہے۔ اس میں خاص طور پر یہی لفظ ہے "مخصوص بالفضل کلہ" یعنی وہ خدا کے فضل کُل کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے جو نہ طلب کرنے سے ملتا ہے اور نہ اکتساب سے۔ بلکہ خدا اس کی خلقت ہی میں کمال ذاتی عطا فرماتا ہے۔ اور یہی فضل خاص سبب و موجب نبوت و امامت ہوتا ہے۔

لہٰذا ان درجات و مراتب کا سبب وہی کمال ذاتی ہے جس کے سمجھنے سے عقول عالمین حیران ہیں اور وہ انسانی دسترس سے بالاتر ہے۔ یہی ہمارا ایمان ہے اور اسی کو ہم گلے پھاڑ پھاڑ کر بیان کرتے ہیں۔ جس کو مؤلف صاحب برداشت نہیں کر سکتے ہیں اور ناصبیت کے جوش میں گالیوں پر اتر آتے ہیں۔ اور دشنام بھی تو تصنیف جو سیاب صاحب کو بھی نصیب نہیں۔

محمدؐ و آلِ محمدؐ علیہم السلام علتِ خلق ہیں

اب ہم وہ احادیث پیش کرتے ہیں جن سے ان حضرات کا علت خلق ہونا ثابت ہوتا ہے تاکہ علت و معلول میں فرق معلوم ہو سکے۔ لہٰذا پہلے علت و معلول اور سبب و مسبب کا مطلب سمجھاتے ہیں:۔

العلة ما یجب الشیٔ بوجودہ و یمتنع بعدمہ۔ علت اس کو کہتے ہیں کہ جس کے وجود سے کسی شے کا موجود ہو جانا اور جس کے عدم سے اس کا معدوم ہونا ضروری ہو جائے۔

المعلول ما یجب الشئ ویمتنع بعدمہ او عدم شئ منہ۔
معلول اس کو کہتے ہیں جو کسی شئے سے لازمی طور پر موجود ہو جائے اور اس شئے کے بالکلیہ عدم یا بالجزئیہ عدم سے اس کا وجود محال ہو جائے اس کو سبب و مسبب بھی کہا جاتا ہے۔
اور کبھی سبب اس کو بھی کہتے ہیں کہ جس کو کسی شے کے وجود میں مدخلیت تو ہو کہ اس کے بغیر موجود نہ ہو سکے لیکن یہ ضروری نہ ہو کہ جب اس کا وجود ہو تو شئی بھی ضروری طور پر موجود ہو جائے یعنی ان دونوں صورتوں میں فرق یہ ہے کہ سبب بمعنی علت اس وقت ہو گا جب اس کے وجود سے کسی شے کا وجود وابستہ ہو اور اس کے عدم سے عدم وابستہ ہو۔ اور اس کو علت تامہ کہتے ہیں۔
اور دوسری صورت یہ ہے کہ اس کے وجود سے کسی شئے کا وجود لازمی نہ ہو۔ مگر اس کے عدم سے شئے کا عدم لازمی ہو۔ یہ بھی بمعنی علت ہی ہوتا ہے مگر اس کو علت ناقصہ کہتے ہیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ہمیں ایک میز کتابیں رکھنے کے لئے بنانی ہے۔ کتابیں موجود ہیں مگر میز نہیں ہے۔
اس کے لئے جب تک چار علتیں نہ ہوں گی میز کا وجود نہیں ہو سکتا۔ دو علتوں کا تعلق اس کے وجود سے ہو گا اور دو کا تعلق اس کی ماہیئت سے ہو گا۔ یہ چار علتیں یہ ہیں :۔

علت غائیہ ؛ علت فاعلیہ ؛ علت مادیہ ؛ علت صوریہ۔

علتِ غائی :۔ وہ علت ہے جس غرض کے لئے میز بنانی ہے۔ یعنی میز پر کتابیں رکھنا مقصود ہے۔ لہذا اگر یہ غرض ہی نہ ہو گی تو میز کا وجود ہی نہیں ہو سکتا۔
علتِ فاعلیہ :۔ وہ علت ہے جو میز کو وجود میں لائے۔ جیسے نجار یعنی بڑھئی لہذا اگر بنانے والا نہ ہو گا تو میز کا وجود نہیں ہو سکتا۔
علتِ مادیہ :۔ وہ علت ہے جس سے میز وجود میں آئے گی یعنی تختے وغیرہ۔ لہذا اگر تختے نہ ہوں گے تو میز کا وجود نہیں ہو سکتا۔
علتِ صوریہ :۔ وہ علت ہے جو اس میز کی شکل و صورت سے وابستہ ہے۔ یعنی تختوں کو ایسی شکل سے ملایا جائے کہ میز کا وجود بالفعل ہو جائے۔ لہذا اگر تختوں کو اس شکل پر نہ ملایا جائے گا تو میز کا وجود کبھی نہیں ہو سکتا۔
اب چاروں علتوں میں سے ہر ایک کو وجودِ میز میں مدخلیت حاصل ہے مگر کسی ایک علت کا وجود میز کو وجود میں نہیں لا سکتا۔

یعنی تختے موجود ہیں مگر میز بنانا مقصود ہی نہیں ہے تو میز کا وجود نہ ہوگا۔ نجار موجود ہے مگر میز کا وجود نہیں ہے۔ شکل و صورت میز کی تصور میں موجود ہے مگر میز کا وجود نہیں ہے یعنی جب تک یہ چاروں علتیں موجود نہ ہوں اس وقت تک میز کا وجود نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا ہر ایک ان چاروں میں سے میز کے وجود کا سبب ہے مگر علت تامہ نہیں ہے بلکہ علت ناقصہ ہے۔

ہمارے اس بیان سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ یہ چاروں علتیں جُدا جُدا حقیقتیں ہیں۔ یعنی علتِ مادی کو علتِ فاعلی نہیں کہا جا سکتا اور اسی طرح بر عکس۔ اور علتِ غائی کو علتِ صوری نہیں کہا جا سکتا ہے اور اسی طرح بر عکس۔ لہٰذا ایک کا اطلاق دُوسرے پر نہیں ہو سکتا۔

اب اس مثال کو پیش نظر رکھتے ہوئے محمدؐ و آلِ محمدؐ علیہم السّلام کے لئے علت کا مفہوم سمجھئے کہ یہ حضرات اگر نہ ہوتے تو کائنات میں کوئی چیز نہ ہوتی۔ جیسا کہ ہم آئندہ احادیث متکاثرہ و متواترہ پیش کریں گے۔ اور مؤلّف صاحب ایسے پیچ و تاب میں پھنس جائیں گے کہ توبہ کے سوا کوئی چارۂ کار ہی نظر نہ آئے گا۔

اگر حضرات محمدؐ و آلِ محمدؐ علیہم السّلام وجودِ خلائق کی علت ہیں تو ان چاروں علتوں میں سے کونسی علت ہیں۔ اگر علت غائیہ ہیں یعنی خلقتِ عالم کی غرض یہی حضرات ہیں تو ان کا وجود مقدس اپنے معلول سے مقدم ہے اور معلول کا وجود ان حضرات سے مؤخر ہے۔

اور علت اپنی حقیقتِ وجودیہ میں اپنے معلول کی ماہیت وجودیہ سے مقدم و مغائر ہوتی ہے۔ یعنی علت و معلول کی حقیقت جداگانہ ہوتی ہے۔ نہ علت کو معلول کہہ سکتے ہیں اور نہ معلول کو علت کہا جا سکتا ہے۔ یہ دونوں حقیقتیں جُدا جُدا ہوتی ہیں لہٰذا محمدؐ و آلِ محمدؐ علیہم السّلام اور تمام خلائق حقیقتِ وجودیہ کے اعتبار سے جداگانہ ہیں۔ اور یہ حقیقتِ وجودیہ کسی وقت بھی معدوم نہیں ہو سکتی کیونکہ غرض خلقت عالم جس وقت بھی معدوم ہو جائے گی تو عالم بھی معدوم ہو جائے گا اور تمام نظامِ عالم درہم برہم ہو کر فنا سے ہمکنار ہو جائے گا کیونکہ خدا فعلِ عبث سے بلند و بالا ہے۔

اور یہی مطلب ہے ان احادیث متواترہ متظافرہ کا کہ اگر حجت اللہ کا وجود نہ رہے گا تو دنیا فنا ہو جائے گی۔ لہٰذا ان حضرات کی یہ حقیقتِ وجودیہ بہر حال معدوم نہ ہوگی۔ اور ان کی یہ حقیقت ذاتی ہے عارضی نہیں ہے۔

اسی حقیقت کے ساتھ اگر بشریت بھی ان کے لئے قرار دے کر دو جزوں کا مرکب وجود

میں لایا جائے تو ایک نوع وجود میں آئے گی جس کے دُو جزو ہوں گے ایک وُہ حقیقت وجودیہ
جو سبب وجود عالم ہے اور دُوسری حقیقتِ وجودیہ بشریہ جس کے ذریعہ ہدایت عالمِ ناسوت
کے امور انجام دیتے ہیں۔ کیونکہ اگر ان کی حقیقت وجودیہ متقدمہ فنا ہو جائے تو نظامِ عالم
درہم برہم ہو جائے گا۔ لہٰذا وُہ حقیقتِ اوّلیہ بہر حال موجود رہے گی اور اس حقیقت کے
ساتھ بشریت کو منضم کیا جائے گا اور دونوں حقیقتوں کا مجموعہ حجت اللہ کہلائے گا بشریت
کے معدوم ہونے سے ان کی حقیقت وجودیہ اولیہ معدوم نہیں ہوگی جو غرض خلقتِ عالم ہے
کیونکہ بشریت کو اس کے وجود میں کوئی مدخلیت ہی نہیں ہے بلکہ بشریت کا وجود متاخر
ہے۔ وُہ نہ ہوتے تو کچھ نہ ہوتا یعنی بشریت کے لئے وُہ خود علت غائیہ ہیں۔
لہٰذا مؤلف صاحب جب ان کو علتِ غائیہ تمام خلائق تسلیم کرتے ہیں تو پھر کس اجتہادِ
علمی سے ان کو اپنی نوع میں داخل کرنے پر بضد ہیں۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ یہ جاہلوں کے
سامنے تو حدیث لولاک لما خلقت الافلاک پڑھ کر ان حضرات کی خلقت نوریہ اولیہ کا
ذکر کر دیتے ہیں تاکہ کم علم شیعہ ان کے پھندے میں پھنسے رہیں اور حسب ارشاد
حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام اموالِ مومنین کو سلب کرتے رہیں۔ اور جب
سادہ لوح مومنین قبضہ میں آجائیں تو ان حضرات کو اپنی نوع بتا کر رُوحِ ایمان
بھی سلب کر لیں۔

ایسے لوگ ہی نظرِ امام میں لشکرِ یزید سے زیادہ مضر ہیں جن کو امام نے
علماءِ سوء فرمایا ہے۔

اور اگر یہ ذوات مقدسہ تخلیق عالم کے لئے علت مادیہ کی حیثیت رکھتے ہیں یعنی
ان کی حقیقت وجودیہ سے تمام عالم خلق ہوا۔ اور یہ حضرات لاشے سے خلق ہوئے
جیسا کہ ہم مخلوق اوّل کی خلقت آئمہ معصومین علیہ السلام کے ارشادات کی روشنی میں
مفصل ذکر کر چکے ہیں تو اس صورت میں بھی یہ حضرات اصل قرار پائیں گے اور ان ہی
کے آثار وجودیہ اور اشعہ نورانیہ سے عالمِ لاہوت و عالمِ ملکوت و عالمِ ناسوت کا وجود
ہوگا اور ہر ایک عالم کو جُدا جُدا فصول ممیزہ کے ذریعہ انواع عالم قرار دیا جائے گا جیسا کہ
احادیث مستفیضہ کثیرہ سے ثابت ہے کہ ان کی ذوات مقدسہ سے ملائکہ خلق ہوئے۔
شمس و قمر خلق ہوئے۔ اور آسمان و زمین وجود میں لائے گئے۔

یعنی یہ ذوات مقدسہ شعاعِ جلالِ کبریائی ہیں اور باقی تمام کائنات ان ہی کی شعاعیں
ہیں۔ یعنی یہ حضرات اصل ہیں اور تمام اشیاء فرع ہیں۔

اس صورت میں بھی ان کا وجود تمام عالم سے مغائرہ ہوگا۔ لہٰذا یہ حضرات عالی درجات مدعیٔ اجتہاد کی نوع نہیں قرار پا سکتے بلکہ ان ذواتِ مقدسہ کا وجودِ مبارک ہی مؤلف صاحب کے وجود کا سبب ہوگا لہٰذا ایسی صورت میں بھی اتحادِ نوع کا عقیدہ باطل ہے۔

اور اگر یہ ذواتِ مقدسہ تخلیقِ عالم کے لئے علتِ فاعلیہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ تو فاعل غیر مفعول ہوتا ہے پھر بھی یہ حضرات اپنے معلولات کی نوع نہیں ہو سکتے جس طرح ان ذواتِ مطہرہ کا فاعل خدا ہے اور وہی ان کی علت تامہ مختارہ ہے اس لئے یہ حضرات اس کے مثل نہیں ہو سکتے۔ یہی وہ مطلب ہے جس کی توضیح حضرت صاحب الامر عجل اللہ فرجہٗ کی توقیع مبارک سے ثابت ہے جس میں حضرت نے فرمایا ہے کہ ہم اپنے رب کے مصنوع ہیں اور تمام خلائق ہمارے مصنوع ہیں۔ یعنی ہم ان کے وجود کی علت ہیں اور اس میں کوئی استبعادِ عقلی نہیں ہے کہ وہ اپنے خالق کے مخلوق ہیں اور دیگر خلائق کے خالق ہیں۔ اور خدا احسن الخالقین ہے اس لئے کہ خدا نے لاشے سے ان کو پیدا کیا ہے اور ان ذواتِ مقدسہ نے شے سے شے کو پیدا کیا ہے۔ لہٰذا اختلافِ معنی کے لحاظ سے یہ حضرات بھی خالق ہیں۔ اور خدا بھی خالق ہے مگر وہ اور معنی سے خالق ہے اور یہ اور معنی سے۔ اور جب معنی جدا جدا ہیں تو اشتراکِ لفظ خالق سے شرک لازم نہیں آتا اور نہ یہ غلو کہلاتا ہے۔ جیسا کہ امام رضا علیہ السلام کے بیان حق ترجمان سے ہم نے پیشتر اس مطلب کو تحریر کر دیا ہے۔ لہٰذا مولف صاحب کی نوع الگ ہے اور ان حضرات کی نوع جداگانہ ہے۔

اگر یہ ذواتِ مقدسہ خلقتِ عالم کے لئے علتِ صُوریہ کی حیثیت رکھتے ہیں تب بھی یہ حضرات بالفعل علت ہیں اور خلائق معلول ہے اور علت صورت نوعیہ کا وجود قبل وجود معلول مقدر ہوتا ہے لہٰذا اس حیثیت سے بھی یہ حضرات خلائق کی نوع سے جداگانہ ہیں۔

پھر مؤلف صاحب جب اپنی صورتوں کا وجود جس علت صوریہ کے وجود کا پرتو اور طفیلی تسلیم کرتے ہیں اس کو اپنی نوع میں کس مُنہ سے داخل کرنا چاہتے ہیں۔ ذرا اپنی صورتِ نوعیہ اور صورتِ جنسیہ پر نظرِ ثانی کریں اور اس غلط عقیدہ سے توبہ کریں۔

قرآن قصیدۂ علیؑ ہے

خطباء و ذاکرین جب فضائلِ ائمہ خصوصاً فضائلِ امیرالمومنین علیہ السلام بیان کرتے ہیں تو اکثر جوشِ محبت میں کہہ دیا کرتے ہیں کہ قرآن تو قصیدۂ اہلبیت ہے۔ اس پر ناصبیوں کی رگ عداوت پھڑ کنے لگتی ہے اور قرآن میں تجسس العین جانوروں کا ذکر سُنا کر کہتے ہیں کہ کیا یہ قصیدۂ اہلبیت ہے آج ہم ان کو تنبیہ کرتے ہیں کہ دُنیا کی تمام اشیاء دو قسم پر منقسم ہیں۔ یا تو ان سے خدا کی رضا و خوشنودی کا تعلق ہے یا ناراضی و سخط کا۔

جن چیزوں سے خدا کی رضا کا تعلق ہے وُہ دوستِ خدا ہیں اور جن سے ناراضگی کا تعلق ہے وُہ دشمن خدا ہیں۔ اور دوست و دشمن کی شناخت محبّت و عداوتِ اہلبیت خصوصاً محبت و عداوت علی بن ابی طالبؑ ہے لہٰذا جو بھی علیؑ سے محبّت کرے گا وہ دوستِ خدا ہے اور جو دشمنی کرے گا وُہ دشمن خدا ہے۔ دوستوں کے لئے جنّت ہے دشمنوں کے لئے جہنّم ہے۔ لہٰذا علی مرتضٰے علیہ السلام جنّت و دوزخ کی کسوٹی ہیں۔ اسی لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ علی مرتضٰے قسیم الجنّۃ والنار ہیں۔ یعنی اُن کے دوستوں کے لئے جنت اور دشمنوں کے لئے جہنّم۔ یہ قصیدہ نہیں تو اور کیا ہے۔ اب ہم حدیثِ پیغمبرؐ اسلام کے ذریعہ استدلال پیش کرتے ہیں کہ قرآن قصیدۂ علی ہی ہے۔

جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:۔

معاشر الناس ھٰذا علیٌّ انصرکم لی واحقکم بی اقربکم الیّ واعزکم علیّ و اللہ عزوجل وانا عنہ راضیان وما نزلت اٰیۃ رضا الافیہ وما خطب اللہ الذین اٰمنوا الا بدأ بہ ولا نزلت اٰیۃ مدح فی القراٰن الا فیہ ولا شھد اللہ بالجنّۃ فی ھل اتی علی الانسان الا لہ ولا انزلھا فی سواہ ولا مدح بھا غیرہ۔ (احتجاج طبرسی ص۳۲)

ترجمہ:۔ جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے خطبۂ بلیغیہ غدیریہ میں ارشاد فرمایا ہے کہ اے لوگو سُن لو۔ علیؑ سب سے زیادہ میرے ناصر ہیں اور سب سے زیادہ مجھ پر حق رکھتے ہیں اور سب سے میرے قریبی ہیں اور سب سے زیادہ مجھے عزیز ہیں۔ اور خدائے عزوجل اور میں ہم دونوں علیؑ سے راضی ہیں اور قرآن میں جتنی آیات رضائے خدا و رسُول ہیں وُہ سب علیؑ کی شان میں ہیں۔ اور ایمان والوں سے جہاں بھی خطاب فرمایا ہے وہاں علی ہی سے ابتدا کی ہے اور قرآن میں جتنی آیات مدح ہیں وُہ سب علیؑ ہی کی شان میں ہیں اور سورۃ ھل اَتیٰ میں صرف علیؑ ہی کے لئے خدا نے جنت کی ملکیت کی گواہی دی ہے ان کے سوا کسی کے

لئے نہیں دی اور علیؑ کے سوا کسی اور کی یہ مدح نہیں کی ہے۔ (قصیدۂ علی زندہ باد) جب خود خدا نے قرآن مجید کو قصیدۂ و مدح علیؑ قرار دیا ہے تو سوائے ناصبی کے کون اعتراض کر سکتا ہے۔

حق تلاوتِ قرآن حق اہلبیت ہے

خطباء و ذاکرین بیان کیا کرتے ہیں کہ حضرات محمدؐ و آل محمدؐ علیہم السلام جس شان کی تلاوت فرماتے تھے دنیا میں کوئی بھی ایسی تلاوت نہیں کر سکتا۔ موالیانِ اہلبیت کو ان بزرگواروں کی تلاوت سُننے کا شوق رہتا تھا اور وہ سن کر وجد میں آجاتے تھے اور اکثر بے ہوش ہو جاتے تھے مگر ناصبیوں کو وجد میں لانے والی تلاوت بھی پسند نہیں ہے۔ لہٰذا ہم احتجاج طبرسی سے ان ذواتِ مقدسہ کی حسنِ تلاوت اور وجد میں لانے والی آواز کا ثبوت پیش کرتے ہیں اور یہ وہ کتاب ہے جس کے اسناد کی ذمہ داری علامہ طبرسی علیہ الرحمۃ نے شروع کتاب میں بیان فرمادی ہے اور ایک ایک حدیث کی صحت کی ضمانت دی ہے چنانچہ علامہ ممدوح کی کتاب احتجاج ص۲۰۱ پر تحریر ہے:۔

روی انہ کان حسن الصوت حسن القرأۃ وقال یوما من الایام ان علی بن الحسینؑ کان یقراء القرآن فربما مر بہ المار فصعق من حسن صوتہ وان الامام لو اظہر من ذالک شیئا لما احتملہ الناس قیل لہ الم یکن رسول اللہ یصلی بالناس ویرفع صوتہ بالقرآن فقال ان رسول اللہ کان یحمل من خلفہ ما یطیقون۔

حضرت امام موسٰی کاظم علیہ السلام کی شان میں مروی ہے کہ آپ کی آواز نہایت پیاری تھی اور طرز قرأت بھی نہایت پیارا تھا۔ حضرت نے ایک دن فرمایا کہ امام زین العابدین علیہ السلام ایسے وجد آور اور دل آویز طرز میں قرآن پڑھتے تھے کہ اکثر راہ گزرنے والے آپ کی تلاوت سُن کر بے ہوش ہو جاتے تھے۔ حضرت نے فرمایا کہ ہر امام میں یہ کمال موجود ہوتا ہے۔ اگر وہ اس کمالِ تلاوت و حُسنِ قرأت کو ظاہر کر دے تو لوگوں میں طاقتِ برداشت نہیں ہے۔ حضرت سے کہا گیا کہ کیا جناب رسولِ خدا لوگوں کو نماز نہیں پڑھاتے تھے اور کیا تلاوتِ قرآن کی آواز لوگ نہیں سُنتے تھے؟ تو حضرت نے فرمایا کہ رسول اللہ اپنی تلاوت میں اتنا حسن ظاہر کرتے تھے جس کو لوگ برداشت کر سکیں۔ معلوم ہوا کہ محمدؐ و آلِ محمدؐ علیہم السلام حسنِ تلاوت و حسنِ قرأت کا مرکز ہیں۔ ان سے بہتر پیاری اور وجد آور تلاوت کوئی نہیں کر سکتا۔ اس بیان سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ ان حضرات کا طرزِ تلاوت ایسا درد ناک اور وجد آور ہے کہ سُننے والے

بے ہوش ہو جاتے تھے۔ اسی لئے یہ حضرات لوگوں کی طاقتِ برداشت کو ملحوظ رکھ کر تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ (ناصبیت مُردہ باد)

بابُ النُّور

خلقت محمدؐ و آلِ محمدؐ علیہم السّلام

مولّف صاحب نے اپنی دونوں کتابوں میں تعریفِ نور اور اس کے حقیقی اور مجازی معنی نہیں بتائے ہیں۔ خدا ہی نیتوں کا واقف ہے کہ اس میں ان کی کیا مصلحت تھی۔

ہم نور کی تعریف کرتے ہیں تاکہ ان ذواتِ مقدسہ کی نُورانیت معلمین کے ذہن نشین ہو سکے:۔

النور ھو الظاھر بنفسہ والمظھر لغیرہ "یعنی جس کا وجود نفس الامر میں بالتحقیق ہو اور وہ اپنے وجود سے دُوسروں کو بالتحقیق وجود میں لائے"۔

اس معنی کے لحاظ سے خدا نور ہے کیونکہ اس کا وجود حقیقی نفس الامر میں بالتحقیق ہے اور وُہ دوسروں کو وجود بخشنے والا ہے۔ لہٰذا "اللہ نور السمٰوات والارض" اپنے حقیقی معنی میں ہے یعنی خدا سمٰوات و ارض کا نور ہے یعنی وجود بخشنے والا ہے۔ اور محمدؐ و آل محمدؐ علیہم السّلام خدا کے بعد تمام خلائق کے لئے نور ہیں کیونکہ ان کا وجود نفس الامر میں بالتحقیق ثابت ہے۔ اور وُہ دیگر خلائق کے وجود کا سبب ہیں لہٰذا یہ حضرات تمام خلائق کے لئے نور ہیں اور خدا ان کے لئے نور ہے۔ اور خدا کے سوا ان کے لئے کوئی شے نور نہیں ہے بلکہ یہ خود تمام اشیاء کے لئے نور ہیں۔ اسی مطلب کو سرکار علامہ مجلسی نے بھی بیان کیا ہے:۔

لانھم العلل الغایۃ لوجود الاشیاء۔ یعنی یہی حضرات تمام اشیاء کے وجود کی علت غائی ہیں اور تمام اشیاء معلول ہیں۔" (مراۃ العقول ص۱۴۷)

ان کا وجود خدا کے وجود سے ظہور میں آیا ہے۔ لہٰذا خدا ان کے لئے نور ہے۔ اور تمام خلائق کا وجود ان کے وجود سے ظہور میں آیا ہے لہٰذا یہ حضرات نور العالمین ہیں۔ اور یہی حقیقی معنیٔ نور ہیں جو ان حضرات کے لئے ثابت ہیں۔ اور اگر نور کے معنی رُوشنی مراد ہوں جیسا کہ عرفِ عام میں مستعمل ہے تو اس کا اطلاق روشن اشیاء پر اضافی ہوگا حقیقی نہ ہوگا۔ مثلاً شمس و قمر اور نجم و کوکب اور برق و آتش۔ ان سب میں روشنی ہے مگر اس روشنی کا ظہور صرف قوتِ باصرہ سے ہے۔ یعنی آنکھیں دیکھتی ہیں اور بس۔ لہٰذا قوتِ سامعہ کے لئے ظہور نہیں ہوتا۔ ان چار قوتوں کے لئے یہ روشنی معدوم ہے۔ لہٰذا ان قوائے اربعہ کے لئے روشنی نور نہیں ہے بلکہ ظلمت ہے پس معلوم ہوا کہ حقیقی نور وہی ہے جو بالتحقیق موجود ہو اور دوسروں کے

وجود کا سبب ہو یعنی علل اربعہ میں سے وجودِ معلول کے لئے علت ہو۔ لہذا محمدؐ و آل محمد علیہم السلام چونکہ سبب ایجاد عالم ہیں اس لئے بالتحقیق نور ہیں۔

مؤلف صاحب چونکہ نور کے معنے ہی نہیں سمجھے اس لئے محمدؐ و آلِ محمد علیہم السلام کو مجازاً نور کہتے ہیں۔ ہم انشاء اللہ ان کے مجاز کی قلعی کھولیں گے جس سے ان کے قشری علم کا انکشاف ہو جائے گا۔

یہ یاد رکھنا چاہئے کہ کسی شے کو وجود میں لانے کے معنی شکل بدلنا نہیں ہیں جیسے لوہار، کمہار، جولاہا، صنعت کار اشیاء کو وجود میں نہیں لاتے ہیں بلکہ اشیاء موجودہ کی شکل بدلتے ہیں۔ لہذا وہ نور نہیں کہلا سکتے۔ مؤلف صاحب اس مطلب کو ذہن نشین کر کے پھر زبانِ اعتراض کھولا کریں:

حدیث حضرت اوّل العابدینؑ

وعن النبیؐ فی حدیث طویل قال لامیر المومنین علیہ السّلام ان اللّٰہ تبارك وتعالیٰ فضل انبیائه المرسلین علی الملائکة المقربین وفضلنی علی جمیع النبیین والمرسلین والفضل بعد لك یا علیؑ والائمة من بعدك وان الملٰئکة لخدامنا وخدام محبینا یا علی ان الذین یحملون العرش ومن حوله یسبحون بحمد ربھم و یستغفرون للذین اٰمنوا بربھم وبولایتنا یا علی لولا نحن ما خلق اللّٰہ تعالیٰ اٰدمؑ ولا حواؑ ولا الجنة ولا النار ولا السماء ولا الارض۔ (الحدیث)

ترجمہ:۔ اور حضرت رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک حدیث طویل میں وارد ہے کہ آنحضرتؐ نے امیر المومنین علیہ السلام سے فرمایا کہ بالتحقیق خداوند عالم نے اپنے انبیاء مرسلین کو اپنے ملائکہ مقربین پر فضیلت دی ہے اور اس کے بعد یہ فضیلت تمہارے اور تمہارے بعد کے ائمہ کے لئے ہے۔ اور ملائکہ بالیقین ہمارے خدام ہیں اور ہمارے محبوں کے بھی۔ اے علیؑ حاملانِ عرش اور جو کچھ اس کے گرد ہیں وہ تسبیح و حمد اپنے رب کی بجا لاتے ہیں اور وہ ان مومنین کے لئے استغفار کرتے ہیں جو اپنے رب پر اور ہماری ولایت پر ایمان لائے ہیں۔ اے علیؑ اگر ہم نہ ہوتے تو خداوند عالم نہ آدمؑ کو پیدا کرتا نہ حوا کو۔ اور نہ جنت کو پیدا کرتا نہ جہنم کو اور نہ آسمان کو پیدا کرتا نہ زمین کو۔ (علم الیقین ص ۹۰)

اس حدیث نبوی سے صاف ظاہر ہے کہ محمدؐ و آل محمد علیہم السلام علت خلقت عالم ہیں، اور

اوّل مخلوق ہیں۔ اب آپ ان حضرات کو علّتِ خلق تسلیم کر کے علت کی چار قسموں میں سے جس قسم میں بھی چاہیں داخل سمجھیں، یہ علت ہی رہیں گے اور تمام خلائق معلول ہوں گے۔ اور چونکہ ان ذواتِ مقدسہ کا وجود سبب بقاءِ عالم بھی ہے لہٰذا یہ وجود بہر حال باقی رہے گا۔ اگر ان حضرات کو جنس بشریت میں بھی ظاہر کیا جائے گا تب بھی یہ وجودِ اولےٰ فنا نہ ہوگا۔ کیونکہ وجود جنس بشر علت غائی ممکنات نہیں ہے۔

لہٰذا ان کے وجودِ مقدس کو قائم رکھتے ہوئے ان حضرات کو کسی بھی شکل و صورت میں تسلیم کیجئے ان کی نوع جداگانہ ہی رہے گی۔ کیونکہ ان کا امتیاز یہی وجودِ اوّل ہے اور یہی وُہ کمال ہے جو لاشے سے خدا نے پیدا کیا ہے۔ اگر آپ نے اس وجود کو فنا تسلیم کر لیا اور اپنی نوع میں داخل کر کے صرف حیوان ناطق بنا لیا جیسے آپ ہیں تو اس وجود اوّلی کے ساتھ تمام خلائق کی فنا لازم آئے گی۔ اور چونکہ وجودِ خلائق باقی اور مشاہد ہے لہٰذا ان کا وجود اوّلی بھی باقی ہے۔ اس وجود اوّلی کو ملحوظ رکھتے ہوئے آپ جو جنس بھی ان کے ساتھ منضم کریں گے، ان کی نوع علیحدہ ہی رہے گی۔ جس وقت بھی آپ نے اس وجود کو ختم کیا اس وقت نہ آپ ہوں گے نہ آسمان۔ مگر یاد رکھئے ان کا وجود اولیٰ پھر بھی فنا نہ ہوگا۔ "کل شیٔ ھالک الا وجھہ"۔ یہی وجہ اللہ ہیں یہی فنا نہ ہوں گے جیسا کہ ہم پیشتر دلائل و براہین سے تحریر کر چکے ہیں۔ صرف جنس بشریت ہی ان سے جدا ہو سکتی ہے جس کی وجہ سے یہ حضرات نوعِ انسان کے لئے معلم شرائع اور ہادی و داعیِ الی اللہ تھے مگر فصل ممیز فنا نہ ہوگی اس کے لئے اجساد نوریہ منضم رہیں گے جیسے آپ کے لئے عالم برزخ میں اجسام مثالیہ ہوتے ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام

یقول إنّ اللہ خلقنا من نور عظمتہ ثم صور خلقنا من طینۃ مخزونۃ مکنونۃ من تحت العرش فاسکن ذالک النور فلذا نحن خلقا و بشرا نورانیین لم یجعل لاحد فی مثل الذی خلقنا منہ نصیب

(کافی ص ۲۴۷)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ہمیں خداوند عالم نے اپنے نورِ عظمت سے پیدا کیا ہے۔ یعنی ہمارے نور سے عظمتِ خدا ظاہر ہوتی ہے۔ پھر ایک ایسے جزوِ تخلیقی سے جو تحت عرش پوشیدہ طور پر چھپایا گیا ہوا تھا ہماری تصویر کشی کی پھر اس نور کو فضیلت بخشی۔ پس اس لئے ہم جداگانہ حیثیت کے مخلوق اور بشر نورانی ہیں۔ اور جس سے ہم پیدا کئے گئے ہیں اس کا مثل تمام خلائق میں کسی ایک کو بھی نصیب نہیں ہے"۔
اس حدیثِ صادق آل محمدؐ علیہم السلام سے بالکل واضح طور پر ثابت ہے کہ یہ حضرات ایسے جزوِ

سے مخلوق ہیں کہ ان کے مثل تمام عالم میں کوئی بھی مخلوق نہیں ہے۔ لہٰذا مولف صاحب کو چاہیئے کہ صادق آلِ محمد علیہم السلام کے ارشاد پر ایمان لائیں اور ان حضرات کو اپنے مثل نوع نہ بنائیں کیونکہ ان حضرات کی خلقت میں دو جزء ہیں ایک بشریت اور دوسرے نورانیت۔ اور وہ نورانیت ہی خلقت اوّل ہے اور یہی کمال ذاتی ہے جس کے سمجھنے سے تمام عقولِ عالمین حیران ہیں۔ لہٰذا ان کی نوع جداگانہ نوع ہے۔ مولف صاحب بیچارے کیا، کائنات میں کسی کو بھی یہ کمالِ ذاتی نصیب نہیں ہے۔

حضرت نے بشر نورانی فرماکر اپنی جنس کی بھی بلندی ظاہر فرمادی ہے۔ اور یہ ان جنّتی ماکول و مشروب غذاؤں کا نتیجہ ہے جن سے ابدان کے اجزائے اصلیہ خلق ہوتے ہیں۔ اسی لئے ان کے ابدان کا سایہ نہیں پڑتا تھا اور مکھی بھی اُن کے جسمِ اقدس پر نہیں بیٹھتی تھی، اور اُن کے پسینہ سے بُوئے خوش آتی تھی۔ یہ ان کے اجسام کی فضیلت تھی۔ مگر یہ جنس کے کمالات ہیں، فصل کے کمالات ادراکِ عقول سے بالاتر ہیں جس کے لئے لفظ "خلقنا" جدا بیان فرمایا ہے۔

قال ابو عبد اللہ علیہ السلام انّ اللہ خلقنا فاحسن خلقنا وصورنا فاحسن صورنا وجعلنا عینہ فی عبادہ ولسانہ الناطق فی خلقہ ویدہ المبسوطۃ علٰی عبادہ بالرافۃ والرحمۃ ووجھہ الذی یوتی منہ وبابہ الذی یدل علیہ وخزانہ فی سمائہ وارضہ بنا اثمرت الاشجار واینعت الثمار وجرت الانھار وبنا ینزل غیث السماء وینبت عشب الارض وبعبادتنا عبد اللہ ولولا نحن ما عبد اللہ۔ (کافی ص ۸۳)

حضرت صادق آلِ محمد علیہم السلام فرماتے ہیں بالتحقیق خدا نے پہلے ہمیں پیدا کیا اور بہترین خلق قرار دیا اور ہماری تصویر کشی کی اور بہترین تصویر کشی کی۔ اور ہمیں عین اللہ بنایا۔ اور ہمیں ایسا لسان اللہ بنایا جو اس کے مخلوقات میں ناطق ہے اور ایسا ید اللہ بنایا جو شفقت و مہربانی کے ساتھ تمام بندگانِ خدا پر حاوی ہے۔ اور ایسا وجہ اللہ بنایا کہ خدا کی معرفت اسی کے ذریعہ ہوتی ہے۔ اور ایسا دروازہ بنایا جو خدا تک پہنچاتا ہے۔ اور اپنا ایسا خزینہ دار بنایا کہ زمین و آسمان کے خزانے ان کے ہی قبضہ میں ہیں۔ اسی لئے درخت ہمارے سبب سے پھل دیتے ہیں اور پھل پختہ ہوتے ہیں اور نہریں جاری ہوتی ہیں۔ اور ہمارے ہی سبب سے بارش ہوتی ہے اور سبزہ اُگتا ہے اور ہماری عبادت کے سبب خدا کی عبادت کا وجود ہوا ہے۔ اور اگر ہم نہ ہوتے تو خدا کی عبادت نہ ہوتی۔"

حضرت صادق آلِ محمد علیہم السلام کے ارشادِ حق بنیاد سے مندرجہ ذیل مطالب پر روشنی پڑتی ہے:

یہ حضرات اوّل مخلوق ہیں ان کے اشباح و صُور اس تخلیقی جزو سے ہیں جو زیرِ عرش تھا۔ یہ طینت کا ترجمہ

ہم نے تخلیقی جزو کتاب مجمع البحرین سے کیا ہے۔ یعنی طینت اس جزو کو کہتے ہیں کہ جس سے اعانت لی جائے۔ لہٰذا مطلب یہ ہُوا کہ یہ حضرات اُس عالم نور میں جن صورتوں کے ساتھ ظاہر ہُوئے وُہ زمین کی مٹی سے نہیں بنی تھیں بلکہ ان کا قوام اُس جزو سے تھا جو زیرِ عرش تھا۔ جس چیز سے کسی شے کا قوام ہوتا ہے اس کو عربی زبان میں 'مادہ' بھی کہتے ہیں۔ خواہ لطیف ہو یا کثیف۔ مگر ہم نے لفظ 'مادہ' لکھنے سے اس لئے اجتناب کیا کہ عوام اس لفظ کو کثیف جزو نہ سمجھ لیں جیسا کہ مؤلف صاحب نے اپنے "قشری" علم سے لطیف نورانی کو مادہ کا نقیض سمجھا ہے۔ چنانچہ وُہ اصول الشریعہ ص۵۲ میں کتاب کاشف الحقائق کا جواب لکھتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

"اس شبہ کا مختصر مگر تحقیقی جواب اس صاحب کی علمی لغزشوں سے قطع نظر کرتے ہُوئے کہ نطفہ کو مادہ تسلیم کرکے پھر نورانی قرار دیا ہے جو کہ صریح تناقض ہے اور نور کے معنی نہ سمجھنے پر مبنی ہے"

مولف صاحب لفظ مادہ کے معنی ہی نہیں سمجھے۔ مادہ کا اشتقاق مدد سے ہے اور اسی لئے ہر وہ چیز جس سے مدد لی جائے وُہ مادہ ہے اسی لئے کسی شے کے وجود میں جس سے مدد لی جائے گی وُہ اس کا مادہ ہوگا۔ اگر وجود نورانی میں کسی شے سے مدد لی جائے گی تو وُہ مادہ نورانی کہلائے گا۔ اگر وجود جسمانی میں سے کسی شے سے مدد لی جائے گی تو وہ مُجسمانی کہلائے گا۔ نور اور مادہ میں تناقض نہیں ہے بلکہ مادہ اس شے کے لئے وضع کیا گیا ہے جس سے کسی شے کے لئے مدد لی جائے اور اس کے وجود میں یہ ممد ہو۔ لہٰذا مادہ رُوحانی بھی ہوتا ہے اور جسمانی بھی۔ نورانی بھی ہوتا ہے اور ظلماتی بھی۔ مگر مولف صاحب لفظ مادہ کا کو نہیں سمجھے اور صاحب کاشف الحقائق پر اپنی علمی لغزشوں کی وجہ سے الزام لگا رہے ہیں۔ ہم نے جس حدیث کو پیش کیا ہے اس میں "طینت" کا لفظ ہے یعنی جس جزو سے ان کے اشباح وصُوَر کی تخلیق ہوئی ہے وُہ جزو تحت العرش کا ہے یہ بھی اشباح وصُوَر کے لئے مادہ ہی کہلائے گا یعنی طینت وہ مادہ اس شے کو کہتے ہیں کہ جس سے وجود شے کے لئے مدد لی جائے۔

اسی لئے سرکار علامہ مجلسیؒ نے اس حدیث کی شرح میں لفظ طینت کا مقصد لفظ مادہ سے ظاہر کیا ہے حضرت صادق آلِ محمدؐ کی حدیث مبارک مذکورہ کا دُوسرا فقرہ "عین اللہ" ہے یعنی خُدا نے ان ذوات مقدسہ کو اپنی عین یعنی آنکھ بنایا ہے اور آنکھ اشیاء کو دیکھتی ہے یعنی ہماری آنکھ ہمارے جسم کا ایک جزو ہے جس سے ہم دیکھنے کا کام لیتے ہیں۔ خُداوندِ عالم جسم وجسمانیت سے منزّہ ہے وُہ ہر چیز کو جانتا ہے۔ اور جن کو آنکھ دیکھتی ہے یعنی مبصرات کو بھی جانتا ہے۔ اسی لئے "بصیر" کا لفظ اس کے لئے استعمال ہوتا ہے یہ حضرات چونکہ "عین اللہ" ہیں لہٰذا کوئی شے ان حضرات سے پوشیدہ نہیں ہے۔ اگر ان سے کوئی چیز پوشیدہ ہوگی تو یہ نقص "عین اللہ" میں ثابت ہوگا۔ اسی لئے ان حضرات نے فرمایا ہے کہ ہم سے دنیا کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔ اور دُنیا میں قوت باصرہ کے درجات ہیں لہٰذا عالم ممکنات میں جس کی بھی سب سے زیادہ قوت باصرہ ہوگی اس کا مقابلہ ان حضرات کی قوت بصر سے نہیں ہو سکتا کیونکہ ان حضرات

کو خداوند عالم نے اپنی آنکھ فرمایا ہے لہٰذا ان کے لئے شش جہات یکساں ہوں گے۔ یہ جس طرح آگے دیکھتے ہیں اسی طرح پیچھے بھی دیکھتے ہیں جیساکہ احادیث کثیرہ سے ثابت ہے بلکہ یہ جس کو چاہتے ہیں پردے ہٹا کر دکھاتے ہیں بلکہ جنت بھی دکھا دیتے ہیں جس طرح امام حسین علیہ السلام نے اپنے اصحاب کو جنت دکھائی، بہتی ہوئی نہریں اور باغات کا نظارہ کرایا یعنی ان میں یہ بھی اقتدار ہے کہ دوسروں کے لئے غیب کی چیزیں عالم شہود میں کر دیتے ہیں۔

حضرت صادق آل محمدؐ کی حدیث کا تیسرا فقرہ "لسانہ الناطق" ہے۔ یعنی یہ حضرات خدا کی لسان ناطق ہیں۔ یعنی خداوند عالم خود کلام نہیں کرتا وہ اجل وارفع ہے اس سے کہ الفاظ و اصوات کا اس کی ذات سے تعلق ہو۔ لہٰذا اس کے ارادے اور مشیت کا اظہار ان ہی ذوات مقدسہ سے ہوتا ہے لہٰذا یہی خدا کی لسان ہیں۔ وہ ارادہ کرتا ہے اور "کُن" یہ کہتے ہیں۔ اگر کُن کلام لفظی ہے تو ان ہی کی ذات مقدسہ سے وابستہ ہے۔ رہا کلام نفسی، اس کا وجود خیالی ہے حقیقت کچھ نہیں ہے۔ جیساکہ کتب کلامیہ میں مرقوم ہے۔ لہٰذا خدا اپنے ارادۂ مقدرات کا اجراء ان ہی حضرات کے ذریعہ کرتا ہے جیساکہ سرکار علامہ مجلسیؒ نے اجرائے امر خدا کو تمام خلائق کے لئے ان ہی کی ذوات مقدسہ سے وابستہ قرار دیا ہے جیساکہ ہم پہلے تحریر کر چکے ہیں۔ اس کا واضح ثبوت حضرت صادق آل محمد علیہم السلام کے اس فقرہ سے ملتا ہے "و یدہ المبسوطۃ علیٰ عبادہٖ" ہمیں خداوند عالم نے ید اللہ بنایا ہے۔ یعنی خداوند عالم اجل وارفع ہے اس سے کہ وہ اپنے ہاتھوں سے کوئی چیز بنائے۔ وہ اعضاء و جوارح سے مبرا ہے وہ اعضاء و جوارح کا خالق ہے وہ خود متلبس بالفعل نہیں ہوتا۔ بلکہ ارادہ کرتا ہے اور اس کے بنائے ہوئے علل و اسباب متحرک ہو جاتے ہیں اور فعل وجود میں آجاتا ہے۔ یعنی یہ حضرات خداوند عالم کا ایسا ہاتھ ہیں جو تمام عباد پر حاوی ہے۔

خمیر طینتِ آدمؑ بذاتِ خود خدا کا فعل نہیں

خداوند عالم آدم کی تخلیق کے لئے نہ خود قسم قسم کی مٹی لایا ہے اور نہ قسم قسم کا پانی اور نہ ان دونوں کو ملا کر آٹے کی طرح خمیر کیا ہے، نہ اس نے پھونکیں ماری ہیں۔ یہ سب کام بذریعہ علل و اسباب کرتا ہے۔ یعنی پانی اور مٹی لانے والے اور دونوں کو ملا کر خمیر کرنے والے اور مجسمہ تیار کرنے والے اور حضرات ہیں۔ جن کا فعل خدا کا فعل کہلاتا ہے مگر یہ سب کچھ اس کے ارادہ سے ہوتا ہے اس لئے وہ اپنی ذات کی طرف نسبت دے کر فرماتا ہے "فاذا سویتہ و نفخت فیہ من روحی" یعنی اے فرشتو جب میں آدم کا جسد آب و گل کے خمیر سے تیار کر لوں اور روح پھونک دوں تو تم آدمؑ کے سامنے جھک جانا۔ کام اس کے اسناد کرتے ہیں مگر اپنی طرف نسبت دیتا ہے۔ اور پھر یہ بھی فرماتا ہے "لما خلقت بیدی"۔ یعنی آدمؑ کو میں نے اپنے دو ہاتھوں سے بنایا ہے۔ اب وہ دو ہاتھ کون ہیں جن کو خدا اپنے ہاتھ کہتا ہے۔ اگر وہ ید اللہ یہ کہہ دیں

کہ کام ہم نے کیا ہے اور اس کے ارادہ کے مطابق کیا ہے اور اس کے امر سے کیا ہے تو اس میں کونسا استبعاد عقلی ہے اور اس میں کونسا غلو ہے۔ کیونکہ خدا کے تمام امور علل و اسباب کے تحت انجام پاتے ہیں۔ روح ملک الموت نکالتا ہے جیسا کہ خود فرماتا ہے مگر خدا اس کی نسبت اپنی طرف دیتا ہے جیسا کہ خود فرماتا ہے۔ اور تیسری جگہ فرماتا ہے کہ میرے بے شمار فرشتے رُوح نکالتے ہیں اس کا مطلب حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے یہ فرمایا ہے کہ چُونکہ ارادۂ و امر خدا کا ہوتا ہے اس لئے اس نے اپنی طرف نسبت دی ہے اور اس کام کے لئے اس نے ملک الموت کو پیدا کیا ہے اور وُہ بامرِ خدا روح نکالتا ہے اس لئے اس کی طرف نسبت دی ہے۔ اور چونکہ ملک الموت کے ماتحت بے شمار فرشتے پیدا کئے ہیں جو ملک الموت کے حکم پر روح نکالتے ہیں اس لئے ان کی طرف بھی نسبت دی ہے لہٰذا تینوں نسبتیں صحیح ہیں۔ (احتجاج طبرسی ص ۱۲۶)

یعنی ممیت خدا بھی ہے ملک الموت بھی ہے اور دیگر ملائکہ بھی اور ارادۂ رب جمیع مقادیر امور میں محمد و آلِ محمد علیہم السلام پر نازل ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ بھی ممیت ہیں اور فرشتے ان کے خدام ہیں مشیت و ارادہ کا اظہار یہی حضرات کرتے ہیں۔ اور اسی طرح زندہ کرنا بھی ان کی طرف اسی طرح منسوب ہونے میں کوئی استبعاد نہیں ہے جس طرح حضرت عیسٰے علیہ السلام نے "احی الموتیٰ" کی نسبت اپنی طرف دی ہے کہ مَیں مُردے زندہ کرتا ہوں اور ان ذوات مقدسہ نے بھی مُردوں کو زندہ کیا ہے۔ آیندہ وُہ معجزات کے باب میں مفصل تحریر ہوگا کیونکہ یہ حضرات تمام کمالاتِ انبیاء کے حامل ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ۔ لہٰذا ان حضرات کا وظیفہ اظہار ارادۂ و مشیتِ رب اور اصدار مقدرات خدا ہے کیونکہ ان کا امر امرِ خدا ہے اور ان کے اس وظیفہ کے ماتحت احیاء و اماتت، رزق و خلق بلکہ تمام امور انجام پاتے ہیں جیسا کہ حضرت امیر المومنین کا ارشاد ہے:-

"فعلِ امناء اللہ فعلِ خدا ہے"

انما اراد بالخلق اظہار قدرتہ و ابداء سلطانہ و تبیلین براھین حکمہ فخلق ما شاء کما شاء و اجری فعل بعض الاشیاء علیٰ یدی من اصطفاہ من امنائہ وکان فعلھم فعلہ و امرھم امرہ کما قال ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔ (احتجاج ص ۱۲۶)

یعنی خداوند عالم نے صرف اپنے اظہارِ قدرت و اعلانِ سلطنت اور بیان براہین حکمت کے لئے خلائق کے پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا ہے۔ پس اس نے جو چاہا خلق فرمایا اور چونکہ وُہ بذات خود یہ افعال انجام نہیں دیتا جیسا کہ ابھی ہم تحریر کریں گے اس لئے) اس نے بعض اشیاء کے کام کا اجراء اپنے منتخب امناء کے ہاتھوں فرمایا ہے اور ان حضرات کا امر درحقیقت خدا ہی کا امر ہے جیسا کہ اس بے نیاز نے خود فرمایا ہے کہ جو شخص میرے رسُول

کی اطاعت کرے گا اُس نے در حقیقت میری اطاعت کر لی"۔ (احتجاج)

قال امیر المؤمنین علیہ السلام فھو تبارک وتعالیٰ اجل واعظم من ان یتولی ذلک بنفسہ و فعل رسلہ وملائکتہ فعلہ لانھم بامرہ یعملون۔ (احتجاج طبرسی ص ۱۲۷)

حضرت مولائے کائنات امیر المؤمنین علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ:۔

"خداوند عالم کی ذات اجل و ارفع ہے اس سے کہ وُہ یہ کام بذاتِ خود انجام دے اس کے فرستادوں اور اس کے ملائکہ کا فعل در حقیقت خدا ہی کا فعل ہے کیونکہ یہ حضرات اس کے امر کے مطابق ہی عمل کرتے ہیں"۔

حضرت امام رضا علیہ السلام کا ارشاد گرامی

قال (الزندیق) فمن این اثبت انبیاء ورسلا قال علیہ السلام انا اذا اثبتنا ان لنا خالقا صانعا متعالیا عنا وعن جمیع ما خلق وکان ذالک الصانع حکیما لم یجز ان یشاھدہ خلقہ ولا ان یلامسوہ ولا ان یباشرھم ویباشروہ ویحاجھم ویحاجوہ ثبت ان لہ سفراء فی خلقہ وعبادہ۔ (احتجاج طبرسی ص ۱۷۳)

حضرت امام رضا علیہ السلام نے وجودِ صانع عالم زندیق کے سامنے ثابت کر دیا تو اس زندیق نے کہا کہ انبیاء و رُسل کا وجود آپ کس طرح ثابت کرتے ہیں تو جناب امام رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ جب ہم نے یہ ثابت کر دیا کہ ہمارا خالق و صانع ہے اور وُہ ہم سے اور تمام مخلوقات سے جدا اور بلند ہے اور حکیم ہے اور خلق کے لئے ناممکن ہے کہ اس کا مشاہدہ کریں اور ناممکن ہے کہ اُس کے ہاتھوں سے مس کریں اور ناممکن ہے کہ اس سے ملیں جلیں مصاحبت کریں اور نہ وُہ خود ان سے مل سکتا ہے اور مصاحبت کر سکتا ہے اور نہ یہ ممکن ہے کہ وُہ خود اُن سے ثبوت و دلیل کی گفتگو کرے۔ اور یہ اُس سے دلیل و ثبوت کی گفتگو کریں۔ اس لئے ثابت ہو گیا کہ اس نے اپنے اور مخلوقات کے درمیان سفراء مقرر فرمائے ہیں"۔

اس ارشاد معصوم سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ خدا بذاتِ خود ہم سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ اس کے امور کی انجام دہی اس کے سفیروں کے ذریعہ ہوتی ہے۔

حضرت صادق آلِ محمد ص کا ارشاد گرامی:۔

اما قول الواصفین انہ ینزل تبارک وتعالیٰ عن ذالک فانما یقول ذلک من

ينسبه الى نقص وزيادة وكل متحرك محتاج الى من يحركه او يتحرك به
فمن ظن بالله الظنون فقد هلك فاحذروا فى صفاته من تقفوا على
حد تحدونه بنقص او زيادة او تحرك او تحريك او زوال او استنزال او
نهوض او قعود فان الله جل وعز عن صفت الواصفين ونعت الناعتين
وتوهم المتوهمين ۔ (احتجاج طبرسی ص۱۹۵)

حضرت صادق آل محمد علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جو لوگ خدائے بزرگ و برتر و منزّہ از عیب کو نزول کے ساتھ ذکر کرتے ہیں کہ خدا اترتا ہے، یہ بات وہ کہہ سکتا ہے جو اس کی ذات کی طرف کمی اور زیادتی کی نسبت دے۔ یاد رکھو کہ ہر متحرک محتاج ہے حرکت دینے والے کا یا جس کے ساتھ حرکت کرے اُس کا۔ جو ایسے گمان کرے گا وہ ہلاک ہو گا۔ خدا کی صفات کے متعلق اس بات سے ڈرو کہ تم اس کے لئے حد بندی کرو کمی یا زیادتی کے لفظوں سے۔ یا اس کے لئے خود حرکت کرنا یا دوسرے کا اس کو حرکت دینا یا ایک جگہ سے خود ہٹنا یا اس کو اتارنا یا اُس کا اٹھنا یا بیٹھنا وغیرہ سے متصف کرنے سے ڈرو وہ وہم و خیال سے بلند ہے۔

جنابِ رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی

قال رسول الله صلے الله عليه وآله وسلم فان هذا من المحال الذى لا
لاخفاء به وان ربنا عزوجل ليس كالمخلوقين يجئ ويذهب ويتحرك
ويقابل شيئا حتى يوتى به ۔ (احتجاج ص۳۴)

ایک سائل کے جواب میں فرمایا جس نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا تھا کہ خدا ہمارے سامنے آجائے کہ ہم اس سے دو بدو روبرو گفتگو کریں، آنحضرتؐ نے فرمایا کہ یہ بات تو ظاہر بظاہر محال ہے۔ ہمارا رب اجل وارفع ہے۔ وہ مخلوق کی طرح نہیں ہے کہ آئے اور جائے اور حرکت کرے اور سامنے آجائے کہ اس کو لایا جائے۔

اس حدیثِ رسول کریم صلعم سے بھی ثابت ہو گیا کہ خدا بذاتِ خود اپنے تمام امور انجام نہیں دیتا۔ اس کے لئے محال ہے کہ وہ خود حرکت کرے۔ اس لئے اس نے اپنے سفراء پیدا کئے ہیں۔ ورنہ انبیاء و مرسلین اور ملائکہ مقربین اور آئمہ طاہرینؑ کے پیدا کرنے کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔ لہٰذا ان تمام احادیث معصومین سے ثابت ہوا کہ خدا کے امناء یہ کام کرتے ہیں صادق آلِ محمد علیہ السّلام فرماتے ہیں کہ ہم وجہ اللہ ہیں۔ ہمارے ہی ذریعہ سے خدا تک پہنچا جاتا ہے۔ اس صفت وجہ اللہ کی تشریح پیشتر گزر چکی ہے۔

اس کے بعد حضرت نے فرمایا ہے کہ ہم باب اللہ ہیں اور اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح دروازہ ایک درمیانی چیز ہے کہ اس کے ذریعہ مکان میں داخل ہوا جاتا ہے اور اسی کے ذریعہ اندر کی چیزیں باہر آتی ہیں اسی طرح ہم خالق و مخلوق کے درمیان ہیں۔ اس کے امور ہم تک پہنچتے ہیں اور پھر اس کے بعد خلق تک پہنچتے ہیں۔

مؤلف کا اقرار کہ "محمدؐ و آلِ محمد علیہم السلام جداگانہ نوع ہیں"

"ان تمام خطابات و القاب سے ثابت ہے کہ یہ حضرات خدا اور خلائق کے درمیان ایک تیسری حیثیت رکھتے ہیں نہ یہ حضرات خالق جیسے ہیں اور نہ مخلوق جیسے اس لئے تو درمیانی مخلوق ہیں اور ایک جنبہ ان کا خدا کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور دوسرا مخلوق کے ساتھ۔ لہٰذا یہ حضرات تمام خلائق خدا سے جداگانہ نوع ہیں۔ چنانچہ مولف صاحب سے خدائے قہار نے یہ تحریر لکھوالی ہے جس کو یہ خود نہیں سمجھ سکتے اس لئے قہری طور پر لکھ گئے اور یہ حق کا اعجاز ہے :۔ (ملاحظہ ہو اصول الشریعہ ص۹۱)

"چنانچہ صاحب مقدمہ تفسیر مرآۃ الانوار و مشکوٰۃ الاسرار ان ہی دونوں جنبوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

من الجهة الروحانية التى بسببها كانوا قابلين للفيوضات التى اختصت بهم وبها صاروا وسائط الاستفادة من طرف الله كما انهم من جهة البشرية كانوا وسائط ايصال احكام الله وغيرها الى الخلق ص۳۰

یہ بزرگوار روحانی جہت کی وجہ سے فیوضات مخصوصہ اور وسیلہ بننے کے قابل ہوتے ہیں اور بشریت والے جنبہ کی وجہ سے اللہ کے احکام لوگوں تک پہنچاتے ہیں۔" (اصول الشریعہ ص۹۱)

مولف صاحب نے عربی عبارت کا ترجمہ غلط کر کے عوام کو دھوکا دیا ہے مگر پھر بھی دو جنبوں کا اقرار دبی زبان سے ثابت ہے ایک جنبۂ روحانی اور دوسرا جنبۂ بشری؛ اور ان دونوں کا مجموعہ حجت اللہ۔ لہٰذا ہماری اور ان کی نوع جداگانہ ہوئی۔ صرف ان میں بشریت ہی نہیں ہے کہ آپ کی نوع بن سکیں بلکہ ایک دوسرا کمال روحانی بھی ہے جس کے ذریعہ خدا سے فیوض حاصل کرنے کے قابل بنتے ہیں۔ اگر وہ جنبہ نہ ہوتا تو فیوض حاصل نہ کر سکتے۔ اس جنبہ کو ہم فصل ممیز کہتے ہیں کہ جس کے ذریعہ فیوض الٰہی بذات خود حاصل کرنے کے قابل ہیں۔ ورنہ مؤلف صاحب بھی ان فیوض الٰہی سے نوازے جاتے۔ لہٰذا بشریت کے علاوہ یہ دوسرا جنبہ ہے جو عطیۂ الٰہی ہے اور اسی جنبہ کی حقیقت کا ادراک عقولِ خلائق کے حدود سے خارج ہے۔ اب ترجمہ کی غلطیاں اور فریب دہی ملاحظہ فرمائیے :۔

مؤلف کی بددیانتی کا بیّن ثبوت ملاحظہ فرمائیں:

"یہ بزرگوار رُوحانی جہت کی وجہ سے فیوضات مخصوصہ اور وسیلہ بننے کے قابل ہوتے ہیں اور بشریت والے جنبہ کی وجہ سے اللہ کے احکام لوگوں تک پہنچاتے ہیں"۔ (اصول الشریعہ ص۹۱)

یہ ترجمہ قطعاً غلط ہے اور مولف کی علمی لغزشوں کا بیّن ثبوت ہے۔ پہلے ہم اس کا صحیح مطلب خیز ترجمہ کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیے:۔

(اور یہ حضرات جنبہ رُوحانی کے سبب سے ان فیوضات کے قابل ہیں جو ان ذوات مقدسہ کے ساتھ مخصوص ہیں اور اسی جنبۂ روحانی ہی کی وجہ سے اپنی طرح مخلوقات کے لئے بھی خدا سے فائدہ حاصل کرنے میں مخلوقات کے لئے وسیلے ہیں جس طرح جنبۂ بشریت کے سبب سے خدا کے احکام اور غیر احکام مخلوقات تک پہنچانے میں خدا کے لئے وسیلے ہیں)

صاحب کتاب نے اس رُوحانی جنبہ کے دو اثر بتائے ہیں۔ پہلا اثر تو یہ ہے کہ یہ حضرات خود اپنی ذوات مقدسہ کے لئے خدا سے فیوضات حاصل کرنے کے اہل ہوتے ہیں۔

اور دُوسرا اثر یہ بتایا ہے کہ یہ حضرات دو حیثیت سے وسیلے ہیں۔ ایک حیثیت وسیلہ مخلوقات کے لئے ہے اور دوسری حیثیت وسیلہ خود خدا کے لئے ہے۔

مخلوقات کے لئے وسیلہ کی حیثیت یہ ہے کہ وُہ خود براہِ راست خدا سے استفادہ نہیں کرسکتے تھے لہٰذا یہ حضرات مخلوقات کے لئے خدا سے فائدہ حاصل کرنے میں مخلوقات کے لئے وسیلے ہیں۔

اور خدا کے لئے وسیلے کی حیثیت یہ ہے کہ وُہ خود براہِ راست اپنے احکام وغیرہ مخلوقات تک نہیں پہنچا سکتا تھا' لہٰذا یہ حضرات مخلوقات تک احکام وغیرہ پہنچانے میں خدا کے لئے وسیلے ہیں۔

اس بیان کا مطلب یہ ہے کہ یہ حضرات عالمِ ظہور میں دو جنبوں سے مرکب ہیں ایک جنبہ روحانی اور دُوسرا جنبہ بشریت۔ جنبۂ روحانی کے آثار جداگانہ ہیں اور جنبۂ بشریت کے آثار جداگانہ۔

ہمارے ساتھ ان کی شرکت صرف جنبۂ بشریت میں ہے جس کی وجہ سے وُہ ہمیں احکامِ خداوندی پہنچاتے ہیں خدا کے وسیلے بن کر۔ اور جنبۂ رُوحانی کی وجہ سے یہ حضرات ہم سے ممتاز ہیں۔ اور اسی جنبہ کے آثار یہ ہیں کہ وُہ اپنے لئے بھی فیوضات حاصل کرتے ہیں اور ہمارے لئے بھی ہمارے وسیلے بن کر۔

لہٰذا جنبۂ رُوحانی کے آثار کا کوئی مبدأ ضرور ہے اور وُہ جوہرِ ذاتی ہی ہوسکتا ہے ورنہ تسلسل لازم آئے گا اور وُہ باطل ہے۔ لہٰذا یہ جوہرِ ذاتی ان کی فصل ممیز ہے اور بشریت ان کی جنس ہے اور دونوں سے مل کر ان کی نوع جداگانہ ہے۔

دوسری غلطی اس ترجمہ میں یہ کی ہے کہ "احکام اللہ وغیرھا" میں لفظ "غیرھا" کا ترجمہ کھا گئے

ہیں کیونکہ "احکام" سے مراد شرعی امور ہیں اور "غیرھا" سے مراد تخلیقی امور ہیں جیسے معجزات و خوارق عادات جن کے اظہار کے لئے بھی یہ خدا کے وسیلے ہیں۔ اس لئے "وغیرھا" کا ترجمہ ہی ہضم کر گئے کیونکہ اگر اس کا ترجمہ ہوتا، تو ناظر کو یہ سوچنے پر مجبور کرتا کہ وہ دو قسمیں کیا ہیں جن کے لئے ان حضرات کو وسائط بنایا گیا ہے۔ ایک تو احکام ہو گئے، دوسرے امور کیا ہیں جن کا پہنچانا بھی ان ہی کا وظیفہ ہے۔ اس لئے امور تخلیقی کو ہضم کر گئے اور غیرھا کا ترجمہ کھا گئے۔ پھر اس کے بعد صاحب کتاب نے ان امور کو پہنچانے کے لئے موصل الیہم کا ذکر کیا ہے یعنی خدا کے امور جن کو پہنچاتے ہیں وہ کون ہیں۔

اس کے لئے صاحب کتاب نے لفظ "خلق" استعمال فرمایا ہے۔ یعنی مخلوقاتِ خدا۔ مگر مولف صاحب نے اس کا ترجمہ "لوگوں" کیا ہے تاکہ عوام کو گمراہ کیا جائے کہ ان حضرات کا تعلق صرف انسانوں ہی سے ہے۔ حالانکہ ان کا تعلق تمام خلائق کے ساتھ ہے۔ مگر عوام کو دھوکا دیا گیا ہے کہ نبی و امام صرف ہم لوگوں کے ہی لئے بنائے گئے ہیں دیگر خلائق سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے تاکہ ان حضرات کے تصرفات فی الخلق کا انکار ہو جائے اور بس۔ اتنا ثابت ہو کہ یہ حضرات سوائے شریعت پہنچانے کے اور کوئی کام نہیں کر سکتے حالانکہ خدا کے امور خلق بھی ان ہی حضرات کے واسطے سے انجام پذیر ہوتے ہیں جیسا کہ ہم کچھ تحریر کر چکے ہیں اور کچھ آئندہ تحریر کریں گے۔

یہ ہے مولف کی تحقیقات کا ادنیٰ کرشمہ کہ اہلبیت طاہرین علیہم السلام کو امور تخلیق سے بالکل الگ تھلگ کر دیا ہے جس سے معجزات کا انکار بھی لازم آتا ہے اور اپنے جیسا بشر بنا کر اپنی نوع کے افراد کاملہ کا درجہ دینے کا موقعہ ملتا ہے۔ یعنی یہ حضرات اعلم العلماء الاعلام کے حدود میں رہیں اور بس تاکہ یہ حضرات اعلم ہوں اور مولف علمائے اعلام۔ یہ بددیانتی ہرگز قابل معافی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ یہ خیانت فضیلتِ اہلبیت کے باب میں کی گئی ہے اور ان حضرات مقدسہ کو ایک بڑے مولوی کا درجہ دیا گیا ہے۔ اب آپ سمجھے کہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے ناصبیوں کی شناخت کس طرح کرائی ہے کہ یہ لوگ ہمارے ذواتِ مقدسہ میں عیب نکالیں گے اور پھر بڑھا چڑھا کر بیان کریں گے جیسا کہ مولف صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک وقت میں معاذ اللہ یہی حضرات جاہل تھے اور اپنی کنیز کا بھی پتہ نہیں دے سکتے تھے کہ کس گھر میں چھپی ہوئی ہے۔ اور ان حضرات کو تو بھول چوک بھی ہوتی تھی۔ اور خدا تو اتنا قادر ہے کہ وہ ایک پتھر سے بھی یہ کام لے سکتا ہے۔

ذرا بتائیے کہ پتھر اگر مُردے زندہ کرنے لگے اور اندھوں کے مُنہ پہ ہاتھ پھیر کر آنکھیں دینے لگے تو وہ پتھر تو نہیں کہلا سکتا اُس کو تو پھر مثل عیسٰے تسلیم کرنا پڑے گا۔ اور چونکہ اس نے معجزات دکھا کر مولف سے اپنی عظمت اور خدا کی بارگاہ میں اپنی محبوبیت ثابت کر دی ہے لہٰذا اس کا اتباع کرنا پڑے گا۔ جس گندگی پر وہ بیٹھے مولف کو بھی اس کی سیرت پر چلنا پڑے گا اور اگر وہ لوگوں کا خون چوسے تو مولف کو تو پہلے ہی عادت

ہے۔ مگر اب مچھر کی طرح ہٹانے اور دھتکارنے پر بھی خون چوسنے کی سیرت پر عمل کرنا پڑے گا اور مچھر کی طرح چھوٹے بڑے گدھے گھوڑے میں تمیز نہیں کرنی پڑے گی اور نبی و اُمت سب کو ایک ہی نوع میں تسلیم کرنا پڑے گا۔

خدا کے بندہ اگر آپ کو خدا کی قدرتِ کاملہ ہی دکھانی ہے تو خود ان ذواتِ مقدسہ کے کمالات کو پیش کر کے ان ذوات مطہرہ کے خالق کی عظمت و جلالت اور قدرتِ کاملہ کو پیش نہیں کر سکتے تھے اور دُنیا کے سامنے یہ فخریہ بیان نہیں کر سکتے تھے کہ جب یہ مخلوق اس شان کے ہیں تو ان کا خالق کس شان کا ہوگا۔ مگر چونکہ توہین و تحقیر اہلبیت کا ایک یہی پہلو نکل سکتا تھا کہ ان کو خدا کے مقابلہ میں لاکر ناقص و حقیر و محتاج بناؤ اس لئے بہانہ یہ کیا کہ ہم تو خدا کی قدرت کاملہ کو بتا رہے ہیں کہ آئمہ طاہرین تو بڑی چیز ہیں وہ تو ایک مچھر سے بھی یہ کام لے سکتا ہے۔

خدا کے بندہ یہ بھی تو بتایئے کہ کبھی خدا نے آئمہ طاہرین والے کام کسی مچھر سے آج تک لئے ہیں؟ اور اگر مچھر سے کارِ ہدایت لے تو پھر مچھر بھی تو آپ ہی کی نوع کا فردِ کامل ہوگا۔ پھر یہ مچھر مچھر تو نہیں رہے گا آپ جیسا بشر ہوگا ورنہ آپ کا ہادی نہیں ہو سکتا۔

کیا آپ کے اس امکانِ عقلی کے اصول پر آپ کے لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آپ کو بندر بنا کر مدرسہ میں لڑکوں کو پڑھانے کا کام سپرد کر دے تو کیا خدا یہ کام نہیں کر سکتا۔ کیا خدا کی قدرت کاملہ کے اظہار کا یہ طریقہ آپ کو پسند آئے گا۔ خدارا شرم کرو شرم کرو شرم کرو۔ اہلبیت طاہرین کی توہین کے یہ طریقے ترک کر دو۔ اس کے بعد صادق آل محمد علیہ السلام نے فرمایا ہے وخزانہ فی سمائہ وارضہ۔ ہم خدا کے خزینہ دار ہیں اُس کے آسمانوں اور اس کی زمین میں۔

ہم پہلے خدا کے خزائن و آسمان کا ذکر کرتے ہیں کہ وہ کیا ہیں۔ صاحب مجمع البحرین تحریر فرماتے ہیں:۔

خزائن السمٰوٰت والارض ماخزن اللہ فیہما من الارزاق ومعائش العباد

یعنی آسمان و زمین کے خزانوں کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ خدا نے ان دونوں میں پوشیدہ طور پر جمع کر دیا ہے وہ سب خدا کے خزانے ہیں اور وہ خدا کے ارزاق اور بندگان کی معیشتیں ہیں۔"

یعنی خداوند عالم نے زمین و آسمان میں جو کچھ رزق پیدا کیا ہے اور اپنے بندوں کی معاش کا انتظام فرمایا ہے وہ سب خدا کے خزانے ہیں اور محمدؐ و آلِ محمدؐ علیہم السلام اُن کے خزینہ دار ہیں۔ یعنی جو کچھ خزانوں سے نکلتا ہے وہ حسب ارادۂ خدا یہ ذوات مقدسہ ہی نکالتے ہیں۔ کیونکہ یہ حضرات محل مشیت خدا ہیں۔ امر اس کا ہوتا ہے اور رزق یہ تقسیم کرتے ہیں۔ لہٰذا رزق کی نسبت دونوں طرف ہے۔ خدا کا امر ہوتا ہے اس لئے وہ رازق ہے اور محمدؐ و آلِ محمدؐ علیہم السلام اس کی مشیت کے مطابق عطا کرتے ہیں لہٰذا یہ رازق ہیں۔ اور امام رضا علیہ السلام نے تفصیلی طور پر مشترک لفظ کو مختلف معنی کے لحاظ سے خالق و مخلوق دونوں میں استعمال کرنے کی اجازت دی ہے اور غلو سے بچنے کا یہی طریقہ تعلیم فرمایا ہے۔ لہٰذا ان کو رازق کہنا غلو نہیں ہے۔ خدا خیر الرازقین ہے اور یہ صرف

رازق۔ اس کے بعد حضرت صادق آل محمد علیہ السلام کے یہ فقرات ہیں:۔
جب حضرت نے زمین و آسمان کے خزانوں یعنی رزق و معیشت کا ذکر فرمایا اور اس کی تقسیم و خزینہ داری بیان فرمادی تو آپ نے اب ان ارزاق و معائش کا ذکر فرمایا ہے جو آسمان و زمین میں ہیں۔
بنا اثمرت الاشجار واینعت الثمار وجرت الانھار وبنا ینزل غیث السمآ وینبت عشب الارض۔
یعنی ارادۂ رب کے مطابق ہمارے سبب سے درخت پھل دیتے ہیں اور ثمر پختہ ہوتے ہیں اور نہریں جاری ہوتی ہیں اور ہمارے ہی سبب سے آسمان سے بارش ہوتی ہے اور زمین سے سبزہ اُگتا ہے۔ یہ چیزیں تو معمولاً ہیں ہی وُہ تو سبب خلقت عالم ہیں۔ مگر چونکہ خزینہ دار آسمان و زمین بھی ہیں اس لئے زمین و آسمان کے ارزاق و معائش کا ذکر فرمایا ہے جو پہلے فقرہ "خزانہ" کی تفصیل و تشریح ہے۔ حضرت صادق آلِ محمد علیہ السلام نے آخر میں ان سب صفات و کمالات کا مکمل ثبوت عطا فرمایا ہے:۔
وبعبادتنا عبد اللہ ولولا نحن ما عبد اللہ
یعنی ہماری ہی عبادت کے سبب سے خدا کی عبادت ظہور میں آئی اور اگر ہم نہ ہوتے تو خدا کی عبادت ہی نہ ہوتی"۔
اس فقرہ نے بتادیا کہ ہم ہی سب سے پہلے پیدا کئے گئے اور ہماری عبادتوں کے ذریعہ دیگر خلائق نے خدا کی عبادت سیکھی۔ اگر ہم نہ ہوتے تو خدا کی عبادت کا وجود نہ ہوتا۔ اور چونکہ خدا نے تمام خلائق کو عبادت کیلئے پیدا کیا ہے اور ہر ایک کو عبادتِ خدا کا حکم دیا گیا ہے اور طریقۂ تعمیل امر خدا کا ذریعہ ہم ہیں خواہ وُہ امر خدا شریعت سے متعلق ہو یا تخلیق سے ہر ایک امر کی تعمیل ہی عبادتِ خدا ہے۔ اور جمیع اشیاء کے امور کا اجراء خدا نے ہم سے متعلق کیا ہے۔
اس کی تائید و تصدیق سرکار علامہ مجلسی علیہ الرحمہ بھی فرما چکے ہیں جیسا کہ ہم گزشتہ اوراق میں تحریر کرچکے ہیں کہ تمام کائنات پر ان ذوات مقدسہ کی اطاعت واجب و لازم قرار دی۔
مولف صاحب ہمارے ان مضامین کو حیرت کی نگاہ سے دیکھیں گے کیونکہ ان کی نظر نوع بشری کی حدوں میں محدود ہے اس لئے انہیں یہ مضامین ان کی معین کردہ حد سے متجاوز معلوم ہوتے ہیں اور وُہ فوراً غلو کا فتویٰ صادر فرمادیتے ہیں۔ جب تک ان کی نظر حد بندیوں کی زنجیروں سے نہیں نکلے گی اس وقت تک ہمارے مضامین ان کے قلوب پر بار گراں ہوں گے۔ لیکن جو کچھ بیان کیا ہے یہ تو ہمارے علوم کی حد ہے حضرات محمدؐ و آل محمد علیہم السلام کے مراتب عالیہ کے حدود تک ہم پھر بھی نہیں پہنچ سکتے۔ اور ہم کیا عقلاً

حیران ہیں، حکماء سرگردان ہیں، علماء سربگریبان ہیں کہ ان ذواتِ مقدسہ کے فضائل و مراتب کی ایک شان اور ایک وصف کو بھی بیان کر سکیں جس کو مؤلف صاحب خود ہی تسلیم کر چکے ہیں اور امام رضا علیہ السلام کے خطبہ کو ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر اور اُبلتا ہوا چشمہ بتا چکے ہیں۔ مگر پرنالہ وہیں رہے گا یعنی نوع بشر ہی میں داخل رہیں گے خواہ اُن پر کچھ ہی گزر جائے اپنی اکڑ نہیں جائے گی یہی وہ تکبر ہے جس نے بڑوں بڑوں کو ذلیل و خوار کر دیا ہے۔ (تکبر عزازیل را خوار کرد)

حدیث امام زین العابدین علیہ السلام

عن ابی حمزة الثمالی قال سمعت علی بن الحسین علیہما السلام یقول ان اللہ خلق محمداً و علیاً و الطیبین من نور عظمتہ و اقامھم اشباحا قبل المخلوقات ثم قال اظن ان اللہ لم یخلق خلقا سواکم بلیٰ واللہ لقد خلق اللہ الف الف آدم و الف الف عالم و انت واللہ فی آخر تلک العالم۔

(بحار الانوار جلد ۷، ص ۲۵۶)

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ بالتحقیق خداوند عالم نے حضرت محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم اور جناب علی مرتضےٰ علیہ السلام اور حضرات طیبین علیہم السلام کو پیدا کیا ہے اپنی عظمت کے نور سے یعنی جس سے عظمتِ خدا ظاہر ہوتی ہے۔ اور ان کو خاص صورتوں میں قائم رکھا اور ان کی خلقت مخلوقات سے پہلے فرمائی۔ پھر حضرت نے فرمایا کہ کیا تمہارا یہ گمان ہے کہ خداوند عالم نے تمہارے سوا کوئی اور کوئی مخلوقات پیدا نہیں کی ہے؟ ہاں خدا کی قسم! خداوندِ عالم نے ہزار در ہزار آدم اور ہزار در ہزار عالم پیدا کئے ہیں اور تم خدا کی قسم اس عالم کے آخر میں ہو۔"

اس ارشاد امام علیہ السلام سے بھی ثابت ہوا کہ ان ذواتِ مقدسہ کی خلقت تمام خلائق سے پہلے ہے اور ان کا وجود اوّلی فنا نہیں ہوا ہے اور وہی وجود حقیقی اوّلی بشریت کی شکل میں ظاہر ہوا ہے۔ لہٰذا یہ حضرات شکل بشر میں جداگانہ نوع ہیں۔ صرف بشر نہیں ہیں بلکہ شکل بشر میں ہیں۔ بشریت ان کی جنس ہے اور فصل وہی کمالِ وجودی ہے جس کے ادراک سے عقول حیران ہیں اور یہی کمال مؤلف کے لئے لا ینحل مسئلہ ہے، جس کو یہ نہیں سمجھ سکے، اور اپنی ناسمجھی سے ان ذوات مقدسہ کو اپنی نوع میں داخل کرنے کے درپے ہیں اور اسی غلط عقیدہ کو مومنین کرام پر مسلط کرنا چاہتے ہیں خدا انہیں راہ راست پر لائے۔

حدیث حضرت امام محمد باقر علیہ السلام

عن ابی جعفر علیہ السلام انہ قال ان اللہ سبحانہ تفرد فی وحدانیتہ ثم تکلم بکلمۃ فصارت نوراً ثم خلق من ذلک النور محمداً وعلیاً و عترتہ علیہم السلام ثم تکلم بکلمۃ فصارت روحاً واسکنہا فی ذلک النور واسکنہ فی ابداننا فنحن روح اللہ وکلمتہ احتجب بنا عن خلقہ فمازلنا فی ظل عرشہ خضراً مسبحین نسبحہ ونقدسہ حین لا شمس ولا قمر ولا عین تطرف ثم خلق شیعتنا وانما سموا شیعۃ لانہم خلقوا من شعاع نورنا۔ (بحار الانوار ج، ص ۲۵۶)

"حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ بالتحقیق خداوند عالم اپنی وحدانیت میں منفرد ہے اس نے اپنے ایک کلمہ سے ہمارا نور پیدا کیا ہے۔ پھر اس نور سے محمدؐ و علیؑ اور ان کی عترت علیہم السلام کو پیدا کیا پھر اپنے ایک کلمہ سے روح کو پیدا کیا اور اس روح کو اس نور میں رکھ دیا۔ پھر اس کو ہمارے ابدان میں رکھ دیا۔ پس ہم روح اللہ اور ایسے کلمۃ اللہ ہیں کہ جس کو خدا نے اپنی ذات اقدس اور اپنی خلق کے درمیان حجاب و وسیلہ بنایا ہے۔ پس ہم دونوں اس کے عرش کے سبز سایہ میں تسبیح خدا بجالاتے رہے ہیں اس وقت تسبیح خدا بجالاتے تھے جب نہ آفتاب تھا نہ ماہتاب اور نہ کوئی آنکھ دیکھنے والی تھی۔ پھر ہمارے دوست پیدا کئے گئے اور ان کو شیعہ کا نام دیا گیا کیونکہ یہ ہمارے نور کی شعاعوں سے بنائے گئے۔

اس حدیث مبارک سے بھی ثابت ہے کہ یہ حضرات قبل خلق لاشے سے پیدا کئے گئے اور خداوند عالم نے ان کو اس وقت پیدا کیا جب کچھ نہ تھا۔ پھر ان ہی ذوات مقدسہ سے دیگر اشیاء کو پیدا کیا اور ملائکہ مقربین ہیں جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے اور اس کے بعد دیگر اشیاء کو بنایا اور ان کے شیعہ بھی ان ہی کے انوار عالیہ کی شعاعیں ہیں اسی لئے ان کو شیعہ کہا گیا ہے۔ اور ذوات مقدسہ اس وقت پیدا ہو چکے تھے جب کہ آفتاب و ماہتاب بھی نہ تھے اور نہ کوئی آنکھ دیکھنے والی تھی۔

اور یہی وجہ ہے کہ مولف صاحب ان کو نہیں پہچان سکتے کیونکہ وہ ظاہری آنکھوں سے دیکھنا چاہتے ہیں، اور یہ حضرات ظاہری آنکھوں سے نظر نہیں آ سکتے۔ ہاں دل کی آنکھوں سے پہچانے جاتے ہیں۔ مگر وہ مولف کے نصیب ہی میں نہیں ہیں ورنہ ان کو اپنی نوع میں شامل نہ کرتے۔

مولف صاحب نے ان حضرات کی ذوات مقدسہ کو مکہ و مدینہ میں دیکھا ہے کیونکہ وہ ظاہری آنکھوں کے پابند ہیں۔ اور ہم نے اپنے قلوب کی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اور یہ ہمیں اس وقت نظر آتے ہیں جبکہ صرف ایک بنانے والا تھا

اور ایک بننے والا تھا۔ اس لئے ہم اس وجودِ اوّلی اور خلقتِ نوری کو ہر وقت پیشِ نظر رکھ کر ان حضرات کی ذواتِ مقدسہ کا مطالعہ کرتے ہیں جس کو "یہ قشری" لوگ غلو سمجھتے ہیں۔ اور ہم اس کو حقیقت سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ جب تک ان ذوات مقدسہ کے وجود اوّلی پہ ایمان نہیں لائیں گے اور اس وجودِ اوّلی کی بقا کو تسلیم نہیں کریں گے، اور ان کا ظہور بشریت کے پیکر میں قبول نہیں کریں گے اس وقت تک ان کو معرفتِ محمد و آل محمد علیہم السلام حاصل نہیں ہو سکتی۔ اور یہی راز ہے جس کو خطباء و ذاکرین، علماء و مادحین سمجھ چکے ہیں اور اسی کی نشر و اشاعت میں موالیانِ اہلبیت طاہرین اور حقیقی شیعیان آئمہ طاہرین اپنا سب کچھ دھن من تن قربان کر رہے ہیں۔ مگر مؤلف کو اس روحانی لذت کا پتہ نہیں ہے کہ یہ لذت عالمین کی لذتوں سے جداگانہ ہے۔ خداوند عالم ہمیں اس معرفت پر قائم رکھے اور اسی معرفت پہ ہم زندہ رہیں اور اسی پر مریں؛ اور خداوند عالم اس نعمتِ عظمیٰ سے ان کو بھی نوازے کیونکہ ہم بخیل اور کنجوس نہیں ہیں کہ تنہا اس نعمت سے بہرہ اندوز ہوں۔ اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ شہر بشہر قریہ بقریہ اس نعمت کی اشاعت میں دیوانہ وار دربدر پھر رہے ہیں۔

حضرت نورِ اوّل صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی مفصل حدیث

قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اول ما خلق اللہ نوری ابتدعہ من نورہ واشتقہ من جلال عظمتہ فاقبل یطوف بالقدرۃ حتی وصل الیٰ جلال العظمۃ فی ثمانین الف سنۃ ثم سجد اللہ تعظیما ففتق منہ نور علی فکان نوری محیطا بالعظمۃ ونور علی بالقدرۃ ثم خلق العرش واللوح والشمس وضوء النہار ونور الابصار والعقل والمعرفۃ وابصار العباد واسماعہم وقلوبہم من نوری ونوری مشتق من نورہ فنحن الاولون ونحن السابقون ونحن المسبحون ونحن الشافعون ونحن کلمۃ اللہ ونحن خاصۃ اللہ ونحن احباء اللہ ونحن وجہ اللہ ونحن جنب اللہ ونحن یمین اللہ ونحن امناء اللہ ونحن خزنۃ وحی اللہ وسدنۃ جنب اللہ ونحن معدن التنزیل ومعنی التاویل وفی ابیاتنا ھبط جبرئیل ونحن محال قدس اللہ ونحن مصابیح الحکمۃ ونحن مفاتیح الرحمۃ ونحن ینابیع النعمۃ ونحن شرف الامۃ ونحن سادات الائمۃ ونحن نوامیس العصر واحبار الدھر ونحن سادۃ العباد ونحن سادۃ البلاد ونحن الکفاۃ والولاۃ والحماۃ والسقاۃ والرعاۃ وطریق النجاۃ ونحن السبیل والسلسبیل ونحن النہج القدیم والطریق المستقیم من امن بنا امن باللہ ومن رد علینا رد اللہ ومن شک فینا شک فی اللہ ومن عرفنا عرف اللہ ومن تولی عنا تولی عن اللہ ومن

اطاعنا اطاع الله ونحن الوسیلة الی الله والوصلة الی رضوان الله ولنا العصمة والخلافة والهدایة وفینا النبوة والولایة والامامة ومعدن الحکمة وباب الرحمة وشجرة العصمة ونحن کلمة التقوی والمثل الاعلی والحجة العظمی والعروة الوثقی التی من تمسك بها نجی۔ (بحارالانوار ج ۷ ص ۲۵۶)

یہ حدیث حضرت جابر بن عبداللہ انصاری سے منقول ہے جو آیۃ کنتم خیر اُمۃ کی تفسیر میں جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمائی ہے۔ اور یہ حدیث تمام عقائد کی تصحیح کے لئے کافی ووافی ہے۔ اس میں معرفت کے اُبلتے ہوئے چشمے اور ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر ہیں۔ مولف صاحب اس حدیث کو آنکھیں کھول کر اور دل کی آنکھوں کا چشمہ لگا کر پڑھیں۔ حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :۔

"سب سے پہلے خداوند عالم نے میرے نور کو پیدا کیا۔ میرے نور کو اپنے نور سے ایجاد کیا یعنی اپنے وجود حقیقی سے اس نور کا وجود ظاہر کیا۔ یعنی آفتاب وجودِ کمالی کی شعاع بنایا اور اپنے جلال عظمت و کبریائی سے ظاہر فرمایا یعنی اس کو اثر قرار دیا نہ کہ جزو جیسے آفتاب سے روشنی۔ یہ نور اس کی قدرت کا طواف کرنے لگا اور اس طواف قدرتی کے ذریعہ جلال عظمت سے جا ملا یعنی اس نور سے اس کی عظمت و جلال کا ظہور ہونے لگا۔ اسی ہزار سال یہ نور اس کی عظمت کے سجدے کرتا رہا اور پھر خداوند عالم نے اس نور سے نورِ علی کو جدا کیا یعنی اب دو حصے ہو گیا۔ پس میرا نور خدا کی عظمت کے اظہار کا سبب بنا اور علی کا نور اس کی قدرت کے اظہار کا سبب بنا۔ یعنی اگر خدا کی عظمت دیکھنی ہے تو مجھے دیکھو اور قدرتِ خدا دیکھنی ہے تو علی کو دیکھو۔ (سبحان اللہ کیا تقسیم ہے)

پھر خداوند عالم نے عرش کو پیدا کیا اور لوح کو پیدا کیا اور آفتاب اور اس کے نور کو پیدا کیا۔ پھر نور الابصار اور عقل اور معرفت اور بندگانِ خدا کی آنکھوں کا نور اور ان کی سماعت کی قوت اور قلوب ان تمام چیزوں کو خدا نے میرے ہی نور سے پیدا کیا اور میرا نور خدا کے نور کی شعاع ہے، پس ہم ہی اوّلون ہیں اور ہم ہی سابقون ہیں اور ہم ہی مسبحون ہیں اور ہم ہی شافعون ہیں اور ہم ہی کلمۃ اللہ اور ہم ہی خاصانِ خدا اور ہم ہی خدا کے حبیب اور ہم ہی وجۃ اللہ، جنب اللہ، یمین اللہ۔ رہا زوے راستِ خدا، امناء اللہ ہیں اور ہم ہی اس کی وحی کے خزینہ دار ہیں اور اس کے قرب کے محافظ ہیں اور ہم ہی اس تنزیل کے معدن اور تاویل کے معنی ہیں۔ ہمارے ہی گھروں میں جبرئیلؑ اترتے ہیں۔ ہم قدس خدا کی فرودگاہ ہیں اور ہم ہی اس کی حکمت کے چراغ ہیں اور اس کی رحمت کی کلید ہیں اور ہم ہی اس کی نعمت کے چشمے ہیں

اور ہم اُمت کا شرف اور تمام پیشواؤں کے سردار ہیں۔ اور ہم ہی سردارانِ عباد اور سردارانِ بلاد ہیں اور ہم ہی خدا کی طرف سے کافی ووافی ہیں اور ولی ووالی ہیں اور حامی و مددگار ہیں اور ذاتِ خدا سے تمام عیوب کا دفاع کرنے والے اور تدبیر نظام کرنے والے ہیں اور ہم ہی راہِ نجات ہیں، اور ہم ہی سبیل ہیں اور ہم ہی اس کی سلسبیل ہیں اور ہم ہی مستحکم راہ اور طریق مستقیم یعنی صراط مستقیم ہیں۔ جو شخص ہم پر ایمان لایا وُہ درحقیقت خدا پر ایمان لایا۔ اور جس نے ہماری رد کی اُس نے خدا کی رد کی۔ اور جس نے ہمارے بارے میں شک کیا اس نے خدا کے بارے میں شک کیا یعنی جو ہماری عظمت میں شک کرے گا اس نے درحقیقت خدا کی عظمت میں شک کیا۔ اور جس نے ہماری معرفت حاصل کرلی اُس نے درحقیقت خدا کی معرفت حاصل کرلی۔ اور جو ہم سے پھر گیا وُہ خدا سے پھر گیا۔ اور جس نے ہماری اطاعت کرلی اُس نے درحقیقت خدا کی اطاعت کرلی۔ اور ہم ہی اللہ کے وسیلہ ہیں اس کے اور اس کی مخلوق کے درمیان۔ اور ہم ہی خدا کی رضا تک پہنچانے کا جوڑ ہیں۔ یعنی ہم سے ملنا ہی خدا سے ملنا ہے اور ہم سے جدائی خدا سے جدائی ہے۔ ہمارے ہی لئے عصمت و خلافت و ہدایت ہے اور ہمارے ہی ذوات میں نبوت و ولایت و امامت ہے۔ ہم ہی میں حکمتِ خدا کی کان ہے اور ہم ہی میں رحمتِ خدا کے حصول کا دروازہ ہے اور عصمتِ خدا کا شجر ہے۔ یعنی جن کو بھی حکمت و رحمت و عصمت ملے گی وُہ ہم سے ملے گی۔ اور ہم ہی کلمۃ اللہ ہیں۔ یعنی اگر کوئی متقی بننا چاہے تو ہمارا وِرد کرے۔ اور ہم ہی خدا کی مثلِ اعلےٰ ہیں۔ اور اس کی حجت عظمیٰ اور ایسے عروۃ الوثقیٰ ہیں کہ جن کا تمسک نجات کا ضامن ہے۔"

محمدؐ و آل محمدؐ علیہم السلام کافی ووافی ہیں

اس حدیث میں حضرت خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ابتدائے خلقت اور اپنی عظمت اور علی بن ابی طالب علیہ السلام کی قدرت بیان فرمادی ہے۔ اور یہ بھی بتادیا ہے کہ ہم کافی ووافی اور ناصر و مددگار ہیں۔ لہٰذا ان حضرات کو کافی سمجھنا اور ان سے مدد طلب کرنا عین ایمان ہے کیونکہ خدا نے ان ذواتِ مقدسہ کو ہمارے لئے کافی اور ناصر و حامی اور والی و وکی بنایا ہے۔ اور ہمیں رعایا اور ان حضرات کو راعی بنایا ہے لہٰذا رعایا کا فرض ہے کہ وُہ اپنی تکلیفوں اور حاجتوں میں اپنے راعی کی طرف رجوع کرے اور اپنا دکھ درد اپنے راعی کے سامنے پیش کرے اور اپنی مشکلات کو حل کرائے اور اپنا حال اپنے راعی کے سامنے بیان کرے تاکہ رعایا کے تکالیف دُور ہوں اور حاجات پُورے ہوں۔

محمدؐ و آلِ محمدؐ علیہم السلام ناصر و مددگار ہیں

یہی معنی ہیں اُس حدیث مبارک کے جس میں ان ذواتِ مقدسہ کے لیے یہ فقرات موجود ہیں "واسترعاکم امر خلقہ" یعنی اے ہمارے آقا خدا نے اپنی مخلوقات کے معاملات کا راعی آپ حضرات کو بنایا ہے اور یہی مطلب ہے اس فقرہ کا "والمستحفظین لامرہ" یعنی اے آقا آپ حضرات ہی مخلوقات کے معاملات کے محافظ قرار دیئے گئے ہیں۔

چنانچہ صاحب مجمع البحرین تحریر فرماتے ہیں:۔

واسترعاکم امر خلقہ فی حدیث الائمۃ ای جعلکم ولاۃ علی خلقہ وجعلھم رعیۃ لکم تحکمون بھم بما امرتم۔

یعنی احادیث آئمہ طاہرین علیہم السلام میں فقراتِ مذکورہ کا مطلب یہ ہے کہ آپ حضرات کو خداوند عالم نے اپنی مخلوقات پر والی بنایا ہے اور مخلوقات کو تمہاری رعیت بنایا ہے خدا کے امر کے مطابق آپ حضرات ہی ان کے فیصلے کرتے ہیں۔ لہٰذا موالیانِ اہلبیت کسی مولوی خالصی کی ذاتی رائے پر قطعاً توجہ نہ کریں اور اس کے قیاس اور عدمِ علمِ حدیثِ پیغمبرؐ کو اس کی غفلتِ مراتب اہلبیت و قصور و عجز معرفت معصومین پر محمول کریں جیسا کہ حضرت علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے کہ ایسے مولوی اور اُن کے مقتدی معجزات و کمالات محمدؐ و آل محمد علیہم السلام سے غافل ہیں لہٰذا دُعائے استغاثہ و دُعائے طلبِ نصرت ہمیشہ پڑھتے رہیں کیونکہ ہمارے لیے محمدؐ و علیؑ بالتحقیق کافی ہیں اور مددگار ہیں۔ لہٰذا منبروں پر بھی پڑھو یا محمدؐ و یا علیؑ اکفیانی وانصرانی فانکما کافیانی وناصرای اور اسی طرح یا صاحب الزمان اغثنی اغثنی اور اسی طرح یا فاطمۃ اغیثنی پڑھیئے اور ضرور پڑھیئے۔

یہ حضرات ہی خدا کی طرف سے ہمارے ملجأ و ماوٰی ہیں مصیبتوں اور تکلیفوں میں اور یہی ہمارے مددگار ہیں مشکلات میں۔ چنانچہ امام رضا علیہ السلام کے خطبہ میں بھی ان ذوات مقدسہ کو مفزع العباد فرمایا گیا ہے جس خطبہ کو مؤلف صاحب ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر فرما چکے ہیں اور جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے فصیح و بلیغ حکیمانہ خطبۂ غدیر میں فرمایا ہے جس کو حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے جماعتِ اصحاب میں بطور استدلال پیش کیا ہے کہ میرے لئے آنحضرتؐ کا یہ ارشاد ہے:۔

قال رسول اللہ یا ایھا الناس قد بینت لکم مفزعکم بعدی وامامکم وولیکم وھادیکم وھو اخی علی بن ابی طالب فھو فیکم بمنزلتی فیکم فقلدوہ دینکم

واطیعوہ فی جمیع امورکم فان عندہ جمیع ما علمنی اللہ عزوجل من علمہ وحکمتہ (احتجاج طبرسی ص۲۲)

آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اے لوگو میں نے تمہیں صاف صاف بتادیا ہے کہ تمہارا ملجا و ماویٰ میرے بعد اور تمہارا امام و رہنما و ہادی یہی میرے بھائی علی بن ابی طالب ہیں۔ پس یہ تم میں اسی طرح ہیں کہ جیسے میں تم میں ہوں۔ پس ان کی پیروی کرو اپنے دین میں، اور اپنے تمام معاملات میں ان کی اطاعت کرو کیونکہ ان کے پاس علم و حکمت کے وہ تمام خزانے موجود ہیں جو خدا نے مجھے عطا کئے ہیں۔

منکرِ ملجاء و ماویٰ کی سزا

اس حدیث مبارک میں بھی ملجا و ماویٰ ان ہی ذوات مقدسہ کو بتایا گیا ہے۔ اور آنحضرتؐ نے اسی حکیمانہ خطبۂ غدیر میں ارشاد فرمایا ہے:۔

بنا انزل اللہ الرزق وبقی الخلق ملعون ملعون مغضوب مغضوب علی من رد قولی ھذا وان لم یوافقہ۔ (احتجاج طبرسی ص۳۲)

خداوند عالم نے رزق ہماری ہی وجہ سے نازل کیا ہے اور ہمارے ہی سبب سے مخلوقات عالم کی بقاء ہے۔ ملعون ہے ملعون ہے اور مغضوب ہے مغضوب ہے وہ شخص جو اس کی رد کرے خواہ اُسے میرا یہ قول پسند نہ آئے۔ اب تو بالکل واضح ہوگیا کہ رزق ان کی وجہ سے بقاء عالم ان کی وجہ سے ہے اور یہی حضرات راعی ہیں اور ہم سب رعایا ہیں۔ اور یہی مشکل کشا یہی حاجت روا ہیں اور یہی ہمارے ملجا و ماویٰ ہیں ۔ اب جو شخص ان مراتب عالیہ پر ایمان نہ لائے وہ مکرر ملعون اور مکرر مغضوب ہے۔

خطباء و ذاکرین کو چاہئے کہ جو بھی شانِ محمد و آل محمد علیہم السلام کا انکار کرے اس کو حدیث ہذا کا مستحق قرار دیں۔

لفظ مفزع کی تشریح صاحب مجمع البحرین اس طرح فرماتے ہیں:۔

المفزع الملجا فلان مفزع الناس اذا دھم امر فزعوا الیہ والداھیۃ النائبۃ العظیمۃ النازلۃ والجمع الدواھی النائبۃ ما تنوب الانسان ای تنزل بہ عن المھمات والحوادث۔

یعنی مفزع کے معنی ملجا و ماویٰ ہیں جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص مفزع الناس ہے یعنی مصیبت اور بلاؤں کے وقت لوگ اس کی طرف رجوع کرتے ہیں تو اس کو مفزع الناس کہا جاتا ہے اور داھیہ کے معنی ہیں عظیم مصیبت جو ناگہانی نازل ہو اور اس کی جمع دواہی ہے۔ اور نائبہ کے

معنی وُہ مہمات اور ناگہانی حوادث ہیں جو انسان پر نازل ہو جاتے ہیں۔

امام رضاء علیہ السلام نے مفزع الناس فی الداھیۃ فرمایا ہے یعنی اہلبیت طاہرین مصیبتوں اور بلاؤں میں ملجا و ماویٰ ہیں کہ جن کی طرف لوگوں کو اپنے مصائب اور عظیم حادثوں میں رجوع کرنا چاہیئے۔

محمدؐ و آلِ محمد علیہم السلام سے جانور بھی استغاثہ کرتے ہیں

انسان تو انسان جانوروں نے بھی ان حضرات کو ملجا و ماویٰ سمجھا ہے وُہ بھی اپنے مصائب و آلام میں انہی ذوات مقدسہ کی طرف رجوع کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ احتجاج طبرسی میں مرقوم ہے:۔

قال امیرالمؤمنین علیہ السلام ومحمد صلے اللہ علیہ واٰلہ وسلم بینما نحن معہ فی بعض غزواتہ اذھو ببعیر قد دنی ثوہ عا فانطقہ اللہ عزوجل فقال یارسول اللہؐ ان فلانا استعملنی حتی کبرت ویرید نحری فانا استعید بک منہ فارسل رسول اللہؐ الی صاحبہ فاستوھبہ منہ فوھبہ لہ۔ (احتجاج طبرسی ۱/۲)

حضرت امیرالمومنین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ بعض غزوات میں ہم آنحضرتؐ کے ہمراہ تھے کہ یکایک ایک اونٹ آنحضرتؐ کے پاس آیا اور فریاد کرنے لگا اور خدا نے اس کو قوت گویائی دی، اس نے عرض کی یارسولؐ اللہ میرے مالک نے مجھ سے خوب کام لیا اور جب میں بوڑھا ہو گیا ہوں تو مجھے نحر کرنا چاہتا ہے یعنی حلال کرنا چاہتا ہے۔ میں آپ کی خدمت میں آیا ہوں اور آپ کی ذات کے ساتھ پناہ چاہتا ہوں کہ مجھے اُس سے بچائیے۔ آنحضرتؐ نے مالک کو بلوایا اور اس سے یہ اُونٹ لے لیا اور اس کو پناہ دے دی۔" جانور کا نطق خرق عادت ہے۔ اس نے جو کچھ کہا ہے خدا نے کہلوایا ہے۔

یعنی یہ ہستیاں وُہ ہیں کہ جن ذوات مقدسہ کی پناہ جانور بھی چاہتے ہیں اور مصیبت ٹل جاتی ہے۔ اور جناب امام حسین علیہ السلام کے روضۂ اقدس میں یہ دُعا پڑھی جاتی ہے جس کو تمام علماؤ مجتہدین پڑھتے ہیں اور مولف صاحب بھی شائد پڑھتے ہوں گے جس کے فقرات یہ ہیں۔

یامولای اتیتک خائفا فامنی واتیتک مستجیرا فاجرنی واتیتک فقیرا فاغننی سیدی مولائی انت مولائی حجۃ اللہ علے الخلق اجمعین امنت بسرکم وعلانیتکم وبظاھرکم وباطنکم واولکم واخرکم (مفاتیح الجنان ص۴۴۹)

یعنی اے میرے مولا میں آپ کے دربار میں حاضر ہوا ہوں خوف زدہ ہو کر مجھے آپ امان دیجئے۔ میں آپ سے پناہ لینے آیا ہوں مجھے پناہ دیجئے۔ میں آپ کی خدمت میں محتاج و فقیر ہو کر آیا ہوں مجھے آپ غنی کر دیجئے۔ اے میرے سردار اے میرے آقا آپ میرے مولا ہیں اور تمام خلائق پر

خدا کی حجت ہیں آپ کے پوشیدہ کمالات پر بھی ایمان لایا ہوں اور علانیہ کمالات پر بھی۔ اور آپ کے ظاہر و باطن اور اوّل و آخر پر بھی میرا ایمان ہے۔"

مؤلف صاحب کو استمداد و استغاثہ درگاہِ معصومین میں کرنا چاہیئے

اب اگر مؤلف صاحب کو یہ سعادت حاصل ہے تو ان حضرات سے مدد طلب کرنا اور ان کی پناہ لینا اپنا شیوہ بنائیں گے اور ہر مصیبت اور ہر مشکل میں ہر وقت ان ہی حضرات کی ذواتِ مقدسہ کا نام نامی ان کی زبان پر آئے گا۔ اور اگر اس سعادت سے محروم ہیں تو ان حضرات کے نام لیواؤں پر غصہ آئے گا اور چہرہ پر بل پڑ جائے گا شکل بگڑ جائے گی اس سے موالیوں کو ان کے ناصبی ہونے کا پتہ لگ جائے گا اور آنحضرتؐ کے فرمان پر عمل کریں گے یعنی مکرر..... بار دیگر۔ جیسا کہ ہم حدیث مبارک کو پیش کر چکے ہیں جس میں مکرر..... بار دیگر موجود ہے۔

مرنے کے بعد بھی مُردے ان ہی حضرات کی ذوات مقدسہ سے استغاثہ کرتے ہیں اور ان ہی کا آسرا لیتے ہیں۔ چنانچہ احتجاج طبرسی میں ہے حضرت امیر المومنین علیہ السّلام نے فرمایا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے مُردوں نے باتیں کیں ا[illegible] فریاد کی کہ انہیں عذاب سے بچائیں۔

قال امیر المومنین علیہ السّلام لقد کلمہ الموتیٰ من بعد موتہم واستغاثوہ مما خافوا تبعتہ۔ (احتجاج طبرسی ص۱۱۳)

یعنی حضرت امیر المومنین علیہ السّلام نے فرمایا ہے کہ مُردوں نے اپنی مَوت کے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے استغاثہ کیا اور فریاد کی کہ انہیں خدا کے عذاب سے پناہ دیں۔"

مؤلف صاحب! آپ زندوں کو روکتے ہیں کہ ان حضرات سے استغاثہ نہ کریں، مصیبت میں اُن کو نہ پکاریں۔ حالانکہ مُردے بھی اُن کو پکار رہے ہیں اور اُن سے استغاثہ کر رہے ہیں۔ معلوم ہُوا کہ جانوروں اور مُردوں تک کو ان حضرات کی ذوات مقدسہ پر بھروسہ ہے کہ یہ حضرات فریاد رس ہیں، مفزع العباد ہیں۔ مگر ان زندوں کو کیا ہو گیا ہے کہ خود اَضَلُّ بَلْ هُمْ اَضَلُّ یعنی جانوروں سے اپنے کو پست کر رہے ہیں اور اپنے کو زندہ سمجھ رہے ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام نے ثقہ جلیل القدر محمد بن مسلم ثقفی رضی اللہ عنہ کو تعلیم فرمایا کہ جب حضرت امیر المومنین علیہ السّلام کی بارگاہ میں پہنچو تو حضرت کی خدمت میں یوں عرض کرو:۔

"یا علی اَدرِکنی" کا ثبوت بیّن!

فبحق من ائتمنك علی سرہ واسترعاك امر خلقہ وقرن طاعتك بطاعتہ

وموالاتك يسوالاته كن لي الى الله شفيعاً ومن النار مجيراً وعلى الدهر ظهيراً۔

یعنی یا امیرالمومنین میں آپ کو اُس ذات کی قسم دیتا ہوں جس نے آپ کو اپنے راز کا امین بنایا ہے اور جس خالق یکتا نے آپ کو اپنی مخلوقات کا راعی اور مخلوقات کو رعایا بنایا ہے اور آپ کی اطاعت کو اپنی اطاعت کے برابر قرار دیا ہے۔ اور آپ کی محبت کو اپنی محبت فرمایا ہے آپ میرے گناہوں کی بخشش کے لئے خدا سے سفارش کر دیجئے اور مجھے آپ جہنم سے بچائیے اور زمانہ کی گردشوں میں میری امداد فرمائیے۔" (مفاتیح الجنان ص ۳۸)

اس حدیث میں امداد کی طلب ہے اور وہ زمانہ کی گردشوں اور مصائب و مشکلات میں۔ اور خود جناب رسالتمآبؐ نے ہماری تعلیم کے لئے اور اپنی سُنت جاری کرنے کے لئے خدا سے دُعا کی کہ یا اللہ تو علی بن ابی طالب کو میرے لئے عون بنادے اور ناصر و مددگار اور میرا قوتِ بازو بنادے۔ اور خدا نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دُعا قبول فرمائی ہے جس کا نتیجہ نادِ علی ہے۔

اس نادِ علی کے متعلق اہلسنت نے بھی غزوۂ اُحد کے موقعہ پر تحریر کیا ہے کہ آنحضرتؐ پر نادِ علی کا نزول ہُوا جیسا کہ تاریخ احمدی ص ۴۲ میں مدارج النبوۃ سے نقل کیا گیا ہے۔ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کو عوناً وناصراً وعضداً بحکمِ خدا آنحضرتؐ نے فرمایا ہے:۔

قال امیر المومنین علیه السلام لاهل الشوری نشدتكم بالله فيكم احد قال له رسول اللهؐ اللهم اجعله لی عوناً وعضداً وناصراً غیری قالوا لا۔

(احتجاج طبرسی ص ۶۹)

یعنی حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے اہل شوریٰ سے فرمایا کہ میں تم لوگوں کو خدا کی قسم دے کر دریافت کرتا ہوں کہ آنحضرتؐ نے میرے سوا کسی کے لئے خداوند عالم سے یہ دُعا مانگی تھی کہ یا اللہ! تو میرے لئے علی کو عون، ناصر اور قوتِ بازو بنادے؟ اہل شوریٰ نے کہا نہیں۔" معلوم ہُوا کہ یہ حضرات دُنیاوی مصائب و آلام اور بلائے ارضی و سماوی میں ہمارے ملجاؤ ماویٰ ہیں اور یہ ہمارے مشکل کشا و حاجت روا ہیں۔ چنانچہ جنگِ تبوک میں آنحضرتؐ نے امیرالمومنین علیہ السلام کو دشمنوں کے مقابلہ میں مدد کے لئے پکارا ہے۔

"یا ابا الغیث ادرکنی"

وكان امر الجيش انه انكسر وانهزم الناس عن رسول الله فنزل جبرائيل قال يا نبي الله ان الله يقرئك السلام ويبشرك بالنصرة و يخبرك ان شئت انزلت الملائكة يقاتلون وان شئت عليا فادعه

یاتیك فاختار النبیؐ علیاً فقال جبرائیل در وجهك نحر المدینة ونادیا
اباالغیث ادرکنی یا علی ادرکنی ادرکنی یا علی۔ (مدینۃ المعاجز علامہ بحرانی ص۹۲)

ایک طویل حدیث میں جو جنگ تبوک سے تعلق رکھتی ہے جبکہ آنحضرتؐ امیر المومنین علیہ السلام کو مدینہ میں مامور فرما گئے تھے اور تنہا جنگ تبوک میں تشریف لے گئے تھے اور آنحضرتؐ نے فرمایا تھا کہ اے علی کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تم مجھ سے وہی منزلت رکھتے ہو جو ہارون کو موسیٰؑ سے تھی مگر میرے بعد نبی نہ ہوگا۔ چنانچہ جب جنگ تبوک میں آنحضرتؐ کا لشکر خستہ ہو گیا اور آپ سے جدا ہو گیا تو جبرائیلؑ نازل ہوئے اور عرض کی یا رسولؐ اللہ خداوند عالم نے آپ کو تحفہ درود و سلام کے بعد نصرت و فتح کی بشارت دی ہے اور فرمایا ہے کہ اگر لشکر آپ کو چھوڑ گیا ہے تو آپ اگر چاہیں تو علی علیہ السلام کو پکار لیں وہ فوراً پہنچیں گے یا آپ چاہیں تو میں ملائکہ کو آپ کی نصرت کے لئے بھیج دوں۔ آنحضرتؐ نے حضرت علی علیہ السلام کو پکارنا پسند فرمایا۔ جبرئیلؑ نے عرض کی آپ اپنا رُخ مدینہ کی طرف کیجئے اور ندا دیا اباالغیث ادرکنی یا علی ادرکنی ادرکنی یا علی۔ یعنی پکاریئے اے ابوالغیث میری مدد کو پہنچو یا علی میری مدد کو پہنچو یا علی میری مدد کو پہنچو۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے پکارا اور حضرت علی فوراً پہنچ گئے۔"

اے شیعیان حیدر کرار! اے موالیان اہلبیت اطہار! سنّتِ رسولؐ پر عمل کرو اور یا علی ادرکنی مکرر سہ کرر کہو اور مصیبت و مشکل میں کامیابی حاصل کرو۔ ناصبیوں کی ناک رگڑ دو۔ کیونکہ حدیث معصوم کے مقابلہ میں کسی مولوی خالصی کا قول قابل قبول نہیں ہو سکتا۔

قشری مولف کی غلط تاویل

ان لوگوں نے موالیان اہلبیت اطہار کے بلند عقائد اور ایمان کی پختگی سے متاثر ہو کر ایک "فریب" ایجاد کیا ہے اور وہ جگہ جگہ کہتے ہیں کہ ہم تو حضرت علیؑ کو مشکل کشا تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ بار بار اسی لفظ کو دہراتے ہیں جیسا کہ میں نے بھی ان لوگوں کی زبان سے سُنا ہے۔ مگر چند لمحے میں کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے ہماری بڑی بڑی مشکلیں حل کی ہیں اور بڑے بڑے مشکل مسائل کو سمجھایا ہے اور اصحاب نے بھی مسائل مشکلہ دریافت کر کے ان ہی کو مشکل کشا تسلیم کیا ہے یعنی علوم شریعت میں مشکل کشا ہیں۔ یعنی اتنے بڑے علامہ ہیں کہ شریعت کے تمام مشکلات پر عبور حاصل ہے۔

یہ ہے ان لوگوں کی تاویل اور دوسرے معنی میں تقیہ یا توریہ مومنین کرام کو فریب دہی کے لئے۔ اور یہ صرف اس لئے تاویل ایجاد کی ہے کہ اگر لفظ مشکل کشا کا انکار کریں گے تو مومنین ان کے قبضہ سے نکل جائیں گے اور پھر مربع خریدنے اور بنگلے بنانے اور تھوک تجارت کرنے کے لئے سرمایہ کہاں سے ملے گا۔ یہ ان کا ایک فریب

ہے۔ اور حضرات آئمہ طاہرین علیہم السلام کے فضائل و مراتب میں تقیہ کرتے ہیں۔ ہم نے ان کے اس دجل و فریب کا جواب دیا ہے کہ یہ حضرات صرف مسائل شرعیہ میں ہی مشکل کشا نہیں بلکہ یہ امور تخلیقی میں بھی مشکل کشا و حاجت روا ہیں۔ کافی و وافی، ملجاؤ ماؤی، ناصر و مددگار، مستغاذ و مستغاث ہیں۔ لہٰذا اپنے عقیدہ پر ثابت قدم رہو۔ کسی خالصی مولوی کے دھوکہ میں مت آؤ۔

فضائل میں تاویل اور نقائص میں تفصیل

مؤلف کا ایک طریقہ کار یہ بھی ہے کہ وُہ فضائل اہلبیت کے احادیث میں احتمالات پیش کرتے ہیں کہ فضیلت میں شک و شبہ داخل کر دیں۔ مثلاً امام مبین" مخصوص ذات امیر المومنین علیہ السلام کے لئے ہے جیسا کہ ہم نے ثابت کر دیا ہے۔ مگر یہ کبھی اس کے معنی قرآن بتائیں گے کبھی اس کے معنی لوح محفوظ بتائیں گے تاکہ یہ مقولہ صادق آجائے کہ "اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔ یعنی احتمال آگیا تو استدلال باطل ہو گیا"۔ لہٰذا حضرت علی علیہ السلام "امام مبین" یقینی طور پر نہیں ہیں بلکہ امام مبین ہونے میں شک ہے۔

اس طرح جہاں ان حضرات کے لئے لفظ نور آیا ہے وہاں فوراً نور سے مراد کتاب خدا بتاتے ہیں۔ اور کبھی کہتے ہیں، نور سے مراد علم ہے۔ کبھی کہتے ہیں نور سے مراد رُوح ہے کبھی کہتے ہیں نور سے مراد اسلام ہے کبھی کہتے ہیں نور سے مراد ایمان ہے اور کبھی کہتے ہیں توراۃ بھی نور ہے اور انجیل بھی نور ہے اور آخر میں کہہ دیتے ہیں اہلبیت مجازاً نور ہیں حقیقۃً نور نہیں ہیں۔

مگر اتنے شبہات و احتمالات کیوں بیان کرتے ہیں تاکہ ان حضرات کی ذوات مقدسہ کو حقیقی نور نہ سمجھا جائے اور موالیان اہلبیت طاہرین کے اعتقاد نوری میں شک داخل ہو جائے مگر ان حضرات نے جتنے شبہات پیدا کئے ہیں وُہ سب شبہات پادر ہوا ہو جاتے ہیں۔ معنی نور سمجھنے کے بعد۔ کیونکہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ نور اس موجود تحقیقی کا نام ہے جو خود ظاہر ہو اور دُوسروں کے وجُود کا سبب ہو۔ اور جب نُور کے حقیقی معنے یہی ہیں تو اولاً خداوند عالم نور حقیقی ہے کہ جس کے وجود تحقیقی سے اشیاء عالم کا وجود ہوا ہے اور وُہ خود بنفسہٖ ظاہر ہے الذی دل علی ذاتہ بذاتہ۔ اور اسی معنی سے حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام چونکہ خلقتِ عالم کے لئے سبب وجود ہیں لہٰذا حقیقی معنی میں نور ہیں۔ اور ان کے بعد خلائق میں سے جو بھی نور کہلائے گا یہ حضرات اس کے لئے بھی نور ہیں۔ لہٰذا یہ حضرات نور الانوار ہیں اور تمام خلائق کے لئے بالتحقیق و بالحقیقت یہی نور ہیں۔ ان کے لئے مجازاً نور کہنا اور دُوسری چیزوں کو حقیقۃً نور کہنا جہالت ہے، بلکہ معنیٔ نور سے غفلت کی دلیل ہے۔ یہی حضرات ہیں جو نور علیٰ نور ہیں مگر یہ نورانیت دل کی آنکھوں سے نظر آتی ہے جس سے مؤلف محروم اور بدنصیب ہے۔

خداوند عالم نے اپنے قہر و جبر سے مولف صاحب سے سرکار علامہ مجلسیؒ کا ارشاد اصول الشریعہ ملک پر

لکھوا کر معجزۂ اہلبیت کا عذابی پتھر ان کے دل و دماغ پر مارا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:۔

"فالطلاقہ علی الانبیاء والائمۃ علیھم السلام لانھم اسباب لھدایۃ الخلق وعلمھم وکمالھم بل وجودھم لانھم العلل الغائیۃ لوجود جمیع الاشیاء۔ نور کا اطلاق انبیاء و آئمہ علیہم السلام پر اس لئے ہوا ہے کہ تمام مخلوق کی ہدایت اور ان کے علم و کمال بلکہ ان کے وجود کا سبب یہی بزرگوار ہیں کیونکہ یہی ذواتِ مقدسہ تمام اشیاء کے وجود کی علتِ غائی ہیں"۔ (اصول الشریعہ ص۱۳۸)

مؤلف صاحب سے کوئی دریافت کرے کہ نور کے معنی بھی تو یہی ہیں کہ جس کے سبب سے وجودِ اشیاء ہو۔ اور چونکہ یہ ذوات مقدسہ جمیع اشیاء کے وجود کا سبب ہیں تو یہ حضرات بالتحقیق تمام اشیاء کے لئے نور ہیں پھر آپ نے ان کو مجازاً نور کیوں کہا ہے۔ اصلی نور اور حقیقی نور تو یہی حضرات ہیں، اور باقی بعد میں جو نور بنے گا وہ اسی نورالانوار کی فرع ہوگا، اس کے لئے مجازاً نور کہا جا سکتا ہے۔ لیکن آپ اسلام کو تو نور کہہ دیں، ایمان کو نور کہہ دیں، کتاب تورات کو نور کہہ دیں اور انجیل کو نور کہہ دیں۔ مگر محمدؐ و آل محمد علیہم السلام کو نور کہتے ہوئے زبان میں کیڑے پڑتے ہیں۔

درحقیقت اس کا سبب یہ ہے کہ آپ لوگوں نے ان ذواتِ مقدسہ کو اپنی نوع تسلیم کر لیا ہے اس لئے آپ اگر حقیقۃً نور کہہ دیں تو آپ کو خطرہ لاحق ہوتا ہے کہ کہیں ہماری نوع سے جدا نہ ہو جائیں۔ ہم ان کو پھر سمجھاتے ہیں کہ ان حضرات کو جنسِ بشر تسلیم کرو اور ان کے نور کو فصلِ ممیز قرار دو اور علیحدہ ایک نوع تسلیم کرو اور اس کے بعد یوں کہو "انھم بشر نورانی" یہ حضرات بشر نورانی ہیں۔ یہی مطلب ہے اس قول کا جو آپ نے اصول الشریعہ ص۱۲۰ پر لکھا ہے:۔

"ھا علی بشر کیف بشر ربہ فیہ تجلی وظھر"

مگر آپ نے اس کا ترجمہ ہی نہیں لکھا ہے، یہ آپ کی سخت بددیانتی ہے، کیونکہ آپ کے نظریۂ وحدتِ نوع پر زد پڑتی ہے اس لئے ترجمہ کھا گئے۔ ترجمہ یہ ہے:۔ "خوب ذہن نشین کر لو کہ علی بشر ہیں اور کیسے بشر ہیں، اُن کا رب اُن کی ذات میں جلوہ فگن اور ظہور پذیر ہوا"۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ مظہرِ ذاتِ خدا ہیں۔ اور ان کے خوارق عادات سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے رب نے انہیں اپنی قدرت کی جلوہ گاہ بنایا ہے اور ارادہ و مشیت کا مورد قرار دیا ہے جس کی وجہ سے اس کے امور کا ظہور ان کی وجہ سے ہوتا ہے۔ یعنی یہ ہستی مظہر العجائب والغرائب ہے۔ اور ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ ان حضرات میں ایسا کمال موجود ہے جس کی وجہ سے یہ حضرات بشریت اور کمال ذاتی کا مرکب ہیں اور ان دونوں جنبوں کو ملا کر رسول و امام ہیں، جیسا کہ ہم پیشتر تحریر کر چکے ہیں۔ مسئلہ نور اور امام مبین میں تو احتمالات و شبہات پیدا کئے گئے ہیں، اور جہاں صاف صاف فضیلت ثابت ہوتی ہے اس کی تشریح تو کجا معنی بھی چھپائے گئے ہیں۔ ھداھم اللہ او خذلھم۔

اسی طرح علمِ غیب کے سلسلہ میں وُہ حدیث پیش کی ہے جس میں حضرت حجت عجل اللہ فرجہ نے فرمایا ہے کہ ہم غیب نہیں جانتے۔ مگر وُہ احادیث پیش نہیں کیں کہ جن میں صاف صاف ظاہر ہے کہ یہ حضرات علمِ غیب جانتے ہیں۔ اور اگر نہ جانتے تو آیندہ کی خبریں کیسے دیتے؛ اور پھر ایسا ہی کیوں ہوتا جیسا کہ ان حضرات نے خبر دی تھی۔ مگر یہ احادیث ان کے عقیدے کے خلاف تھیں اس لئے پیش نہیں کیں حالانکہ سرکار علامہ مجلسیؒ نے صاف صاف بیان کیا ہے کہ یہ امر پوشیدہ نہیں ہے بلکہ بدیہی ہے کہ یہ حضرات علمِ غیب رکھتے ہیں۔ کیونکہ ان کے برحق ہونے کی دلیل اور وُہ بھی سب سے محکم دلیل یہی ہے کہ وُہ غیب کی صحیح خبریں دیتے تھے اور قرآن مجید کو بھی کلامِ خدا ثابت کرنے کے دلائل میں ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اس میں غیب کی خبریں ہیں۔ (مرآۃ العقول جلد ۱ صفحہ ۱۸۷)

کیا قرآن مجید میں جناب رسالتمآبؐ کا بحکمِ خدا یہ بیان نہیں ہے کہ "لا اعلم الغیب" میں غیب نہیں جانتا۔ تو اس کے جو معنی دیگر آیات کی روشنی میں بیان کئے گئے وُہ حضرت حجت عجل اللہ فرجہ کے فرمان کی تشریح میں بیان نہیں کئے جا سکتے تھے۔ مگر ان حضرات کو تو تنقیص اہلبیت طاہرینؑ مقصود ہے۔

ان سب کا جواب خود قرآن مجید میں موجود ہے جہاں خدا نے یہ فرمایا ہے کہ میرے سوا کوئی غیب نہیں جانتا اور جہاں آنحضرتؐ سے اظہار کرایا ہے "کہہ دو میں خود غیب نہیں جانتا" وہاں یہ بھی فرمایا ہے۔ "لا یظھر علی غیبہ احداً الا من ارتضی من رسول۔ یعنی خدا اپنا علمِ غیب کسی پر ظاہر نہیں کرتا مگر اس پر ظاہر کر دیتا ہے کہ جس کو اپنے رسولوں میں سے پسند کر لیتا ہے۔

اور اسی طرح فرماتا ہے: وما کان اللہ لیطلعکم علی الغیب ولکن اللہ یجتبی من رسلہ من یشاء۔ یعنی خدا ایسا نہیں ہے کہ سب کو غیب پر مطلع کر دے مگر ہاں جن کو اپنے فرستادوں میں سے منتخب کر لیتا ہے انہیں غیب بتا دیتا ہے۔

اور اسی طرح فرماتا ہے وما ھو علی الغیب بضنین۔ یعنی "خدا غیب بتانے میں بخیل نہیں ہے" ان تمام آیات سے ثابت ہے کہ خدا نے اپنے پسندیدہ ذوات قدسیہ کو غیب بتایا ہے اور بخیل و کنجوس نہیں ہے۔ اور یہ امر مسلم اور محقق ہے کہ محمدؐ و آلِ محمدؐ علیہم السّلام بالتحقیق خدا کے پسندیدہ اور منتخب ہیں اور ان سے افضل خدا کے نزدیک کوئی نہیں ہے۔ لہٰذا ان حضرات کو یقیناً علمِ غیب دیا گیا ہے اور خدا نے خود ان کو تعلیم علمِ غیب دی ہے از خود یہ عالم الغیب نہیں ہیں۔ جب خدا نے قرآن مجید میں بیان کر دیا ہے کہ یہ حضرات خدا کے منتخب و پسندیدہ حضرات ہیں اور بتعلیمِ خدا عالم الغیب ہیں تو اُن کے لئے عالم الغیب کا عقیدہ رکھنا آیاتِ قرآن پر عقیدہ ہے۔ اور احادیث محمدؐ و آلِ محمدؐ علیہم السّلام سے بھی ثابت ہے تو پھر اس کا انکار جہالت ہے۔ آپ لوگ بھی پیدائشی عالم نہیں ہیں آپ کو بھی اُستادوں نے علم سکھایا ہے آپ کے معلم آپ کے عالم بننے کا سبب بنے ہیں مگر آپ لوگ علم حاصل کر کے علماء اعلام و مجتہدین کرام

بلکہ حجۃ الاسلام کہلائیں اور لکھوائیں تو جائز ہے، اور اگر خدا اپنے برگزیدہ حضرات کو علمِ غیب عطا کر دے اور وہ خود ان حضرات کا معلم ہو تو ان کو عالم الغیب کہنا غلو اور شرک ہے؟ بندہ خدا ان کو آپ اتنا پست کر رہے ہیں کہ خدا کی آیتوں اور معصومین کی حدیثوں کے انکار کا بھی خوف نہیں ہے، اپنے اجتہاد کی روشنی میں منکرِ قرآن و حدیث کے لئے فتویٰ صادر کیجئے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ حضرات معصومین علیہم السلام کا فرمان ہے کہ ہمارے احادیث کو قرآن کے مطابق کرو۔ اگر موافقت کرے تو قبول کر کو سرِ تسلیم جھکا لو اور اگر مخالفِ قرآن ہو تو دیوار پر دے مارو۔ لہٰذا اُن کے علمِ غیب پر ایمان لاؤ اور بتعلیمِ خدا عالم الغیب مانو۔ جہاں نفیِ غیب ہو اس کو سمجھو کہ از خود عالم الغیب نہیں ہیں مگر بتعلیمِ خدا یقیناً عالم الغیب ہیں جیسا کہ علامہ مجلسیؒ کی تحقیق ہے، جن کے مقابلہ میں تم جاہل ہو۔

تصرف فی الدنیا کی حدیثِ معصوم

عن ادریس عن الصادق علیہ السلام قال سمعتہ یقول ان منا اھل البیت لمن الدنیا عندہ بمثل ھذہ وعقد بیدہ عشرۃ۔

(بحار الانوار جلد ہفتم ص۳۷۲)

حضرت صادق آلِ محمد علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ بالتحقیق ہم اہلبیت میں وہ ہستیاں ہیں کہ دُنیا ان کے نزدیک اس کے مثل ہے آپ نے اپنے انگوٹھے کی جڑ میں اپنی انگشتِ شہادت کو ملا کر حلقہ بنا کر دکھایا کہ یوں ہے۔ علامہ مجلسیؒ نے اِس کی شرح اس طرح تحریر فرمائی ہے:۔

بیان عقدۃ العشرۃ بحساب العقود وھو ان تصنع راس ظفر السبابۃ علیٰ مفصل انملۃ الابھام لیصیر الاصبعان معاً کحلقۃ مدورۃ ای الدنیا عند الامام کھٰذہ الحلقۃ فی ان لہ ان یتصرف فیھا باذن اللہ کیف شاء او فی علمہ بما فیھا واحاطتہ بھا۔ (بحار الانوار ج۷ ص۳۷۲)

یعنی عقدۃ العشرہ بحساب العقود کا یہ مطلب ہے کہ انگشت شہادت کا ناخن والا سرا انگوٹھے کی جڑ پر رکھا جائے تاکہ یہ دونوں انگلی اور انگوٹھا باہم ہو کر گول حلقہ کی شکل میں ہو جائیں۔ یعنی تمام دنیا امام کے نزدیک اسی حلقہ کے مانند ہے کہ وہ باذنِ خدا اس دُنیا میں تصرف کرے جس طرح چاہے۔ یا اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کے علم میں دُنیا اور مافیہا اس حلقہ کی طرح ہیں اُس کے علمی احاطہ کی وجہ سے۔

اس تشریح حضرت علامہ مجلسیؒ سے ثابت ہو گیا کہ اُن کے نزدیک یہ عقیدہ درست ہے کہ امام دنیا پر باذنِ خدا تصرف کرتا ہے اور اس کو یہ حق حاصل ہے اور یہ بھی فرمایا کہ یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ امام کا

علمی احاطہ تمام دنیا پر اس طرح ہے کہ جیسے حلقہ بنا کر دکھایا ہے۔

غرض ان دونوں میں سے جو معنی بھی تسلیم کئے جائیں، دونوں ہی ہمارے عقیدہ کی تصدیق ہیں اور مولف کی تکذیب۔

حدیثِ معصوم میں شک کفر ہے

عن جابر قال قال ابو جعفر علیہ السلام قال رسول اللہ ان حدیث آل محمدؐ عظیم صعب مستصعب لا یومن بہ الا ملک مقرب او نبی مرسل او عبد امتحن اللہ قلبہ للایمان فما ورد من حدیث آل محمدؐ فلانت لہ قلوبکم وعرفتموہ فاقبلوہ وما اشمأزت لہ قلوبکم وانکرتموہ فردوہ الی اللہ و الی الرسول والی العالم من آل محمدؐ وانما الھالک ان یحدث احدکم الحدیث او بشیٔ لا یحتملہ فیقول واللہ ما کان ھذا واللہ ما کان ھذا والانکار لفضائلھم کفر۔ (بحار ج ۲ ص ۳۷)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے جدامجد حضرت رسولؐ خدا نے فرمایا ہے کہ آلِ محمدؐ کی شان عظیم بذاتِ خود مشکل ہے اور سمجھنے والے کے لئے بھی مشکل ہے۔ ان کی شان پر تو ملک مقرب یا نبی مرسل یا وہ عبد مومن جس کے ایمان کی آزمائش خدا کر چکا ہو ایمان لا سکتا ہے اور ان کے سوا کوئی برداشت نہیں کر سکتا پس جب تمہارے سامنے حدیثِ آلِ محمدؐ پیش ہو اور تمہارے دل اس کے قبول کرنے کے لئے جھک جائیں اور تم معرفت حاصل کر لو تو اس کو فوراً قبول کر لو۔ اور اگر تمہارے دل اچٹ جائیں تو اس کو خدا و رسول اور عالم آل محمدؐ کے سپرد کر دو کیونکہ یقیناً وہ شخص ہلاک ہو جائے گا جس کے سامنے حدیث بیان کی گئی یا کوئی شان بیان کی گئی جس کو برداشت نہ کر سکا۔ اور کہنے لگا خدا کی قسم یہ نہیں ہے واللہ یہ نہیں ہے (یعنی درست نہیں ہے)، یاد رکھو اُن کے فضائل کا انکار کفر ہے۔"

مؤلف صاحب اب آپ فرمائیے کہ آپ نے آنحضرتؐ کے ارشادِ حق پر عمل کیا ہے یا اپنی رائے سے "کلا و حاشا" کے لفظ اپنی کتاب میں تحریر کئے ہیں یعنی ہرگز ایسا نہیں خدا کی قسم ایسا نہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ اپنے علمِ غیب میں آپ کو اور آپ کی کتابوں کو ملاحظہ فرما رہے تھے کہ یہ لوگ ہمارے احادیث کو سُن کر "ہرگز ایسا نہیں ہے خدا کی قسم ہرگز ایسا نہیں ہے" کہیں گے۔ لہٰذا یہ لوگ حدیثِ پیغمبرؐ کی زد میں ہیں اب آپ اپنے مجتہدانہ انداز میں خود ہی اپنے لئے سزا تجویز کر لیجئے۔

محمدؐ و آلِ محمدؐ علیہم السّلام کو اختیار عطا و منع حاصل ہے

قرآن مجید میں حضرت سلیمان و حضرت داؤد علیہم السّلام کے ملک کبیر کا ذکر صاف صاف موجود ہے۔ اور ان کے قبضہ میں وحش و طیور، جن و انس، ہوا اور رجبال سب ہی تھے۔ ان کا تخت ہوا پر اُڑتا تھا اور ہوا اُن کے تابع تھی۔ یہ تمام واقعات قرآن مجید اور اس کی تفسیر میں موجود ہیں جس کے انکار کی جرأت کوئی مؤلف نہیں کر سکتا۔

حضرت سلیمان و داؤد علیہما السّلام کو خداوند عالم نے جو کچھ عطا فرمایا تھا وہ سب کچھ اور اس سے افضل محمدؐ و آلِ محمدؐ علیہم السّلام کو عطا فرمایا ہے جیسا کہ تفسیر آیت "رب ھب لی ملکا" الخ میں مذکور ہے چنانچہ تفسیر برہان ص ۹۱۸ میں مذکور ہے:-

وروی عن سلمان الفارسی رضی اللہ عنہ قال کنا جلوسا مع امیر المومنینؑ بمنزلہ لما بویع عمرؓ بن الخطاب قال کنت انا والحسن والحسین علیہم السّلام ومحمد بن الحنفیہ ومحمد بن ابی بکر وعمار بن یاسر والمقداد ابن اسود الکندی رضی اللہ عنہم قال لہ ابنہ الحسنؑ یا امیر المومنین ان سلیمان سال ربہ ملکا لا ینبغی لاحد من بعدہ فاعطاہ ذلک فھل ملکت مما ملک سلیمٰن بن داؤدؑ فقال والذی خلق الحبۃ وبرء النسمۃ ان سلیمٰن بن داؤدؑ سال اللہ عزوجل الملک واعطاہ وان اباک ملک مالم یملکہ بعد جدک رسول اللہ احد قبلہ ولا یملکہ احد بعدہ۔

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ امام حسن علیہ السّلام نے اپنے پدر بزرگوار حضرت امیر المومنین علیہ السّلام سے دریافت کیا جبکہ میں اور مقداد و عمار یاسر و محمد بن حنفیہ و محمد بن ابوبکر آنجناب کی خدمت میں موجود تھے اور وہ سوال یہ کیا کہ خداوند عالم سے حضرت سلیمان بن داؤدؑ نے سوال کیا تھا کہ مجھے مُلک عطا فرما، خدا نے ان کو عطا فرما دیا۔ تو کیا آپ کو بھی ایسا ہی عطا فرمایا ہے؟ تو جناب امیر المومنین علیہ السّلام نے ارشاد فرمایا قسم ہے اُس ذات کی جس نے دانہ کو شگافتہ کیا اور نفوس کو پیدا کیا ہے جناب سلیمانؑ نے خدا سے سوال کر کے ملک حاصل کیا ہے۔ اور تمہارے بابا ایسے ملک کے مالک ہیں کہ جو سلیمان کو بھی نہیں ملا اور نہ کسی اور کو ملا۔ نہ سلیمانؑ سے قبل نہ سلیمانؑ کے بعد۔ اور اس مُلک کے مالک تمہارے جد بزرگوار تھے اور ہم مالک ہیں۔" (اقتدار اہلبیت زندہ باد)

عن ابی جعفر علیہ السّلام ان اسم اللہ الاعظم علیٰ ثلثۃ وسبعین حرفا و

انما کان عند آصف منہا حرفاً واحد فتکلم بہ فخسف بالارض ما بینہ و بین سریر بلقیس حتی تناول السریر بیدہ ثم عادت الارض کما کانت اسرع من طرفۃ العین ونحن عندنا من الاسم الاعظم اثنان وسبعون حرفاً وحرف عند اللہ تبارک وتعالیٰ استاثر بہ فی علم الغیب عندہ و لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ (کافی ص۱۱۲)

امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ اسم اعظم تہتر حروف ہیں ان میں سے صرف ایک حرف آصف بن برخیا کے پاس تھا کہ جس کے ذریعہ چشم زدن میں زمین سمٹ گئی اور تختِ بلقیس کو اپنے ہاتھ سے اٹھا کر سلیمان پیغمبر کی خدمت میں پیش کر دیا اور ہمارے پاس تو بہتر حروف اسم اعظم ہیں اور خدا کے پاس حرف واحد اس کے علمِ غیب میں ہے جو اس کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور ہمیں جو قوت و طاقت حاصل ہے وہ سب خدا ہی کی عطا کی ہوئی ہے۔ (آصف ابن برخیا کا معجزہ خود ان ہی کا فعل ہے جیسا کہ آیتِ قرآن سے ثابت ہے کہ انہوں نے خود کہا ہے کہ میں چشم زدن سے پہلے تختِ بلقیس لے آؤں گا۔

سمعت ابا عبد اللہؑ یقول ان عیسیٰ بن مریمؑ اعطی حرفین کان یعمل بہما واعطی موسیٰ اربعۃ احرف واعطی ابراھیمؑ ثمانیۃ احرف واعطی نوحؑ خمسۃ عشر حرفاً واعطی آدم خمسۃ وعشرین حرفاً وان اللہ تبارک وتعالیٰ جمع ذالک کلہ لمحمدؐ وان اسم اللہ الاعظم ثلثۃ وسبعون حرفاً واعطی محمدؐ اثنین وسبعین حرفاً وحجب عنہ حرف واحد۔ (کافی ص۱۱۲)

امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جناب عیسیٰ بن مریمؑ کو خدا نے صرف دو حرف اسم اعظم عطا فرمائے تھے جن کے ذریعہ سے تمام کمالات دکھائے تھے اور جناب موسےؑ کو چار حرف عطا کئے گئے تھے اور جناب ابراہیم علیہ السلام کو آٹھ حروف عطا ہوئے تھے اور جناب اور جناب نوحؑ کو پندرہ اور جناب آدمؑ کو پچیس اور خداوند عالم نے یہ کل حروف محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرما دیئے تھے اور یہ اسم اعظم تہتر حروف ہیں۔ ان میں سے آنحضرتؐ کو بہتر حروف خدا نے عطا فرمائے ہیں، ایک حرف مخصوص خدا کی ذات سے ہے۔

اس کی تائید یہ حدیث بھی کرتی ہے جو احتجاج طبرسی ص۱۵۱ پر منقول ہے۔

قال امیر المومنین علیہ السلام والذی بعثہ بالحق نبیا ما من آیۃ کانت لاحد من الانبیاء من لدن آدمؑ الی ان انتھی الی محمدؐ الا وقد کان لمحمدؐ مثلہا او افضل منہا۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اس ذات کی قسم جس نے آنحضرتؐ کو نبی بنا کر بھیجا ہے آدمؑ سے لے کر آنحضرتؐ تک جس قدر معجزات انبیاء علیہم السلام کو دیئے گئے ہیں وہ سب کے سب اور ان سے بھی افضل آنحضرتؐ کو دیئے گئے ہیں۔ (بحار الانوار ج ۷ ص ۳۶۴)

نیز اسی کتاب احتجاج طبرسی ص ۱۵ پر امام حسن عسکری علیہ السلام سے منقول ہے جس میں کافی تفصیل کے ساتھ اکثر انبیاء کے معجزات کا ذکر ہے کہ حضرت نوحؑ نے طوفان کا معجزہ دکھایا، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے آگ گلزار بنی اور حضرت موسیٰؑ نے عصاء کو اژدہا بنایا اور حضرت عیسےٰؑ نے مردوں کو زندہ کیا اور غیب کی باتیں اور اسی طرح دیگر انبیاء کا ذکر ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ان ذواتِ مقدسہ کے اختیارات من جانب اللہ امور تخلیقی پر بھی تھے نہ یہ کہ صرف شریعت کے عالم تھے اور صرف احکامِ شریعت پہنچانے آئے تھے۔

چنانچہ کتاب کافی ص ۲۵۹ پر ہے:۔

عن ابی بصیر عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال اما علمت ان الدنیا والاٰخرۃ للامام یضعھا حیث یشاء ویدفعھا الی من یشاء جائز له ذالک من اللہ۔

ابو بصیر نے امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد بیان کیا ہے کہ آنجناب نے فرمایا کہ تمہیں معلوم نہیں ہے کہ دُنیا و آخرت امام کے لئے ہے۔ امام کو اختیار ہے کہ دُنیا کو جس طرح چاہے استعمال کرے اور جس طرح چاہے عطا کرے یہ اختیار خدا نے انہیں عطا کیا ہے۔

کتبت الی العسکری علیہ السلام جعلت فداک روی لنا ان لیس لرسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم من الدنیا الا الخمس فجاء الجواب ان الدنیا وما فیھا لرسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ (کافی ص ۲۵۹)

جناب امام حسن عسکری علیہ السلام سے لکھ کر دریافت کیا گیا کہ جناب رسالتمآبؐ کے لئے دُنیا میں سے صرف خمس یعنی پانچواں حصہ ہے؟ تو آپ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ تمام دُنیا اور جو کچھ اس میں ہے وہ سب رسول اللہؐ کی ملکیت ہے۔

عن زید الشحام قال سئالت ابا عبد اللہ علیہ السلام فی قولہ تعالیٰ ھٰذا عطاؤنا فامنن او امسک بغیر حساب قال اعطی سلیمٰن ملکا ثم جرت ھٰذہ الاٰیۃ فی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم وکان له یعطی ما یشاء من یشاء ویمنع من یشاء واعطاہ افضل مما اعطی سلیمان لقولہ تعالیٰ ما اٰتاکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنه فانتھوا۔ (تفسیر برہان ص ۹۱۸)

امام جعفر صادق علیہ السلام سے زید شحام نے اس آیت کی تفسیر دریافت کی کہ خداوند عالم

نے فرمایا ہے ھٰذَا عَطَاءُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ "یعنی یہ ہماری بخشش ہے اے سلیمان جس کو چاہو دے کر ممنون کر دیا اپنے پاس رکھو اس میں تمہیں اختیار ہے اور اس کا کوئی حساب و کتاب نہیں ہے۔"

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ بخشش خدا نے سلیمان کو دی تھی اور یہی آیت جناب رسُولِ خدا صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے لئے بھی جاری ہے اور آنحضرتؐ کو بھی اختیار ہے کہ جس کو چاہیں عطا کریں اور جس کو چاہیں محروم کر دیں۔ اور یہ بخشش سلیمان پیغمبر سے افضل و اعلے آنحضرتؐ کے لئے عطا ہوئی ہے جیسا کہ خداوند عالم نے فرمایا ہے کہ ہمارا رسُولؐ جو کچھ تمہیں عطا کر دے وُہ قبول کر لو اور جو کچھ تم سے روک لے اس سے باز رہو۔

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے "اتاکم" کے معنی مال کی بخشش اور نہا کم کے معنی مال کو روک لینا ارشاد فرماتے ہیں اور یہی مطلب ہے صادق آل محمدؐ علیہ السلام کے اس ارشاد گرامی کا کہ قرآن مجید مخصوص افراد اور مخصوص جزئیات کے لئے نازل نہیں ہوُا ہے بلکہ یہ قرآن کلیات و ضوابط کے طریقہ پر نازل ہوُا ہے۔ یعنی ایک آیت اگر کسی خاص فرد یا کسی خاص قوم یا کسی خاص جزی مقصد کے لئے آئی ہو تو اس فرد کے یا قوم کے یا جزدی معنے کے مرنے اور ختم ہو جانے کے بعد قرآن بھی مر جاتا اور ختم ہو جاتا پھر قیامت تک کے لئے حاوی نہ ہوتا۔ (علم الیقین) لہٰذا معلوم ہوُا کہ ایتاء کے دونوں معنے ہیں خواہ شریعتِ دین یا مالِ دُنیا عطا کریں، دونوں کا حق نبی و امام کو حاصل ہے۔ کیونکہ امام علیہ السلام نے اس آیت کو حضرت سلیمانؑ کی بخشش کے ذکر میں دلیل قرار دیا ہے کہ انہیں اپنی ملکیت میں جو خدا کی بخشش تھی اختیار تھا جس کو چاہیں دیں اور جس کو چاہیں نہ دیں۔ ان کو خداوند عالم نے بجہت ملک مالکِ دنیا بنایا ہے۔ اور یہ اسی طرح ہے کہ جس طرح آج دنیا کے لوگ اپنی اپنی ملکیت کے مالک ہیں لیکن حقیقی مالک خدا ہے تُوتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ۔ یعنی خدا جس کو چاہے ملک عطا کر دے اور جس سے چاہے واپس لے لے۔ اس کو اختیار حاصل ہے اس نے اس طرح کا اختیار ان ذواتِ مقدسہ کو بھی عطا فرمایا ہے اور ان کو دُنیا کا وارث و مالک قرار دیا ہے۔ جناب سلیمانؑ کو جتنا دیا اس میں ان کو اختیار دیا تھا جس کو چاہیں عطا کریں اور جس کو چاہیں محروم کریں یہ ایتاء اور منع ان حضرات کے لئے خدا کی بخشش ہے۔ البتہ خداوند عالم کو ہر وقت اختیار ہے کہ جس کو جتنا چاہے عطا کر دے اور جس سے چاہے واپس لے لے۔

تُوتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ کیونکہ مالک حقیقی وہی ہے اور یہ حضرات اسی کے وارث ہیں ان کو ملکیت کے حقوق ثانوی حیثیت سے حاصل ہیں۔ چنانچہ مولف صاحب سے بھی خدا کی قاہرانہ قوت نے یہ حقیقت تحریر کروالی ہے جیسا کہ اصول الشریعہ ص۲۰۶ پر یہ عبارت درج ہے ملاحظہ فرمائیے:۔

"والسادس التفويض في الاعطاء والمنع فان الله خلق لهم الارض وما فيها وجعل لهم الانفال والخمس والصفايا وغيرها فلهم عليهم السلام ان يعطوا ما شاءوا وان يمنعوا ما شاءوا هذا المعنى ايضاً حق يظهر من كثير من الاخبار۔ (اصول الشریعہ ص)

یعنی خداوند عالم نے زمین کی تمام چیزیں مع زمین ان ہی حضرات کے لئے پیدا کی ہیں اور انفال و خمس اور صفایا وغیرہ ان ہی حضرات کے لئے مقرر کئے ہیں۔ لہٰذا ان حضرات کو اختیار ہے کہ جس کو چاہیں عطا کریں اور جس کو چاہیں محروم کر دیں۔ اور تفویض کے یہ معنی ان ذوات مقدسہ کے لئے بالتحقیق ثابت ہیں جیسا کہ احادیث کثیرہ اس کے شاہد ہیں۔ یعنی یہ معنی ان حضرات کے لئے حق ہیں۔"

مولف صاحب کی بددیانتی آثارِ ناصبیت کی غمازی ہے

ان لوگوں نے اس کا ترجمہ بھی غلط کیا ہے اور حسب عادت مستمرہ بددیانتی کا ثبوت دیا ہے۔ اب ان کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے۔ پہلا ترجمہ ہمارا ہے:۔

"تفویض کی چھٹی قسم یہ ہے کہ ان بزرگواروں کو عطا و بخشش کرنے میں اختیار ہے کیونکہ خداوند عالم نے تمام زمین اور جو کچھ اس میں ہے ان ہی کی وجہ سے پیدا کیا ہے اور اس میں سے انفال خمس، صفایا (مال غنیمت میں سے جو عمدہ چیز نبی و امام منتخب کر لیں) وغیرہ ان کے لئے مقرر فرمائے۔ لہٰذا ان کو حق حاصل ہے کہ اپنے مال میں سے جس قدر عطا کریں اور جسے چاہیں کچھ دیں۔ اس معنی کے اعتبار سے بھی تفویض کی صحت بکثرت اخبار سے ظاہر ہوتی ہے۔"

پہلی غلطی تو اس ترجمہ کی یہ ہے کہ انہوں نے "ان کے لئے پیدا کیا ہے" کے بجائے "ان کی وجہ سے پیدا کیا ہے" لکھا ہے۔ اور ان دونوں معنے میں فرق یہ ہے۔ "ان کے لئے پیدا کیا ہے" اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ مالک ہیں جس طرح چاہیں تصرف کریں۔

اور دوسرا ترجمہ "ان کی وجہ سے پیدا کیا ہے" اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ حضرات خلقت زمین کی علت غائی ہیں مگر ملکیت کس کی ہے اور فائدہ کون اٹھائے یہ اس ترجمہ سے واضح نہیں ہوتا۔ ہم نے جو معنی تحریر کئے ہیں وہ اس لئے درست اور صحیح ہیں کہ اس کے بعد والا فقرہ یہ ہے کہ ان کو عطا کرنے اور محروم رکھنے کا اختیار ہے۔ لہٰذا یہاں لام اجلیہ نہیں ہے تملیکیہ ہے۔ ورنہ اجلیہ میں تو تمام کائنات عالم شامل ہے کیونکہ تمام خلائق ان کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے نہ کہ صرف زمین۔ دوسری غلطی یہ ہے کہ پیدا کیا ہے کے بعد کا فقرہ "اور اس میں سے" اپنی طرف سے اجتہادی نکتہ ناصبیت ہے کیونکہ عبارت میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے کہ جس کا

ترجمہ "اور اس میں سے" کیا جائے۔ مگر یہ بد دیانتی کیوں کی ہے اس کا ثبوت یہی ایزادی فقرہ ہے کیونکہ اس فقرہ کے ساتھ انفال و خمس و صفایا وغیرہ کو ملا دیا ہے تاکہ زمین میں سے صرف خمس و صفایا وغیرہ ہی کے مالک بن سکیں، ساری زمین کے مالک نہ بن جائیں۔

حالانکہ زمین و مافیہا جو ان کے لئے پیدا کی گئی ہے وہ جداگانہ عطیہ خدا ہے اور اس کے لئے لفظ "خلق لھم" ہے یعنی یہ عطیہ ان حضرات کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔

اور دوسرا ان کا حق خمس و انفال و صفایا وغیرہ ہے جو ان کے لئے جداگانہ طور پر مقرر کیا گیا ہے اور اس کے لئے لفظ "جعل لھم" ہے یعنی ان حضرات کے لئے عطیہ سابقہ کے علاوہ خمس و انفال وغیرہ بھی مقرر کیا گیا ہے۔ مگر مولف صاحب نے حسب عادت مستمرہ ناصبیانہ رنگ میں کس چالاکی سے ایک فقرہ اپنی طرف سے اضافہ کر کے عبارت کے مقصد کو بدل دیا ہے اور دو عطیوں کو ایک بنا دیا ہے اور وہ صرف خمس و انفال وغیرہ بتایا ہے۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں۔

خداوند عالم نے تمام زمین اور جو کچھ اس میں ہے انہی کی وجہ سے پیدا کیا ہے اور "اس میں سے" انفال و خمس وغیرہ ان کے لئے مقرر فرمائے"۔

اس فقرہ کی ایزادی سے مفہوم یہ ہو گیا کہ جو چیز ان کی وجہ سے پیدا کی گئی تھی اس میں سے صرف خمس وغیرہ ان کے لئے مقرر کیا ہے اور یہی ان کا مال ہے لہٰذا ان کو حق حاصل ہے کہ اس خمس وغیرہ میں سے جسے جس قدر چاہیں دیں یا نہ دیں۔ حالانکہ دو چیزیں جدا جدا تھیں مگر محمدؐ و آل محمدؐ علیہم السلام کی یہ فضیلت ان کو گوارا نہیں ہے کہ تمام زمین و مافیہا کے یہ حضرات مالک و مختار بن جائیں بلکہ صرف خمس وغیرہ جو لوگوں کے اکتسابی فائدہ میں سے پانچواں حصہ مقرر کیا گیا ہے بس اس کے یہ حضرات مالک رہیں یا انفال و صفایا وغیرہ کے لیکن زمین اور اس میں جو کچھ ہے اس کے مالک نہ ہو سکیں۔ اس مقصد کے لئے تو لام کو لام سببیہ بنایا یعنی زمین ان کی وجہ سے پیدا ہوئی مگر اس میں سے صرف خمس وغیرہ ان کے لئے مقرر کیا گیا۔

یعنی یہ حضرات لوگوں کے محتاج ہیں کہ لوگ ان کو اپنی کمائی میں سے پانچواں حصہ دیں اور جنگ کر کے جو مال غنیمت ملے اس میں سے ان کی پسند کی چیزیں ان کو ملیں۔ اور جب جنگ نہ ہو اور خمس بھی نہ ہو تو یہ حضرات ایک دھیلے کے بھی مالک نہیں۔ یہ ہے مؤلف صاحب کے ناصبیانہ اجتہاد کا کرشمہ۔ حالانکہ یہ حضرات زمین و مافیہا پر تصرف کامل رکھتے ہیں۔ جمادات، نباتات، حیوانات، انسانات، جنات، آب و ہوا سب پر حق تصرف رکھتے ہیں۔

سنگریزوں کو جواہرات بنا دیں، درختوں میں پھل لگا دیں، حیوانات سے جو خدمت چاہیں لیں۔ مرد کو عورت بنا دیں، جنات میں سرداریاں تقسیم کریں، جب چاہیں پانی برسا دیں اور ہوا تیز اور دھیمی کر دیں، زلزلہ روک دیں وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب تصرفات ان کے اقتدار میں ہیں اور ہزاروں خوارق و عادات کا ظہور و صدور ان

حضرات سے ہوتا رہتا ہے اور اب بھی ہوتا ہے۔ ان کی بارگاہوں میں تو روزانہ ہوتا ہی رہتا ہے لیکن تمام رُوئے زمین پر بھی مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔ مگر مولف صاحب نے دو چیزوں کو ایک کر دیا حالانکہ دُنیا و مافیہا کے لئے لفظ خَلَقَ ہے یعنی دنیا و مافیہا ان کے لئے بطور ملکیت خدا نے پیدا کی ہے۔ یہی وارث و مالک ملکیت خدا ہیں۔ اور دُوسری چیز یعنی خمس وغیرہ کے لئے لفظ جَعَلَ ہے یعنی لوگوں پر فرض قرار دیا ہے کہ اپنی کمائی میں سے خمس وغیرہ دیں جس طرح مالک کو ٹیکس دیا جاتا ہے تاکہ کمائی حلال ہو جائے۔

اور تیسری غلطی یہ ہے کہ سرکار علامہ نے اس اختیار و اقتدار اہلبیت کو "حق" فرمایا ہے۔ مگر مولف صاحب اپنے ترجمہ میں اس لفظ حق کو کھا گئے جس سے نیت کا پتہ لگ گیا کہ یہ حق ان کو گوارہ نہیں ہے یہ بد دیانتی قابلِ معافی نہیں ہے۔

مولّف صاحب کا اقرارِ تصرّفِ اہلبیت بعد الموت

"اصُول الشریعہ ص۱۴۱ پر رقمطراز ہیں ملاحظہ فرمائیے:۔

(اگرچہ ہم اپنے عقول ناقصہ کی نارسائی کی وجہ سے ان کی حیات طیّبہ باطنیہ برزخیہ کو نہ سمجھ سکیں یہ اور بات ہے لیکن عدم وجدان کو دلیل عدم قرار نہیں دیا جا سکتا۔ لہٰذا ان حضرات کی حیات طیبہ باطنیہ برزخیہ قرآن و حدیث کے نصوص صحیحہ و صریحہ سے ثابت ہے۔ لہٰذا ان کی موت سے ان کے آثار و تصرّفاتِ حیات منقطع نہیں ہوتے)، مولف صاحب سے خدائے قہار نے یہ اقرار لکھوا لیا ہے کہ ان ذوات مقدسہ میں ایک ایسا جوہر ذاتی ہے کہ جس کی وجہ سے یہ حضرات ظاہری موت کے بعد بھی تصرفات فرماتے ہیں اور آثار حیات ظاہر کرتے رہتے ہیں۔ یہ تصرفات جس کمال ذاتی کا نتیجہ و اثر ہیں وُہ عقول ناقصہ کی رسائی سے بالاتر ہے۔ عقل اس کا ادراک نہیں کر سکتی مگر عقل کی عاجزی کی وجہ سے اس جوہر ذاتی کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ہے حق کی چوٹ جس سے باطل کے پرخچے اُڑ گئے۔ اب تو جداگانہ نوع کا تحریری اقرار ثابت ہے۔ جادُو وہ جو سر پر چڑھ کر بولے۔ اب تو وحدت نوع سے توبہ کیجیے کیونکہ یہ تصرف نوع بشر کو حاصل نہیں ہے۔

نوعِ بشر اور محمدؐ و آلِ محمدؐ علیہم السّلام کے اختیارات میں فرق!

عام مالکوں اور ان حضرات میں یہ فرق ہے کہ مادہ کائنات ان ذواتِ مقدسہ کی اطاعت کرتا ہے کیونکہ امور تکوین و تخلیق میں ان کے تصرفات ثابت ہیں جو نوعِ بشر کی کسی فرد کو حاصل نہیں ہیں اور چونکہ طبائع بشر میں یہ کمال موجود نہیں ہے اس لئے ان ذواتِ عالیہ کے سامنے سر تسلیم خم کرنا پڑتا ہے جیسا کہ جناب

رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:۔

بل انما بعث اللّٰہ بشرا و اظہر علیٰ یدہ المعجزات التی لیست فی طباع البشر الذین علتم طباع قلوبھم فتعلمون بعجزکم عما جاء بہ انہ معجزۃ۔ (احتجاج طبرسی ص۱۵)

آنحضرتؐ نے نبی کے بشری حیثیت میں مبعوث ہونے کی وجہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ "خداوند عالم نے پیغمبروں کو بشکل بشر مبعوث فرمایا اور ان کے ہاتھوں پر ایسے معجزات کا اظہار کیا کہ جو نوع بشر کے طباع میں نہیں ہیں د نوع بشر کی ذات میں یہ فطری قوت اعجاز نہیں ہے جس کی فطری حیثیت کو تم خود جانتے ہو اور اسی وجہ سے تم تسلیم کر لیتے ہو کہ جو معجزانہ کمال نبی نے دکھایا ہے اس سے تم فطرتاً عاجز ہو۔" آنحضرتؐ کے اس ارشاد حق بنیاد سے واضح ہو گیا کہ بشر اپنی فطرت میں اس کمال سے خالی ہے۔ کیونکہ اس کی ذات میں اگر یہ کمال ہوتا تو وُہ نبی کو کبھی تسلیم نہ کرتا اور یہ کہتا رہتا کہ تم ہمارے جیسے بشر ہو لیکن جب نبی کا معجزہ دیکھتا ہے تو بشر کو اپنا عجز بشری تسلیم کرنا پڑتا ہے اور یہ بھی تسلیم کرتا ہے کہ اس کی طباع میں وُہ قوت نہیں ہے جو نبی میں موجود ہے۔

اگر نبی میں وُہ کمال ذاتی جس کے آثار میں سے خرق عادات و معجزہ ہے صرف وقتی و عارضی ہو تو جس وقت معجزہ ظاہر نہ کرے گا اس وقت اس میں اور بشر میں کوئی فرق نہ ہو گا اور اُس وقت وُہ نبی ہی نہ ہو گا۔ کیونکہ وُہ جس جوہر ذاتی کی وجہ سے نبی ہے وُہ وقتی اور عارضی قرار دیا گیا ہے۔ اور اگر وُہ عدم اظہار معجزہ کے وقت نبی ہے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس میں کوئی جوہر ذاتی موجود ہے جس کی تصدیق معجزہ سے ہوتی ہے اور وہی نبی کی فصل ممیز ہے اور وُہ طباع بشر میں نہیں ہے مگر نبی میں ہے۔ لہٰذا نبی اور عام بشر کی نوع جُدا ہے کیونکہ وُہ عدم ظہور معجزہ کے وقت بھی اسی کمال ذاتی کا حامل ہے جس کی وجہ سے نبوت عطا ہوئی ہے، اور معجزہ صرف اس کی صداقت کی دلیل یا عظمت کا ثبوت ہوتا ہے۔

مولف صاحب نے حدیث پیغمبرؐ کا ترجمہ بھی حسب عادت مستمرہ غلط کر کے اپنی بد دیانتی کا مزید ثبوت دیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:۔

"خداوند عالم نے بشر کو منصب رسالت پر فائز کر کے بھیجا اور اس کے ہاتھوں پر ایسے معجزات ظاہر فرمائے جو انسانی طاقت و قدرت سے باہر ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جس امر کے لانے سے انسان عاجز ہے وُہ معجزہ ہے۔" (اصول الشریعہ ص۱۲۶)

اس ترجمہ میں غلطی یہ ہے کہ "بعث" کا ترجمہ "بشر کو منصب رسالت پر فائز کر کے بھیجنا" تحریر کیا ہے حالانکہ نبی مبعوث برسالت ہوتا ہے نہ کہ بشر مبعوث برسالت ہوتا ہے۔

"بعث" صیغہ ماضی ہے جس کا فاعل خدا ہے اور مفعول نبی ہے اور "بشراً" بصورت تمیز ہے۔

جس کے معنی یہ ہیں کہ خدا نے نبی کو بحیثیت بشر مبعوث فرمایا یعنی بشر کی شکل میں بھیجا۔ نبی پہلے سے تھا جس کو بھیجا گیا ہے نہ کہ بشر کو نبی بنایا گیا ہے۔

لہذا مبعوث نبی ہوتا ہے نہ کہ بشر جس کا ذکر آنحضرتؐ نے ابتدائے حدیث میں فرمایا ہے اور نبی کی بشریت ہی کا فلسفہ بیان کرنا مقصود ہے۔ یعنی حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بشریت نبی کا فلسفہ بیان کیا ہے نہ کہ رسولیت کا فلسفہ۔ چنانچہ خود موئف صاحب بھی اس کا اعتراف ایک سطر اوپر کر چکے ہیں ملاحظہ فرمائیے:۔

مجناب رسولؐ خدا ایک طویل حدیث میں مشرکین کے اوپر احتجاج کرتے ہوئے اور بشریت رسولؐ کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں (ملاحظہ ہو اصول الشریعہ ص۱۳۶)۔

موئف صاحب! عوام کو دھوکہ نہ دیجئے ان بدیا نتیوں سے نبی و امام کو اپنی نوع میں داخل نہیں کر سکتے۔ آپ بشر کو مبعوث برسالت کرنا چاہتے ہیں تو پھر جو نبی چالیس سال تک مبعوث نہیں ہوا وہ صرف خالص بشر ہوگا جوہر نبوت سے خالی ہوگا کیونکہ آپ کو اس کے جوہر نبوت کا علم اس وقت ہوتا ہے جب وہ اظہار نبوت کرتا ہے مگر عدم اظہار نبوت سے یا آپ کے عدم علم سے اس کا جوہر ذاتی تو معدوم نہیں ہوتا مگر آپ کے نظریہ سے وہ خالص بشر ہوگا جو قطعاً غلط ہے۔ اور ان دونوں صورتوں میں یوں فرق سمجھئے کہ بشریت دی جاتی ہے رسول کو نہ کہ بشر کو رسولیت دی جاتی ہے۔ لہذا آپ بشر کو رسول نہ کہئے بلکہ رسول کو بشر کہئے یعنی ہر رسول بشر ہوتا ہے جبکہ اس کی امت بشر ہو، مگر ہر بشر رسول نہیں ہوتا۔

بشریت موخر ہوتی ہے اور نبوت مقدم ہوتی ہے کنت نبیاً و آدم بین الماء والطین میں اس وقت نبی تھا جب آدمؑ آب و گل میں تھے۔" فرمائیے نبوت پہلے تھی یا بشریت۔ اور جب بشریت بعد میں ہے تو رسول کو بشر بنایا ہے نہ کہ بشر کو رسول۔ نیز ترجمہ میں ایک چالاکی یہ کی ہے کہ طبائع بشر کا ترجمہ عام طاقت وقدرت لکھا ہے حالانکہ اس سے فطری وطبعی قوت مراد ہے۔ یعنی بشر کی خلقت وطبائع میں یہ طاقت نہیں ہے الا امام و نبی کی طبائع میں ہے۔

ہم تو یہ کہتے ہیں کہ خداوند عالم نے جو ذاتی کمال ان حضرات کو عطا کیا ہے اور علم وحکمت سے مالا مال کر دیا ہے یہ معجزات اسی کے آثار ہیں اور اسی وجہ سے کائنات عالم پر تصرفات کرتے ہیں اور یہ کمال یقیناً عطیہ خداوندی ہے جو ان کی خلقت میں ہے۔

"وسخر لکم ما فی السمٰوات وما فی الارض وسخر لکم اللیل والنھار والشمس والقمر والنجوم مسخرات بامرہ"

یعنی "اے حضرات" خداوند عالم نے تمہاری اطاعت میں دے دیئے ہیں آسمانی اور ارضی تمام اشیأ اور شب و روز اور آفتاب و ماہتاب بھی تمہاری اطاعت میں دے دیئے ہیں اور ستارے

بھی بامر خدا مسخر ہیں۔"

اگر تسخیر کے حقیقی معنی "انقیاد تام اور اطاعت کلی" کا مطالعہ کرنا ہو تو اس آیت کے مصداق کامل محمدؐ و آل محمد علیہم السلام ہیں۔ کیونکہ تسخیر حقیقی ان ہی ذوات مقدسہ کے لئے ثابت ہے۔ رجعت شمس سے تبدیلی لیل و نہار انشقاق قمر اور ستاروں کا نزول ان کے گھر آسمنے والے ستاروں کی قسم ؛ یہ سب امور اسی گھرانے کے لئے مخصوص ہیں۔

حضرات محمدؐ و آل محمد علیہم السلام قلب عالم ہیں

یوسف بن یعقوب کہتے ہیں کہ میں حضرت صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا جبکہ آپ کی حضوری میں آپ کے صحابہ کی ایک جماعت بھی تھی جس میں حمران ابن اعین و مومن طاق و ہشام ابن سالم اور طیار اور اس کی جماعت بھی تھی اور آپ کی بزم میں ہشام بن حکم بھی فردکش تھے۔ وہ جوان عمر تھے اس وقت صادق آل محمد علیہ السلام نے فرمایا اے ہشام! انہوں نے عرض کی لبیک یابن رسول اللہ۔ آپ نے فرمایا اے ہشام تم نے عمرو بن عبید سے جو مناظرہ کیا تھا وہ ذرا سناؤ۔ ہشام نے عرض کی میں آپ پر فدا ہو جاؤں یابن رسول اللہ آپ جیسی ہستی کے سامنے کس طرح بیان کروں زبان لکنت کرتی ہے۔

حضرت نے فرمایا اے ہشام ہمارا حکم ہے اور تمہارا تعمیل کرنا فرض ہے۔ ہشام نے عرض کی مولا مجھے خبر ملی کہ عمر بن عبید جامع مسجد بصرہ میں اپنے حاشیہ نشینوں کے ساتھ مسند نشین ہے اور مسائل دینی بیان کرتا ہے۔ مجھے یہ بات ناگوار گزری اور میں اس کی طرف روانہ ہو گیا۔ روز جمعہ تھا مسجد جامع میں اجتماع عظیم تھا اور عمر بن عبید درمیان میں مسند نشین تھا۔ اس نے سیاہ چادر باندھی ہوئی تھی اور سر پر کملی اوڑھی ہوئی تھی۔ لوگ اس سے مسائل دریافت کر رہے تھے۔ میں بھی مجمع کو چیرتا ہوا اس کے حاشیہ نشینوں کے آخر میں دو زانو جا بیٹھا۔ اور میں نے عرض کی اے عالم میں ایک مسافر ہوں۔ کیا مجھے اجازت ہے کہ آپ سے کوئی مسئلہ دریافت کروں۔ اس نے کہا کہ شوق سے پوچھو۔ میں نے سوال کیا کہ کیا آپ کی آنکھیں ہیں؟ اس نے کہا بیٹا یہ بھی کوئی مسئلہ ہے جو مجھ سے دریافت کر رہے ہو۔ میں نے کہا مجھے تو یہی دریافت کرنا ہے۔ اس نے کہا اگرچہ یہ بے وقوفی کا سوال ہے مگر دریافت کر کیا چاہتا ہے۔ میں نے عرض کی کہ آپ کی آنکھیں ہیں؟ اس نے کہا ہاں۔ میں نے کہا کہ ان آنکھوں سے آپ کیا کام لیتے ہیں؟ اس نے کہا کہ رنگ اور صورتیں دیکھتا ہوں۔ میں نے کہا کہ آپ کی ناک ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ میں نے کہا اس سے آپ کیا کرتے ہیں اس نے کہا کہ میں بو سونگھتا ہوں کہ خوشبو ہے یا بدبو۔ پھر میں نے کہا کہ آپ کی زبان ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں۔ میں نے پوچھا اس سے آپ کیا کرتے ہیں اس نے کہا کہ گفتگو کرتا ہوں۔ میں نے کہا کیا آپ کے کان ہیں؟ اس نے کہا کہ ہاں ہیں۔ میں نے پوچھا ان سے آپ کیا کرتے ہیں اس نے کہا کہ ان سے آوازیں سنتا ہوں۔ پھر میں نے پوچھا آپ کے ہاتھ ہیں؟ اس نے کہا

کہ ہاں ہیں۔ مَیں نے پُوچھا ان سے آپ کیا کرتے ہیں اس نے کہا کہ ان ہاتھوں سے چیزوں کو پکڑتا ہوں اور نرم و سخت کا پتہ لگاتا ہوں۔ پھر میں نے پُوچھا کہ آپ کے پاؤں ہیں؟ اُس نے کہا کہ ہاں۔ میں نے کہا کہ آپ ان سے کیا کرتے ہیں اس نے کہا کہ ایک جگہ سے دُوسری جگہ آتا جاتا ہوں۔ میں نے کہا کہ آپ کا دہن ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں ہے۔ میں نے کہا کہ آپ اس سے کیا کرتے ہیں اس نے کہا کہ اس سے کھانوں کے ذائقے چکھتا ہوں۔ پھر میں نے کہا کیا آپ کا دِل ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں۔ میں نے پُوچھا کہ اس سے آپ کیا کرتے ہیں اس نے کہا کہ میرے یہ اعضاء جن کا ذکر کیا گیا ہے جو کام کرتے ہیں اس کا امتیاز کرتا ہوں کہ دُرست کیا ہے یا غلط کیا ہے۔ پھر میں نے کہا کہ یہ اعضاء جو کچھ کرتے ہیں، یہی کافی نہیں ہیں کہ خود امتیاز کر سکیں؟ اس نے کہا کہ نہیں۔ پھر میں نے کہا کہ کیونکر کافی نہیں ہیں جبکہ یہ تمام اعضاء صحیح و دُرست ہیں اس نے کہا کہ اے بیٹا یہ اعضاء جب شک کرتے ہیں کہ دُرست کام کیا ہے یا نہیں یعنی ناک سے ٹھیک سونگھا ہے یا نہیں اور آنکھ نے دُرست دیکھا ہے یا نہیں اور زبان نے صحیح چکھا ہے یا نہیں، اس کا فیصلہ یقین حاصل کرنے کے لئے دل کے حوالہ کرتے ہیں اور دل فیصلہ کرتا ہے کہ انہوں نے اپنا اپنا کام دُرست کیا ہے یا نہیں۔ یعنی یقین حاصل کرنے کے لئے دل کی ضرورت ہے اور اسی دل کے ذریعہ شک رفع ہو جاتا ہے۔

ہشام کہتے ہیں کہ مَیں نے اُس سے کہا کہ معلوم ہُوا کہ خداوند عالم نے دل کو اس لئے قائم کیا ہے کہ اعضاء کے شکوک رفع ہو جائیں اس نے کہا کہ بے شک ورنہ اعضاء کے شکوک رفع نہ ہوں گے۔

پھر میں نے کہا کہ ابو مروان خداوند عالم نے تمہارے اعضاء کو یونہی نہیں چھوڑا جب تک کہ ان کے لئے امام نہیں بنایا جو صحیح کو صحیح ثابت کرے اور شک کو دُور کرے، پھر کس طرح وُہ اس تمام مخلوقات کو بغیر ایسے امام کے چھوڑ دے گا کہ وُہ حیرت و شک میں پڑے رہیں اور کوئی اختلاف دُور کرنے والا نہ ہو جبکہ تمہارے اعضاء جسم کو امام دے دیا ہے جو حیرت کو دُور کرتا ہے۔

یہ سُنکر عمر بن عبید خاموش ہو گیا اور کچھ نہیں کہا۔ پھر میری طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا کہ کیا تم ہشام ہو؟ میں نے ظاہری طور پر کہا کہ نہیں۔ اس نے کہا کہ کیا ان کے ہم صحبت رہتے ہو؟ میں نے کہا کہ نہیں۔ کہنے لگا پھر تم کس جگہ سے تعلق رکھتے ہو؟ میں نے کہا کہ کوفہ سے۔ تو اس نے کہا کہ پھر تو تم ہی ہشام ہو۔ اس کے بعد اس نے مجھے سینے سے لگایا اور اپنے پاس مسند پر بٹھایا۔ اور جب تک میں بیٹھا رہا وہ بالکل خاموش رہا اور کچھ نہ بولا۔

یہ سُنکر حضرت صادق آل محمد علیہ السّلام مسکرائے۔ پھر فرمایا اے ہشام تمہیں کس نے یہ تعلیم دی ہے میں نے عرض کی یا ابن رسُول اللہ یہ علم آپ ہی سے تو لیا ہے۔ حضرت نے فرمایا اے ہشام جو کچھ تم نے کہا ہے صحف ابراہیم و موسیٰ میں بخدا یہی لکھا ہُوا ہے۔

اس حدیث سے ثابت ہُوا کہ امام درحقیقت تمام خلائق کا قلب ہے اور یہی اصلاح خلق و تدبیر امور اور نظام عالم کا مدبر ہے اور اسی لئے اس کو وجہ اللہ کہتے ہیں۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے بھی خطبہ شقشقیہ میں اپنی ذات والا صفات کو قطب فرمایا ہے۔ یعنی جس طرح چکی کو اپنا فریضہ انجام دینے کے لئے قطب کی ضرورت ہے اسی طرح نظام عالم کے لئے بھی امام کی ضرورت ہے۔

عن حسن بن زیاد قال سمعت اباعبد اللہؑ یقول ان الارض لا تخلو من ان یکون فیھا حجۃ عالم ان الارض لا یصلحھا الا ذالک ولا یصلح الناس الا ذالک۔

(علم الیقین ص ۹۰)

حسن بن زیاد سے منقول ہے کہ حضرت صادق آلِ محمد علیہ السلام نے فرمایا کہ بالتحقیق زمین حجت عالم سے خالی نہیں رہ سکتی۔ یقیناً زمین کی اصلاح و تدبیر بھی حجت خدا کرتا ہے اور لوگوں کی اصلاح بھی حجت خدا کا کام ہے۔ ان تمام احادیث سے ثابت ہے کہ حجت خدا صرف احکامِ شرعیہ ہی پہنچانے کے لئے نہیں آتے ہیں بلکہ ان کے سپرد دونوں امور ہیں اصلاح و تدبیر خلائق، اور تعلیم احکامِ شریعت جو آثاری فوائد ہیں۔ لہٰذا ان کو احکامِ شریعت کا صرف عالم ماننا، اور تکوینی امور و تدبیر عالم سے محروم کرنا ناصبیت کے آثار ہیں۔

(وجودِ حجّت سبب بقاء عالم ہے)

عن جابر عن ابی جعفر قال قلت لای شئ یحتاج الی النبیؐ والامامؑ فقال لبقاء العالم علی صلاحہ۔ (بحار الانوار ج ص)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا ہے جبکہ جابر بن عبداللہ انصاری نے حضرت باقر العلوم سے سوال کیا کہ یا ابن رسول اللہ وہ کیا چیز ہے جس کے لئے نبی و امام کی ضرورت ہے؟ حضرتؑ نے فرمایا بقائے عالم کے لئے ضرورت ہے کہ عالم کا نظام قائم اور درست رہے۔ ان شواہد و دلائل کے بعد بھی اگر مولف صاحب کو اصرار ہے کہ محمد و آلِ علیہم السلام صرف احکامِ شریعت پہنچانے کے لئے خلق ہوئے ہیں اور یہ حضرات صرف معلّم شریعت ہی کی حیثیت رکھتے ہیں اور بس! تو پھر یہ لوگ ان ذواتِ مقدسہ کی خلقت کی غرض و غایت قرار پائیں گے یعنی ان لوگوں کو جو نوع بشر میں انبیاء و آئمہ علیہم السلام کو داخل کر رہے ہیں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ حضرات ان لوگوں کو شریعت کی تعلیم دینے آئے ہیں اور اس کے سوا ان کی غرض خلقت کا کوئی سبب ہی نہیں ہے یعنی مولف صاحب اور ان کا ٹولہ ہی علت غائیہ وجود محمدؐ و آلِ محمد علیہم السلام ہو جائے گا یعنی اگر یہ لوگ نہ ہوتے اور بشر کا وجود نہ ہوتا، تو محمد و آلِ محمد علیہم السلام کو خدا پیدا ہی نہ کرتا۔ وہ چاہتا تھا کہ ان لوگوں کو علم دین پڑھایا جائے اور ان کو حجۃ الاسلام والمسلمین اور صدر المحققین والمجتہدین کا لقب دیا جائے لہٰذا محمد و آلِ محمد علیہم السلام کو پیدا کیا گیا اور یہی ٹولہ ان

کے نبی و امام بننے کی غرض و غایت ہے۔

کیا اس سے بھی زیادہ کوئی کفر ہو سکتا ہے اور اس سے بھی زیادہ کوئی توہینِ اہلبیت ہو سکتی ہے۔ اگر ان ہی گردانیوں کی وجہ سے محمدؐ و آل محمد علیہم السلام کا وجود ہوا ہے (توبہ! نعوذ باللہ!!) تو پھر ان مُلّاؤں کی پرستش کرنی چاہئے کیونکہ جو ذواتِ مقدسہ علتِ غائی کائنات ہیں یہ بہروپیہ ٹولہ ان کو اپنی غرض خلقت بتاتا ہے۔ یعنی یہ مُلّا نہ ہوتے تو یہ ذوات مقدسہ پیدا ہی نہ ہوتے۔

اگر مؤلف صاحب یہ فرمائیں کہ حضرات معصومین علیہم السلام علت غائی ممکنات ہیں تو پھر ان کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ ذواتِ مقدسہ ان سے پہلے موجود ہیں اور جب ان کا وجود ثابت ہے اور بشر کا وجود ان کے بعد ہے۔ بلکہ کل عالم کا وجود ان کے بعد ہے تو پھر ان حضرات کو بشر کس مُنہ سے کہتے ہو۔ بشر تو بشر ہے، بشر جس سے خلق ہوا ہے وُہ جزو بھی نہ تھا یعنی نہ پانی تھا نہ مٹی جس سے ابوالبشر پیدا کئے گئے۔ جب ابوالبشر علیہ السلام ان کے بعد مخلوق ہوئے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان حضرات کا وجود قبل وجود بشریت ہے۔ اور جب اس وجود کو تسلیم کر لیا، تو پھر بشریت ان کی جنس اور شکل و صورت ہوئی اور وجود اقلی فصل ممیز ہوا یعنی بشر نورانی ہوئے ان کی نوع علیحدہ ہو گئی۔ جب تک یہ متکبرانہ رفتار ترک کر کے سر تسلیم جھکا کر ان کی معرفت نورانیہ حاصل نہیں کریں گے اس وقت تک یہ لوگ اس طرح اپنے باطل نظریہ کی وجہ سے دھکے کھاتے رہیں گے اور خدا کے خاص بندے اہلبیت طاہرین کے خاص موالی ان پر تکبر کی سزا میں وہی کچھ نچھاور کریں گے جو ابلیس کے لئے قرآن میں ہے۔

ابن قبل الاب کا سوال

قال ابن عباس انا کنا عند رسول اللہ فاقبل علی ابن ابی طالب علیہ السلام فلما راٰہ النبی تبسم فی وجہہ وقال مرحبا بمن خلقہ اللہ قبل اٰدم باربعین الف عام فقلت یا رسول اللہ اکان الابن قبل الاب قال نعم ان اللہ خلقنی وخلق علیا قبل ان یخلق اٰدم بھذہ المدۃ خلق نورا فقسمہ نصفین فخلقنی من نصفہ وخلق علیا من النصف الاٰخر قبل الاشیاء فکانت مظلمۃ فنورھا من نوری ونور علی ثم جعلنا عن یمین العرش ثم خلق الملائکۃ فسبحنا فسبحت الملائکۃ وھللنا فھللت الملائکۃ کبرنا فکبرت الملائکۃ فکان ذالک من تعلیمی وتعلیم علی۔ (بحار الانوار جلد ہفتم ص ۴۸۱)

عبداللہ بن عباس کا بیان ہے کہ مَیں آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر تھا کہ علی بن ابی طالب علیہ السلام تشریف لائے۔ جب آنحضرت صلعم نے اُن کو دیکھا تو مسکرائے اور فرمایا مرحبا اس کے لئے جس کو خدا نے آدم سے چالیس ہزار سال پہلے پیدا کیا ہے۔ پس میں نے عرض کی یا رسول اللہ

کیا بیٹا بھی باپ سے پہلے ہوتا ہے تو آنحضرتؐ نے فرمایا ہاں سُنو بالتحقیق خداوند عالم نے مجھے اور علیؑ کو اس مدت مذکورہ کے مطابق آدمؑ سے پہلے پیدا کیا خدا نے ایک نور کو پیدا کیا اور اس کے دو حصّے کئے۔ نصف میں ہوں اور نصف علیؑ ہیں تمام اشیاء سے پہلے۔ پھر ہمیں عرش کے داہنی جانب قرار دیا (عرش بھی نور کے بعد ہی بنا تھا) پھر ملائکہ کو پیدا کیا۔ پھر ہم نے تسبیح کی اور ہماری تسبیح سے فرشتوں نے تسبیح کی اور ہم نے تہلیل کی اور ہماری تہلیل (لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ) سے فرشتوں نے تہلیل کی۔ ہم نے تکبیر کی اور ہماری تکبیر سے فرشتوں نے تکبیر کی۔ اور یہ تسبیح و تہلیل و تکبیر میری اور علیؑ کی تعلیم کی وجہ سے ہے جس کو فرشتوں نے ہم سے سیکھا ہے"۔

موئلف صاحب فرمائیں کہ یہ حضرات تو معلم ملائکہ ہیں پھر فرشتے ان کو کیسے تعلیم دے سکتے تھے۔ فرشتے تعلیم دینے نہیں آتے تھے بلکہ کارسفارت خدا انجام دیتے تھے یا ان ذواتِ مقدسہ کی خدمات کے لئے آتے تھے۔

اس حدیث سے یہ بھی صراحۃً ثابت ہو گیا کہ آدم علیہ السلام جو ابو البشر ہیں ان سے پہلے ان کے فرزند تھے۔ یعنی نورانی حیثیت سے وہ حضرت آدم علیہ السلام سے پیشتر تھے اور بشری شکل میں حضرت آدمؑ کے بعد تھے لہٰذا یہ آدمؑ کے لئے علّتِ غائی ہونے کے لحاظ سے باپ کی حیثیت رکھتے ہیں اور بشری شکل کے لحاظ سے آدم علیہ السلام کے بیٹے کی حیثیت سے ہیں اور لقب ابو تراب و ابو طاہر اسی مطلب کی طرف اشارہ ہے۔

مگر موئلف صاحب چونکہ سر کی آنکھیں تو رکھتے ہیں، دل کی آنکھیں نہیں رکھتے اس لئے انہیں ظاہری حال کا علم ہے اور اس پر ایمان ہے مگر باطن کا علم نہیں ہے کیونکہ اس کا تعلق باطنی آنکھ سے ہے اور وہ ان لوگوں کو نصیب ہی نہیں ہوئی اس لئے نوع نوع کی رٹ لگا رہے ہیں۔ حالانکہ موئلف صاحب تو عراق میں رہے ہیں اور زیارت سے بھی مشرف ہوتے ہوں گے اور اس میں یہ کلمات بھی پڑھتے ہوں گے :۔

"السلام علیکم و علیٰ ظاھرکم و علیٰ باطنکم و علیٰ شاھدکم و علیٰ غائبکم"۔

اگر پڑھتے تھے تو کیا انہیں ظاہر و باطن کا فرق معلوم نہ ہو سکا۔ اور اگر سمجھتے تھے تو ان ذوات مقدسہ کی ظاہری بشریت کے ساتھ باطنی نورانیت کے پہلو کو بھی ملحوظ رکھ کر پھر ان کی نوع کو سمجھیں اور اپنی نوع کا قیاس ترک کر کے معرفت صحیح معرفت نورانیہ حاصل کریں۔

"این سعادت بزورِ بازو نیست"

عالمین سے مراد یہی حضرات ہیں!

عن ابی سعید الخدری قال کنا جلوسا مع رسول اللہ اذ اقبل الیہ رجل فقال یارسول اللہ اخبرنی عن قول اللہ عزوجل لابلیس استکبرت ام کنت من

العالین فمن ھم یارسول اللہ الذین ھم اعلیٰ من الملائکتہ فقال رسول اللہ انا وعلی وفاطمۃ والحسن والحسین وکنا فی سرادق العرش تسبح اللہ وتسبیح الملائکۃ بتسبیحنا قبل ان یخلق عزوجل آدم بالفی عام فلما خلق اللہ عزوجل آدم امر الملائکتہ ان یسجدو الہٗ ولو یامرنا بالسجود فسجدت الملائکۃ کلھم الا ابلیس فانہ ابیٰ ان یسجد فقال اللہ تبارک وتعالیٰ استکبرت ام کنت من العالین ای من ھؤلاء الخمس المکتوب اسمائھم فی سرادق العرش فنحن باب اللہ یؤتی منہ بنا یھتدی المھتدون فمن احبنا احبہ اللہ واسکنہ جنتہٗ ومن ابغضنا ابغضہ اللہ واسکنہ نارہ ولا یحبنا الا من طاب مولدہ۔ (بحار الانوار علامہ مجلسیؒ جلد ہفتم ص ۲۴۸)

جناب ابوسعید خدری کا بیان ہے کہ ہم جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک شخص آیا اور اس نے آنحضرتؐ سے سوال کیا کہ قرآن مجید میں خداوند عالم نے ابلیس سے فرمایا ہے کہ اے ابلیس تو نے سجدہ کیوں نہیں کیا۔ کیا تکبر کیا یا عالین میں سے ہے۔ اس لفظ عالین سے مراد کون ہیں جو ملائکہ سے افضل ہیں کہ ان کو سجدۂ آدم کا حکم نہیں ہوا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا وہ عالین میں اور علیؑ اور فاطمہؑ اور حسن اور حسین ہیں۔ ہم حجاب ہائے عرش میں خدا کی تسبیح کرتے تھے اور ملائکہ ہم سے تسبیح سیکھ کر ہماری طرح تسبیح کرتے تھے۔ اور یہ واقعہ آدمؑ صفی اللہ سے دو ہزار سال پہلے کا ہے۔ پس جب خدا نے آدمؑ کو پیدا کیا اور فرشتوں کو سجدۂ آدم کا حکم دیا۔ اور ہمیں حکم سجدہ نہیں دیا۔ پس کل ملائکہ نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے سجدہ سے انکار کیا اس وقت خداوند عالم نے ارشاد فرمایا اے ابلیس کیا تو نے تکبر کیا ہے یا تو عالین میں سے ہے یعنی ان پنجتن میں سے ہے کہ جن کے اسمائے گرامی بھی حجاب ہائے عرش پر مکتوب ہیں۔ پس ہم باب اللہ ہیں ہمارے ہی ذریعہ خدا تک پہنچا جاتا ہے۔ ہمارے ذریعہ ہدایت پانے والے ہدایت پاتے ہیں (یعنی خدا اور اس کے خلائق کے درمیان ہم وسیلہ ہیں) پس جو شخص ہم سے محبت کریگا خدا اس سے محبت کرے گا اور اس کو ساکنِ جنت بنائے گا اور جو ہم سے بغض رکھے گا خدا اس سے بغض رکھے گا اور اس کو داصلِ جہنم کرے گا۔ اور یاد رکھو ہم سے وہی محبت کرے گا جس کی ولادت صحیح ہے (یعنی حلال زادہ ہے)۔

اس حدیث مبارک میں بھی ان ذواتِ مقدسہ کی خلقتِ اوّلی نوری کا ثبوت صراحتہً موجود ہے اور اس میں صاف صاف بتا دیا گیا ہے کہ ہماری یہ خلقت تمام اشیاء سے پیشتر ہے۔ ہماری اس خلقت پر ایمان لانا ضروری ہے، اور قرآن مجید میں ہم ہی عالین کے مصداق ہیں۔ ہم فرشتوں کے معلم ہیں ہم ملائکہ کے ہادی ہیں بلکہ تمام عالم کے

ہادی ہیں تمام خلائق نے ہم ہی سے ہدایت حاصل کی ہے اور اس کا انکار وُہ کرے گا جس کی ولادت صحیح نہیں ہے یعنی جو حلال زادہ نہیں ہے۔ لہٰذا ان کا معلم سوائے خدا کوئی نہیں ہے؛ اب کسی فرشتہ کو ان کا معلم نہ بنانا ورنہ...

مولف صاحب فرمائیں اگر یہ ذوات مقدسہ نوعِ بشر کے علاوہ دیگر انواعِ عالم کے بھی ہادی ہیں اور یہ حضرات عالم انوار میں آدمؑ سے پہلے مرتبۂ نبوت پر فائز تھے ابھی آدمؑ روح و جسد میں تھے جیسا کہ احتجاج طبرسی ص۲۳ پر آنحضرتؐ کا ارشاد ہے تو آپ کو اپنی نوع کے لئے ہادی اس شرط پر تسلیم کرنے کا اصرار ہے کہ پہلے یہ حضرات آپ کی نوع قرار پائیں تب آپ کے ہادی ہوں گے اگر ایسا نہ ہوگا تو آپ ان حضرات کو ہادی تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں، تو آپ یہ فرمائیے کہ اگر دیگر انواع بھی یہی سوال کریں تو اُن کے لئے بھی اِن حضرات کو اُن ہی کی نوع بننا پڑے گا، ورنہ ہدایت نہیں کر سکتے۔ اور اگر ملاءِ اعلیٰ کی نوع بن گئے تو آپ کی نوع نہیں رہے؛ اور اگر آپ کی نوع میں شامل ہو گئے تو ملاءِ اعلےٰ کے ہادی نہیں رہے۔ لہٰذا آپ کو اپنی نوع والے عقیدہ سے دست بردار ہونا ہی پڑے گا اور ہماری طرح ان حضرات کو صرف جنس میں اور صرف صورت و شکل میں ہادیٔ بشر تسلیم کرنا پڑے گا، اور اسی طرح دیگر انواع کے لئے بھی اجناس بدلتے رہیں گے۔ فصلِ ممیز صرف وہی کمالِ الٰہی ہوگا جس کے آثار یہ ہیں کہ وُہ تمام عالم کے ہادی و رہبر ہیں۔ اور یہی معنی ہیں اس حدیث کے جس میں ان حضرات نے فرمایا ہے کہ ہم سب کے سب محمدؐ ہیں۔ یعنی وہی کمالِ الٰہی سب میں ہے جس کی وجہ سے محمدیت میں مساوی ہیں۔ اشکال و اشخاص و اشباح کے لحاظ سے چودہ ہیں ورنہ کمالِ ذاتی ایک ہی ہے جو سب میں مشترک ہے۔ لہٰذا ان حضرات کی ذوات مقدسہ کے لئے ہدایت رسالت، امامت، خلافت وغیرہ اسی کمال کی وجہ سے حاصل ہیں جس کے سمجھنے سے مولف صاحب قاصر، مجتہدین عاجز، علمائے اسلام سرگرداں، حجت الاسلام سر بگریباں ہیں؛ اور اپنے عدمِ علم کی وجہ سے اپنی نوع میں شامل کرنا چاہتے ہیں۔ مگر یہ خود ذلیل ہوں گے، ان حضرات کی ذوات مقدسہ اپنے مراتبِ عالیہ پر فائز ہی رہیں گے، وُہ کبھی پست نہیں ہو سکتے جن کو خدا نے عالین بنایا ہے۔

کل ملاءِ اعلےٰ شعارِ محمدؐ و آلِ محمدؐ ہیں

قال رسول الله صلے الله علیه وآله وسلم خلقنا الله حیث لا سماء مبنیة و لا ارض مدحیة ولا عرش ولا جنة ولا نار کنا نسبحه حین لا تسبیح ونقدسه حین لا تقدیس فلما اراد الله بد و الصنعة فتق نوری فخلق العرش فنور العرش من نوری ونوری من نور الله وانا افضل من العرش ثم فتق من نور ابن ابی طالب فخلق منه الملائکة من نور ابن ابی طالب ونور ابن ابی طالب من نور الله ونور ابن ابی طالب افضل من الملائکة ۔ (بحار ج۷ ص۲۵۳)

جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا ہے کہ خداوند عالم نے ہمیں اس وقت پیدا کیا جب نہ آسمان کا شامیانہ تھا

نہ زمین کا فرش تھا نہ عرش تھا، نہ جنت نہ دوزخ، ہم اس وقت تسبیح کرتے تھے جب تسبیح کا وجود نہ تھا اور ہم اس وقت تقدیس کرتے تھے جب تقدیس کا وجود نہ تھا۔ پس خداوند عالم نے ابتدائے صنعت کا ارادہ فرمایا یعنی جب صانع نے اپنی صنعت کا ظہور فرمایا تو اس طرح ہوا کہ خدا نے میرے نور کی شعاع نکال کر عرش کو پیدا کیا لہٰذا عرش کا نور میرے نور کی شعاع ہے اور میرا نور خدا کے نور کی شعاع ہے اور میں اسی لئے افضل ہوں۔ پھر علی ابن ابی طالب کے نور کی شعاع نکالی اور ملائکہ کو پیدا کیا لہٰذا ملائکہ علی ابن ابی طالب کے نور کی شعاع ہیں اور ان کا نور خدا کے نور کی شعاع ہے اسی لئے علی ابن ابی طالب تمام ملائکہ سے افضل ہیں۔ الی آخر الحدیث۔ مکمل حدیث حقائق الوسائط جلد دوم میں ملاحظہ کریں۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ محمد و آل محمد علیہم السلام کا نور آفتاب وجود خلائق ہے اور نورِ عرش و نورِ ملائکہ ان کی شعاع ہے۔ نور اور اس کی شعاع میں فرق ہے لہٰذا دراصل تمام کائنات کا مبدءِ فیض خدا ہے۔ یعنی اسی کے وجودِ حقیقی کی شعاع محمد و آل محمد ہیں اور ان حضرات کی ذوات مقدسہ کی شعاع عرش اور ملائکہ ہیں۔ لہٰذا ملائکہ اور عرش ان حضرات کی نوع نہیں ہیں اور نہ کبھی فرشتوں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ محمد و آل محمد علیہم السلام ہماری نوع کے افراد کاملہ ہیں۔

مگر مؤلف صاحب صرف بشریت میں اور صرف مشاکلت میں ان ہی حضرات کی ذوات مقدسہ کے انکاری کر مدعی ہیں کہ حضرات معصومین علیہم السلام کی نوع اور ان لوگوں کی نوع ایک ہے۔ خداوند عالم انہیں راہِ راست پر لائے کسی شخص کو یہ خیال پیدا نہ ہو کہ یہ حضرات خداوند عالم کی ذات مقدس کا جزو ہیں یعنی اس کے نور کا حصہ ہیں۔ اس کی مثال امام محمد باقر علیہ السلام نے یہ ارشاد فرمائی ہے کہ جس طرح آفتاب سے آفتاب کی شعاعیں ظاہر ہوتی ہیں اور وہ شعاعیں جزوِ آفتاب نہیں بلکہ اثر آفتاب ہیں، اسی طرح ہمارا نور بھی خدا کے نور کا جزو نہیں ہے بلکہ اثر ہے۔ یعنی اس کے وجودِ حقیقی کا اثر ہیں نہ کہ جزو جیسا کہ حدیث مندرجہ ذیل سے بھی ثابت ہے۔

محمد و آل محمد علیہم السلام لازمان و لامکان ہیں

قال ابو جعفر محمد بن علی الباقر علیہم السلام یا جابر کان اللہ ولا شیٔ غیرہ ولا معلوم ولا مجھول فاول ما ابتداہ من خلق خلقہ ان خلق محمدا وخلقنا اھل البیت معہ من نور عظمتہ فاوقفنا اظللۃ خضراء بین یدیہ حیث لا سماء ولا ارض ولا مکان ولا لیل ولا نہار ولا شمس ولا قمر یفصل نورنا من نور ربنا کشعاع الشمس من الشمس نسبح اللہ ونقدسہ ونحمدہ ونعبدہ حق عبادتہ ثم بدا اللہ تعالیٰ ان یخلق المکان فخلقہ وکتب علی المکان لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی امیر

المؤمنین ووصیہ وبہ ایدتہ ونصرتہ۔ بحارج ۲۵ ص ۲)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ اے جابر خدا موجود تھا اور اس کے سوا کچھ نہ تھا۔ نہ کوئی معلوم اور نہ کوئی مجہول پس خدا نے جب تخلیق کی ابتدا کی تو محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اہلبیت کو ساتھ ہی پیدا کیا اور ان کی خلقت اپنے نور عظمت سے فرمائی ہم اس کی بارگاہ قدرت کے سامنے سبز سائے تھے جبکہ نہ آسمان تھا نہ زمین اور نہ مکان تھا نہ لیل و نہار نہ شمس تھا نہ قمر ہمارا نور ہمارے رب کے نور سے اس طرح جدا ہوا ہے جس طرح آفتاب سے آفتاب کی شعاع۔ ہم اس کی تسبیح وحمد و عبادت بجا لاتے تھے۔ پھر خداوند عالم نے مکان پیدا کرنے کی ابتدا کی اور اس پر لکھ دیا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی امیر المومنین ووصیہ بہ ایدتہ ونصرتہ۔ یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں اور علی امیر المومنین وصی رسول ہیں ان ہی کے ذریعہ رسول کی مدد و نصرت کی ہے"۔

اس حدیث مبارک سے بالکل واضح ہو گیا کہ جب مکان نہ بنا تھا تو یہ حضرات موجود تھے۔ اور نہ لیل و نہار تھے نہ شمس و قمر اور نہ آسمان تھا نہ زمین۔ یعنی ابھی حرکت فلک بھی نہ تھی کہ کہا جا سکے کہ فلاں وقت اور فلاں روز اور فلاں ہفتہ اور فلاں مہینہ اور فلاں سال میں پیدا ہوئے یعنی ابھی زمانہ ہی نہ تھا۔ لہٰذا یہ حضرات لا زمان بھی ہیں اور لا مکان بھی۔ لہٰذا یہ حضرات لا زمان بھی ہیں اور لا مکان بھی۔ کیونکہ مخلوق اول ہیں لہٰذا زمان و مکان ان کے بعد کی مخلوق ہیں۔ اور اس سے شرک لازم نہیں آتا کیونکہ یہ مخلوق ہیں اور وہ خالق ہے۔ لہٰذا یہ فرق ہے کہ وہ خالق لا زمان اور یہ مخلوق لا زمان۔ وہ خالق لا مکان اور یہ مخلوق لا مکان۔ لفظ میں اشتراک ہے معنی مختلف ہیں جیسا کہ حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا ہے اور ہم مفصل پہلے درج کر چکے ہیں۔

جداگانہ نوع کا قہری اقرار

مؤلف صاحب نے کتاب اصول الشریعہ ص ۱۱۴ پر تحریر فرمایا ہے ملاحظہ کیجئے:۔

"آئمہ اطہار ظاہری موت کا ذائقہ چکھ کر دار دنیا سے دار آخرت کی طرف منتقل ہو چکے ہیں اور موت کے جو شرعی ظاہری علائم و آثار ہوتے ہیں مثل نماز جنازہ و تغسیل و تکفین اور تقسیم ارث وغیرہ امور بھی عمل میں آ چکے۔ یہ سب حقائق ناقابل انکار حد تک مسلم الثبوت ہیں۔ مگر یہ حقیقت بھی ناقابل انکار ہے کہ ان بزرگواروں کی موت سے ان کے آثار حیات کا خاتمہ نہیں ہوتا بلکہ ان کے آثار کا سلسلہ برابر جاری و ساری رہتا ہے"۔ اس تحریر سے ثابت ہے کہ ان ذوات مقدسہ میں اور عام انسانوں میں یہ فرق ہے کہ ان کی موت سے ان کے آثار حیات نہیں مرتے بلکہ وہ جاری و ساری رہتے ہیں بخلاف دیگر انسانوں کے کہ ان کے آثار حیات ان کی موت کے ساتھ مر جاتے ہیں۔ لہٰذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان ذوات مقدسہ میں دیگر انسانوں کے علاوہ ایک ایسا جوہر ذاتی موجود ہے جو فنا نہیں ہوتا اور نہ اس کو موت آتی

ہے۔ اسی لئے حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا ہے "ان میتنا لم یمت" یعنی ہماری میت نہیں مرتی ہے بلکہ اس میں ایک جوہر حیات موجود ہے جو آثار کا مبدء ہے اور یہی ان کی فصل ممیز ہے لہٰذا ان کی نوع الگ ہے۔

حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام کی خلقت جسمانی

پہلی حدیث:۔ عن حسن بن راشد قال قال ابو عبد اللہ علیہ السلام ان اللہ اذا احب ان یخلق الامام اخذ شربۃ من تحت العرش فاعطاہا ملکا فسقاہا ایاہ فمن ذالک یخلق الامام۔ (بحار الانوار ج ۲۵ ص ۲۶)

حسن بن راشد کہتے ہیں کہ حضرت صادق آل محمد علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ بالتحقیق جب خدا چاہتا ہے کہ امام کو خلق فرمائے تو ایک مشروب عرشی دے کر فرشتہ کو بھیجتا ہے کہ وہ امام کو پلائے پس اسی مشروب سے امام دیگر مخلوق ہوتا ہے" یعنی ایک امام سے جب دوسرا امام پیدا کرتا ہے تو اس کا مادۂ تخلیق یعنی اجزائے اصلیہ مشروب عرشی سے پیدا کرتا ہے۔

دوسری حدیث:۔ عن ابی عبد اللہ علیہ السلام ان نطفۃ الامام من الجنۃ واذا وقع من بطن امہ الی الارض وھو واضع یدہ الی الارض رافعا راسہ الی السماء۔ (بحار الانوار جلد ۲۵، ص ۳۸)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ امام کا نطفہ یعنی جوہر لطیف جنت کے ماکول یا مشروب سے ہوتا ہے۔ اور جس وقت وہ زمین پر قدم رکھتا ہے تو اپنے ہاتھ زمین کی طرف رکھتا ہے اور سر آسمان کی طرف بلند کرتا ہے"۔

تیسری حدیث:۔ عن ابی عبد اللہ علیہ السلام اذا اراد اللہ ان یقبض روح الامام و یخلق من بعدہ اماما انزل قطرۃ من ماء تحت العرش الی الارض فیلقیہا علی ثمرۃ او علی بقلۃ فیاکل تلک الثمرۃ او تلک البقلۃ الامام الذی یخلق اللہ نطفۃ الامام الذی یقوم من بعدہ قال یخلق اللہ من تلک القطرۃ نطفۃ فی الصلب یصیر الی الرحم۔ (بحار الانوار ج ۲۵ ص ۲۶)

حضرت صادق آل محمد علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ جب خدا ایک امام کی روح قبض کرتا ہے اور اس کے بعد دوسرا امام پیدا کرتا ہے تو عرش کے پانی کا قطرہ نازل فرماتا ہے اور اس قطرہ کو کسی پھل یا سبزی میں ڈال دیتا ہے۔ پھر اس کو امام تناول کرتا ہے اور اس سے جوہر لطیف کو خلق کرتا ہے اس امام کے لئے جو اس امام کے بعد پیدا ہوگا اسی قطرہ سے جوہر لطیف کو خلق فرماتا ہے پھر یہ جوہر لطیف رحم مادر میں قائم کر دیتا ہے"۔

چوتھی حدیث:۔ عن علی بن الحسین علیہ السلام قال ان اللہ عزوجل خلق النبیین من طینۃ علیین قلوبھم و ابدانھم وخلق قلوب المومنین من تلک الطینۃ وجعل خلق ابدان المؤمنین من دون ذالک وخلق الکفار من طینۃ سجین قلوبھم وابدانھم۔ (اصول کافی ص۳ بحوالہ اصول الشریعہ ص۵۲)

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ خداوند عالم نے انبیاء علیہم السلام کے قلوب اور ابدان طینت علیین سے پیدا کئے ہیں اور مومنین کے قلوب بھی اسی طینت سے اور ابدان اس کے علاوہ دوسری چیز سے۔ اور کفار کو طینت سجین سے پیدا کیا ان کے دل بھی اور ابدان بھی۔

اس حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء و آئمہ علیہم السلام کے بشری بدن کے اجزاء ہمارے اجزاء سے جداگانہ ہیں۔

پانچویں حدیث:۔ عن ابی حمزۃ الثمالی قال سمعت اباجعفر علیہ السلام یقول ان اللہ خلقنا من اعلیٰ علیین وخلق قلوب شیعتنا مما خلقنا وخلق ابدانھم من دون ذالک فقلوبھم تھوی الینا لانھا خلقت مما خلقنا۔ (کافی ص۲۴۶)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ خداوند عالم نے ہمیں اعلیٰ علیین سے پیدا کیا ہے اور ہمارے شیعوں کے قلوب کو بھی اسی سے پیدا کیا ہے اور ان کے ابدان کو اس کے علاوہ سے۔ پس ہمارے شیعوں کے قلوب جو ہماری طرف مائل ہیں اس کی وجہ یہی ہے کہ ان کے دل ہماری طینت سے خلق ہوئے ہیں۔

چھٹی حدیث:۔ عن ابی جعفر علیہ السلام قال للامام عشر علامات یولد مطھرا مختونا واذا وقع علی الارض وقع علیٰ راحتیہ رافعاً صوتہ بالشھادتین ولا یجنب ولا تنام عینہ ولا ینام قلبہ ولا یتثائب ولا یتمطی ویریٰ من خلفہ کما یریٰ من امامہ ونجوہ کرائحۃ المسک والارض موکلۃ بسترۃ وابتلاعہ واذا لبس ذرع رسول اللہ کانت علیہ وفقاً واذا لبس غیرہ من الناس طویلھم وقصیرھم زادت علیہ شبرا وھو محدث الیٰ ان تنقضی ایامہ علیہ السلام۔ (کافی ص۲۴۶)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ امام کی دس علامتیں ہیں۔ پہلی علامت یہ ہے کہ وہ پاک و پاکیزہ ختنہ شدہ پیدا ہوتا ہے۔ دوسری علامت یہ ہے کہ وہ جب زمین پر قدم رکھتا ہے (پیدائش کے وقت)، تو اپنے دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو زمین پر رکھتا۔

اور شہادتین ادا کرتا ہے۔ تیسری علامت یہ ہے کہ وُہ جنب نہیں ہوتا ہے۔ چوتھی علامت یہ
ہے کہ اس کی آنکھ سوتی ہے دل نہیں سوتا ہے۔ پانچویں علامت یہ ہے کہ وُہ جماہی نہیں
لیتا ہے۔ چھٹی علامت یہ ہے کہ وُہ انگڑائی نہیں لیتا ہے۔ ساتویں علامت یہ ہے کہ جس
طرح وُہ آگے دیکھتا ہے اُسی طرح پیچھے بھی دیکھتا ہے۔ آٹھویں علامت یہ ہے کہ اس کے فضلہ
سے مشک کی بُو آتی ہے۔ نویں علامت یہ ہے کہ اس کے جسم پر جناب رسالتمآبؐ کی زرہ
بالکل درست اترتی ہے اور اگر کوئی اور آدمی اس کو پہنے خواہ وُہ طویل قامت ہو یا پستہ
قد، وُہ زرہ ایک بالشت زیادہ ہوگی۔ دسویں علامت یہ ہے کہ وُہ ملائکہ سے باتیں کرتا
رہتا ہے۔ اس حدیث میں صاف الفاظ میں بتا دیا گیا ہے کہ امام جُنب نہیں ہوتا ورنہ نجس
ہو جائے۔ لہٰذا ان کا طریقہ تخلیق و تولید ہماری طرح نہیں ہے۔ ان کو کسی وقت کسی حال
میں نجاست چھو نہیں سکتی۔

نوعِ بشر در حقیقت جنسِ انبیاء و آئمہ ہے

مولف صاحب کو غلط فہمی ہوئی ہے کہ وُہ انبیاء و آئمہ طاہرین علیہم السلام کے اجسام مطہرہ کو جو در حقیقت
جنس ہیں اور اعلیٰ جنس ہیں فصل سمجھ بیٹھے ہیں اور اسی وجہ سے ایک نوع فرض کر کے اعتراضات کر رہے ہیں۔
اور اپنے اس غلط مفروضہ پر تحریر فرماتے ہیں؛ ملاحظہ ہو اصول الشریعہ ص۵۳۔

"ایک آدمی حلال غذا کھاتا ہے جس سے اس کا نطفہ تشکیل پاتا ہے۔ اور دوسرا حرام غذا پر گزر اوقات
کرتا ہے۔ ایک لطیف غذا نوش کرتا ہے اور دُوسرا کثیف و غلیظ۔ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ طبی نقطہ نگاہ
سے اس اختلاف غذا کا مولود کی سیرت و کردار اور صحت و سقم مزاج پر ضرور اثر پڑتا ہے۔ مگر کوئی صحیح الدماغ
اور صاحب عقل سلیم یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ اس اختلافِ غذا سے جو بچے متولد ہوں گے ان کی نوع بھی ایک دُوسرے
سے علیحدہ علیحدہ ہوگی۔ مالکم کیف تحکمون۔"

مؤلف صاحب اگر صحیح الدماغ اور صاحب عقل سلیم ہیں تو انہیں کس نے ورغلایا ہے اور کس نے یہ دھوکا
دیا ہے کہ جسم کے پاکیزہ اور صحت مند ہو جانے سے نبی و امام الگ نوع ہیں۔ ذرا اپنے ہوش و عقل کا علاج کرائیے
ہم نے کب کہا ہے کہ ان کے بشری اجسام پاکیزہ سے ان کی نوع الگ ہے۔ ہم نے تو یہ کہا ہے کہ ان کی فصل ممیز
جس کی وجہ سے وُہ علیحدہ نوع ہیں وُہ ان کا کمال ذاتی ہے جس کی وجہ سے وُہ فرشتوں کو دیکھتے ہیں اور اُن پر وحی
آتی ہے اور مُردوں کو زندہ کرتے ہیں اور زمین و آسمان کے حالات کو جانتے ہیں۔ اسی کمال کی وجہ سے وُہ ہم سے
جداگانہ نوع ہیں۔ مگر وُہ کمالِ ذاتی ایسا کمال ہے کہ اس کے سمجھنے سے عقول عالمین قاصر ہیں اور مولف صاحب
عاجز ہیں۔ اسی کمال کو ہم فصلِ ممیز کہتے ہیں۔ وُہ کمال طبع بشر میں نہیں ہوتا ہے۔ اگر مولف صاحب ہیں وُہ کمال

ہوتا تو یہ سب سے پہلے خود نبی ہوتے اور کسی نبی یا امام کا کلمہ کبھی نہ پڑھتے۔ مگر وُہ کمالِ ذاتی ایسا ہے جو کسی کے اکتساب اور انتہائی جدوجہد سے بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ وُہ عطیۂ خداوندی ہے۔ ہر بشر میں نہیں ہوتا۔ مگر ہر نوع کے مراتب ہوتے ہیں جیسے جمادات تمام ایک نوع ہیں مگر یاقوت اور عام پتھر میں فرق ہے۔ اسی طرح نباتات کی نوع میں فرقِ مراتب ہے۔ ہر درخت ایک جیسا نہیں ہے۔ ببول اور آم میں فرق ہے۔ اسی طرح جانوروں کی نوع میں گدھے اور گھوڑے برابر نہیں ہیں۔ اسی طرح نوع بشر میں تمام بشر یکساں نہیں ہیں خوشرو اور بدرو برابر نہیں۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام بھی ایک نوع مگر ان میں بھی سب برابر نہیں۔۔۔ تلک الرسل فضلنا بعضہم علےٰ بعض۔ ہم نے بعض رسولوں کو بعض دیگر رسولوں پر فضیلت دی ہے۔" آپ یاقوت کا مقابلہ آم سے نہ کریں اور گھوڑے کا مقابلہ بشر سے نہ کریں۔ اسی طرح آپ اپنا مقابلہ انبیاء علیہم السلام سے نہ کریں بلکہ بشریت میں بھی مقابلہ ان سے نہ کریں۔ کیونکہ اُن کے اجسام مطہرہ آپ کی رُوح سے بھی زیادہ پاکیزہ ہیں۔ مگر جسم میں مشارکت کے یہ معنی تو نہیں ہیں کہ وُہ آپ کی نوع قرار پائیں۔ یہ مشارکت صرف جنس میں ہے مگر وُہ اس جنس کے افراد کاملہ ہیں لیکن نوع جداگانہ ہے۔

مولف صاحب اس حقیقت کو نہیں سمجھے اور جناب علامہ سید محمد سبطین صاحب اعلے اللہ مقامہ، کے مضامین پر اعتراض کرنے لگے۔ آپ لوگوں کے لئے ہم نے مرحوم کی زبان سے سُنا تھا۔ فرمایا کرتے تھے کہ "کلام ما فہمیدن مشکل است چہ جائیکہ بر ما اعتراض کردن" یعنی ہمارے کلام کا سمجھنا ہی ان کی طاقتِ علم سے باہر ہے تو پھر یہ بیچارے ہم پر اعتراض کس مُنہ سے کر سکتے ہیں۔

طبقاتِ موالید اربعہ میں فرق

مولف صاحب کو معلوم ہونا چاہئے کہ طبقہ مافوق اپنے ماتحت طبقہ کے لئے نوع ہوتا ہے اور اپنے مافوق کے لئے جنس قرار پاتا ہے۔ جس طرح انسان نوع ہے حیوانوں کے مقابلہ میں مگر جنس ہے انبیاء کے مقابلہ میں اسی طرح حیوان نوع ہے نباتات کے مقابلہ میں مگر جنس ہے انسان کے مقابلہ میں اسی طرح نباتات نوع ہیں جمادات کے مقابلہ میں مگر جنس ہیں حیوانات کے مقابلہ ہیں۔ لہٰذا یہ اجناس و انواع طبقات کے لحاظ سے اور ایک دُوسرے کی نسبت کے لحاظ سے جنس بھی ہیں اور نوع بھی۔ کیونکہ نوع کا لفظ متفق الحقائق پر اطلاق کیا جاتا ہے اور جنس کا لفظ مختلف الحقائق پر۔ لہٰذا انبیاء و آئمہ علیہم السلام ایک نوع ہیں اپنے افراد کے لحاظ سے اور ان میں مراتب کا فرق ہے۔ اور انسان نوع ہے اپنے افراد کے اعتبار سے اور ان میں بھی مدارج کا فرق ہے۔

اسی طرح حیوان اور نباتات بھی علیٰحدہ علیٰحدہ نوعیں ہیں اپنے اپنے افراد کے لحاظ سے، اور ان کے مدارج میں بھی فرق ہے۔ جمادات اور نباتات جسمیت میں مشترک ہیں مگر نوع علیٰحدہ ہیں۔ کیونکہ نباتات میں ایک فصل ممیز ہے جو جمادات میں نہیں ہے اور وُہ فصل قوت نامیہ ذاتیہ ہے جس کی وجہ سے جمادات سے الگ ایک نوع ہیں

مگر جمادات کے ساتھ جسمیت میں مشارکت ہے یعنی جنس میں شرکت ہے مگر نوع الگ ہیں اسی طرح حیوانات جسمیت اور قوت نامیہ ذاتیہ میں نباتات کے مشارک ہیں مگر ان میں ایک فصل ممیز ہے اور وہ حس و حرکت ارادی کی قوت ذاتیہ ہے جس کی وجہ سے علیحدہ ایک نوع ہیں مگر قوت نامیہ میں نباتات کے ساتھ مشارکت ہے یعنی قوت نامیہ دونوں میں مشترک ہے اور ان دونوں کی جنس ہے مگر نوع الگ ہے۔

اسی طرح انسان حس و حرکتِ ارادی میں حیوان کے ساتھ مشارکت رکھتے ہیں مگر ان میں ایک فصل ممیز ہے یعنی قوت ادراک معقولات جو انسان کی قوت ذاتیہ ہے جس کی وجہ سے یہ الگ نوع ہے مگر حس و حرکتِ ارادی میں دونوں مشترک ہیں اور یہ ان دونوں کی جنس ہے۔

اسی طرح انبیاء و آئمہ علیہم السلام قوتِ ادراک معقولات میں انسان کے ساتھ مشارکت رکھتے ہیں مگر ان حضرات میں ایک فصل ممیز ہے اور وہ کمالِ ذاتی ہے جس کی وجہ سے وحی و الہام اور نزولِ ملائکہ ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کمال ذاتی کی وجہ سے الگ نوع ہیں۔ مگر قوت ادراک ذاتی اور قوت حرکت ارادی اور قوت نامیہ اور جسمیت میں انسان کے ساتھ مشارکت رکھتے ہیں بلکہ حیوانات و نباتات و جمادات کے ساتھ بھی مشارکت رکھتے ہیں یعنی جسم بھی ہیں اور نامی بھی ہیں اور متحرک بالارادہ بھی ہیں اور دریابندہ معقولات بھی۔ مگر صرف جسمیت کی مشارکت سے ان کو جمادات کی نوع نہیں کہا جا سکتا۔ اسی طرح صرف قوت نامیہ کی شرکت سے نباتات کی نوع نہیں کہا جا سکتا۔ اسی طرح صرف حرکت ارادی کی شرکت سے نوع حیوان نہیں کہا جا سکتا۔ اسی طرح صرف قوت ادراک معقولات کی شرکت سے نوع بشر نہیں کہا جا سکتا۔ اور جس طرح کسی انسان کو جانور کہنا دشنام اور گالی ہے اسی طرح ان کو صرف بشر کہنا دشنام ہے۔ اِسی لئے خداوند عالم نے کبھی صرف بشر نہیں فرمایا ہے بلکہ اس کے ساتھ ان کے کمالِ ذاتی کا ذکر ضرور فرمایا ہے جس کے آثار وحی و الہام وغیرہ ہیں۔

ہم مولف صاحب کو چیلنج کرتے ہیں کہ وہ اپنے ہم مشرب افراد کاملہ کو بھی ناصر و مدد بنا کر قرآن مجید کی کسی ایک آیت سے یہ دکھا دیں کہ خداوند عالم نے انبیاء علیہم السلام کے لئے ان کے کمال ذاتی یا آثار کمال ذاتی کو نظر انداز کر کے صرف بشر کہا ہو یا کسی حدیث میں اس کو نظر انداز کر کے صرف بشر کہا ہو۔ اور اگر یہ لوگ نہیں دکھا سکتے اور قیامت تک نہیں دکھا سکتے تو اس آگ سے ڈریں جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہوں گے۔ اب ہم ایک عبارت اصول الشریعہ سے نقل کرتے ہیں جس سے آپ حضرات اندازہ کر سکتے ہیں کہ ان صاحب نے کس فریب و دجل سے اپنے زعم باطل میں انبیاء و آئمہ طاہرین علیہم السلام کو اپنی نوع میں ظاہر کرنے میں کیا کیا ہتھکنڈے استعمال کر کے یہ لکھا ہے، ملاحظہ فرمائیے:۔

"ان حقائق و دقائق کی روشنی میں معمولی خداداد عقل و انصاف رکھنے والا انسان بھی بآسانی اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ انبیاء و آئمہ کی انسان کے علاوہ کوئی اور نوع قرار دینا عقل و نقل اور قرآن کریم و حدیث معصومین اور اتفاق علمائے کاملین کے سراسر خلاف ہے۔ اور

حقیقتِ واقعیہ یہی ہے کہ یہ ذوات عالیہ متعالیہ نوع انسان ہی کے افضل ترین و مقدس ترین افراد ہیں"۔
(اصول الشریعہ ص۵)

ناظرین کرام ان صاحب نے اپنے اس عقیدہ سے ظاہر کر دیا ہے کہ یہ قرآن کے بھی منکر ہیں اور احادیث معصومین کے بھی اور عقل تو ان کو نصیب ہی نہیں ہوئی جیساکہ مفصل طور پر ہم نے ثابت کر دیا ہے کہ صرف جنس میں شرکت ہے اور بشری حیثیت سے بھی وہ اس قدر بلند ہیں کہ کائنات ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ لیکن ان کا کمال ذاتی جو منجانب اللہ ان کو عطا ہوا ہے وہ ان ذوات مقدسہ کی فصل ممیز ہے اور اس کمال کو نظر انداز کر دیا جائے تو افضل ترین بشر تو رہیں گے مگر نبی و امام نہیں رہ سکتے ہیں۔ نوع بشر کے افضل ترین اور مقدس ترین افراد تو ہوں گے مگر نبوت و امامت سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔ اور یہی مقصد مولف کا ہے کہ اگر اس وقت نبی و امام بظاہر موجود نہیں ہیں تو کوئی فکر کی بات نہیں ہم اس نوع کے صدر المحققین و حجۃ الاسلام والمسلمین موجود ہیں جو کچھ انہیں دینا ہے وہ ہمارے سامنے پیش کر دو۔

دراصل ان لوگوں کو ان ذوات مقدسہ کی معرفت ہی نہیں ہے اور ان کو اتنا علم بھی نہیں ہے کہ سبب خلقتِ عالم اور سبب ہدایتِ عالم میں کیا فرق ہے۔

حالانکہ بکثرت احادیث سے ثابت ہے کہ خلقت عالم کا سبب ان ہی حضرات کا وجود مقدس ہے۔ اگر ان حضرات کا وجود نہ ہوتا تو کائناتِ عالم کا وجود نہ ہوتا۔ لہٰذا ان حضرات کا وجود علت خلقت عالم ہے اور یہی حضرات علت غائی ممکنات ہیں۔ اور چونکہ بشر کی ہدایت کے لئے ضرورت تھی کہ اس کی شکل میں تشریف لائیں، تو خداوند عالم نے ان حضرات کو صورت و شکل بشر میں مبعوث فرمایا۔ لہٰذا ان ذوات مقدسہ کی بعثت سبب ہدایت ہے اور یہی مقصد ہے حدیث نبوی کا کہ "بعثت لاتمم مکارم الاخلاق۔ یعنی میری بعثت اس لئے ہوئی ہے کہ میں لوگوں کو صفات حمیدہ اور اخلاق پسندیدہ سے آراستہ کروں"۔ اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ ان حضرات کی بعثت سبب ہدایتِ خلق ہے اور ان حضرات کا وجود اولی سبب خلقتِ کائنات ہے اور وجود و بعثت میں فرق ہے کیونکہ ان حضرات کا وجود بعثت پر [illegible]م ہے۔ لہٰذا ان حضرات کی شکل بشری درحقیقت وجودِ اولی کی شکل ثانوی ہے۔ یعنی یہ حضرات سبب نعمتِ وجود بھی ہیں اور سبب نعمتِ ہدایت بھی۔

مولف کی ایک گمراہی یہ بھی ہے کہ یہ لوگ امام کی تعریف میں لکھتے ہیں کہ اس کا کام سرحدات کی حفاظت کرنا اور تعزیرات جاری کرنا وغیرہ ہے حالانکہ یہ قطعاً غلط ہے۔ کیونکہ یہ امور تو ظاہری حکومت اور مادی سلطنت پر موقوف ہیں اور نبوت و امامت ہرگز حکومت و سلطنت مادی پر موقوف نہیں ہے بلکہ نبی و امام روحانی سلطنت و حکومت کے مالک ہوتے ہیں۔ یعنی مادہ کائنات ان کی اطاعت کرتا ہے جیساکہ ہم پیشتر بیان کر چکے ہیں جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ حسن و حسینؑ دونوں امام ہیں خواہ ان کو سلطنت مادی کا موقعہ ملے یا نہ ملے۔ لہٰذا بعثت اور ریاست شرط وجود نبی و امام نہیں ہے بلکہ ان کو خدا کی طرف سے ریاست و

حکومت الٰہیہ روحانیہ حاصل ہوتی ہے اور اسی کمالِ ذاتی کی وجہ سے وُہ نبی اور امام ہوتے ہیں نہ کہ ظاہری حکومت۔ ورنہ ان کی امامت سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔

بحیثیت معلّمِ ملائکہ و معلّمِ بشر فصل ممیّز ایک ہے

اسی مطلب کو جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے ارشاد حق بنیاد میں ظاہر فرمایا ہے:۔

عن الصادق علیہ السلام کنا انوارا صفوفا حول العرش نسبح فیسبح اھل السماء بتسبیحنا الی ان ھبطنا الی الارض فسبحنا فسبح اھل الارض بتسبیحنا وانا لنحن الصافون وانا لنحن المسبحون۔ (تفسیر صافی)

حضرت صادق آل محمد علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ہم صف بستہ نور تھے حول عرش تسبیح کرتے تھے اور ہماری تسبیح اہلِ آسمان کی تعلیمِ تسبیح کا سبب تھی یہاں تک کہ ہم زمین پر اُترے اور ہم نے تسبیح کی تو ہماری تسبیح اہلِ زمین کی تسبیح کا سبب قرار پائی۔ اور ہم ہی ہیں صف بستہ عبادت کرنے والے اور ہم ہی ہیں تسبیح کرنے والے۔

اس حدیث مبارک سے بالکل واضح ہوگیا کہ یہ ذوات مقدسہ جب عالمِ انوار میں تھے تو اہلِ آسمان کے معلّم تھے۔ اور جب زمین پر تشریف لائے تو اہل زمین کے معلم بنے۔ یعنی ان حضرات کی ذوات مقدسہ میں تبدیلی نہیں بلکہ ان حضرات کو جب اہلِ آسمان کا معلم بنایا گیا تو وُہ شکل دی گئی جس سے اہلِ آسمان مانوس ہوکر استفادہ کریں اور عبادتِ خدا کا طریقہ حاصل کریں اور جب زمین پر مبعوث ہوئے تو ان ہی ذوات مقدسہ کو وُہ شکل دی گئی کہ جس سے اہلِ زمین استفادہ کر سکیں اور ان ہی حضرات کے ذریعہ مکارم اخلاق کی تکمیل کر سکیں۔

اب مولف صاحب غور فرمائیں کہ کیا ان دونوں صورتوں میں ان ذوات مقدسہ کے وجود کو معدوم کیا گیا، یا صورتِ جنسیہ تبدیل کی گئی؟ پھر یہ حضرات صرف جنس میں مشترک ہوئے، نوع پھر بھی علیحدہ رہی اور وُہ صورت جنسیہ عالمِ انوار میں اہلِ آسمان کے لئے جداگانہ تھی اور عالمِ اجسام میں وُہ صورت جنسیہ علیحدہ حیثیت کی ہے تاکہ اہل آسمان اور اہلِ زمین دونوں استفادہ کر سکیں۔ اور اگر ان ذوات مقدسہ کے وجود ہی کو فنا کر دیا گیا تو ہبوط و نزول کس چیز کا ہوا۔ یعنی اس کے کیا معنے ہوئے کہ ہم زمین پر وارد ہوئے اور خدا نے ہمیں مکارم الاخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا۔ لہٰذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان حضرات کا وجود مقدس دونوں مقام پر باقی رہا۔ اور اگر کہیں ان کا وجود مطہر ہی فنا ہو جائے تو تمام عالم فنا ہو جائے۔ لہٰذا یہ حضرات قبل خلائق بھی تھے، اور خلائق کے ساتھ بھی ہیں، اور خلائق کے بعد بھی رہیں گے۔ الا ما شاء اللہ۔

یہی مطلب ہے حدیث معصوم کا "الحجۃ قبل الخلق ومع الخلق وبعد الخلق" یعنی حجت اللہ

قبل خلق بھی ہے، اور خلق کے ساتھ بھی ہے اور بعد خلق بھی ہے۔ (کافی)

جنس کی تبدیلی سے تبدیلیِ نوع لازم نہیں

اب ہم حدیث حضرت امام محمد باقر علیہ السلام پیش کرتے ہیں جس سے تمام اعتراضات کا غبار ہوا میں اُڑتا نظر آئے گا:۔

قال ابو جعفر علیہ السلام فنحن اول خلق اللہ و اول خلق عبد اللہ وسبحہ ونحن سبب خلق الخلق و سبب تسبیحھم و عبادتھم من الملائکتہ و الادمیین فبنا عرف اللہ وبنا وحد اللہ وبنا اکرم اللہ من اکرم من جمیع خلقہ وبنا اثاب من اثاب وبنا عاقب من عاقب ثم قولہ تعالٰی وانا لنحن الصافون وانا لنحن المسبحون وقولہ تعالٰی قل ان کان للرحمن ولد فانا اول العابدین فرسول اللہ اول من عبد اللہ واول من انکر لہ ان یکون لہ ولد و شریک ثم نحن بعد رسول اللہ ثم اودعنا بذالک النور صلب آدم فما زال ذالک النور ینتقل من الاصلاب والارحام الی الصلب۔ (بحار الانوار ج ۲۵۵)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ہم خدا کی مخلوق اول ہیں اور ہم وہ مخلوق ہیں کہ جس نے سب سے پہلے خدا کی عبادت اور تسبیح ادا کی اور ہم سبب خلقت بھی ہیں اور تمام خلائق کی تسبیح و عبادت کا سبب بھی ہیں ہم نے ملائکہ کو بھی تسبیح و عبادت کی تعلیم دی، اور اولادِ آدم کو بھی تعلیم دی۔ پس ہمارے ہی ذریعہ خدا کی معرفت وجود میں آئی اور ہمارے ہی ذریعہ خدا کی توحید کا اظہار ہوا۔ اور تمام مخلوقات میں سے خداوند عالم نے جس کو بزرگی عطا کی اور جس کو ثواب کا مستحق بنایا اور جس کو عقاب کا سزاوار بنایا وہ ہمارے ہی ذریعہ سے بنایا۔ پھر حضرت نے قرآن مجید کی یہ آیت ثبوت میں تلاوت فرمائی کہ "ہم ہی ہیں صف بستہ عبادت کرنے والے اور ہم ہی ہیں تسبیح کرنے والے" اور دُوسری یہ آیت تلاوت فرمائی کہ "اے رسولؐ! کہہ دو کہ اگر خدا کی اولاد ہوتی تو میں تو سب سے پہلا عبادت کرنے والا ہوں، اور سب سے پہلا اس کی اولاد اور اس کے شریک کا انکار کرنے والا ہوں (کیونکہ جس کی اولاد ہوگی وہ قابلِ عبادت ہی نہیں ہے۔ اس لئے میں نے عبادت کرکے ثابت کر دیا ہے کہ اُس کی کوئی اولاد نہیں ہے اور نہ اس کا کوئی شریک ہے)، پھر رسول اللہ کے بعد ہم ہیں عبادت کرنے والے اور انکارِ اولاد و شریک کرنے والے اس کے بعد خداوند عالم

نے ہمیں اسی نور کے ساتھ صلب آدم میں ودیعت فرمایا۔ پس یہ نور منتقل ہوتا رہا اصلاب وارحام کے ذریعہ دوسرے صلب کی طرف۔ الخ

اس حدیثِ معصوم سے ثابت ہوا کہ یہ ذوات مقدسہ جس طرح ملائکہ کے لئے معلّمِ عبادت ہیں اسی طرح اولادِ آدم ابوالبشر کے لئے معلّم عبادت ہیں یعنی معلّمِ عبادت ہونے میں کوئی فرق نہیں ہے۔ البتہ شاگردوں میں فرق ہے۔ کیونکہ نوعِ ملائکہ علیحدہ نوع ہے اور اولادِ آدم علیحدہ۔ مگر معلّم عبادت دونوں کے لئے یکساں ہیں لہٰذا ان کی حیثیت معلمی کو ملحوظ رکھتے ہوئے جوان کی ذاتی حیثیت ہے اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی ہے ان کے لئے صورت و شکل یعنی جنس کی تبدیلی ہو سکتی ہے۔ پس جب ملائکہ کو تعلیم دی تو کسی ایسی شکل و صورت میں ہوں گے جو اُن کے مانوس ہونے کے لئے لازمی ہوگی۔ پس اس شکل تبدیلی سے ان ذوات مقدسہ کی حقیقت نہیں بدل سکتی۔ حقیقت دونوں صورتوں میں ایک ہی رہے گی۔ اور اسی حقیقت کو برقرار اور مستمر تسلیم کر لینا ان کی نوع کے علیحدہ ہونے کی دلیل بیّن ہے۔

تنقیصِ محمدؐ و آلِ محمدؐ علیہم السّلام کا ایک اور ثبوت

مولف صاحب نے ایسے روایات کو جن میں تنقیص اہلبیت کا پہلو نکلتا ہو بغیر تشریح اور بغیر تاویل نقل کیا ہے اور اس نقص کے دفاع کی کوئی زحمت گوارہ نہیں فرمائی ہے۔ اور جن روایات میں فضیلت کا پہلو ہے ان روایات میں احتمالات اور شبہات و تاویلات تحریر کر کے پوری علمی قوت اس کے غلط ثابت کرنے کے لئے صرف کی ہے جیسا کہ ہم پیشتر ناصبیانہ حرکتوں کی کئی مثالیں دے چکے ہیں۔ اب ایک ایسی ناگفتہ بہ حرکت پیش کرتے ہیں جو موالیانِ اہلبیت کے لئے ناقابلِ برداشت ہے۔ مؤلف صاحب نے اپنی کتاب "احسن الفوائد" کے ص۴۴ پر تحریر کیا ہے ملاحظہ فرمائیے:۔

رابعاً۔ اس لئے کہ یہ جو کہا گیا ہے کہ اگر ملائکہ یہ کام انجام دے سکتے ہیں تو آئمہ طاہرین کیوں انجام نہیں دے سکتے جو کہ مخدوم ملائکہ ہیں"۔ یہ تقریر دل پذیر سراسر دھوکہ دہی و فریب کاری یا جہالت و مکاری پر مبنی ہے۔ ورنہ کس نے یہ کہا ہے کہ آئمہ ان امور کو انجام نہیں دے سکتے آئمہ اطہار تو اشرف الخلائق ہیں خدا چاہے تو مچھر سے بھی یہ کام لے سکتا ہے"۔ (احسن الفوائد ص۴۴۵)

دوسری جگہ مولف صاحب نے اس اپنے عقیدے کو اس طرح تحریر فرمایا ہے ملاحظہ فرمائیے:۔

"آئمہ اطہار کی شان تو بہت ارفع و اعلیٰ ہے ہم تو یہاں تک کہتے ہیں کہ قادر قیوم چاہے تو اپنی قدرت کاملہ سے کسی حقیر سے حقیر مخلوق کے ذریعہ نظام عالم کو چلا سکتا ہے۔ لیکن کلام اس میں ہے کہ بطور اعجاز کسی کام کو انجام دے دینا اور بات ہے اور کسی کام کی انجام دہی کا ڈیوٹی اور وظیفہ میں داخل ہونا اور بات ہے"۔ (احسن الفوائد ص۴۳۵)